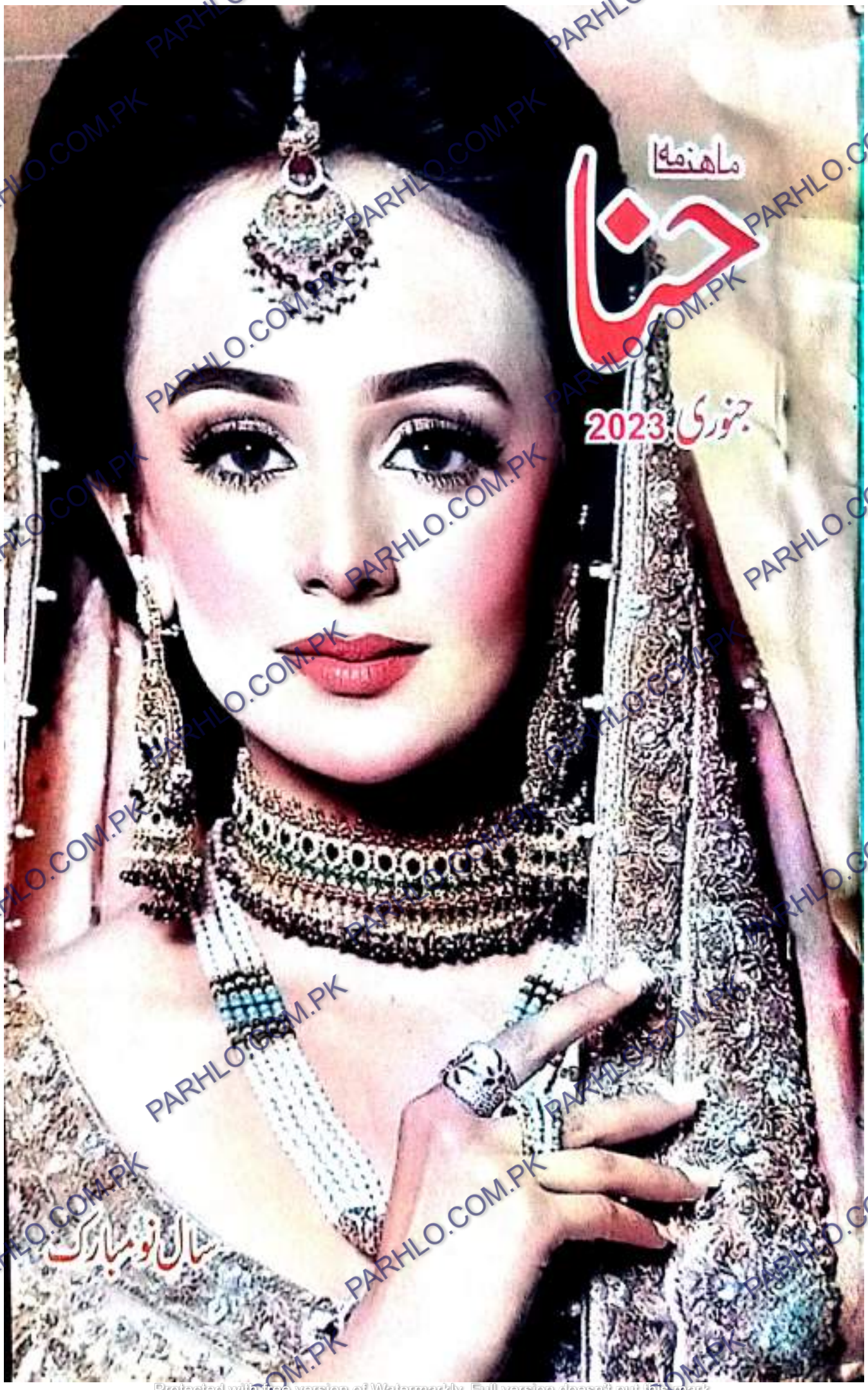

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ہر گھر کی بیٹی

ماہنامہ

حنا

بانی: سردار محمود

مدیر اعلیٰ: سردار طاہر محمود

مدیرہ: تسنیم طاہر

نائب مدیران: ارم طارق

تحریم محمود

مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق

قانونی مشیر: سردار طارق محمود (ایڈووکیٹ)

جلد 45 شمارہ 1

جنوری 2023ء

قیمت -/150 روپے

سالگرہ مبارک

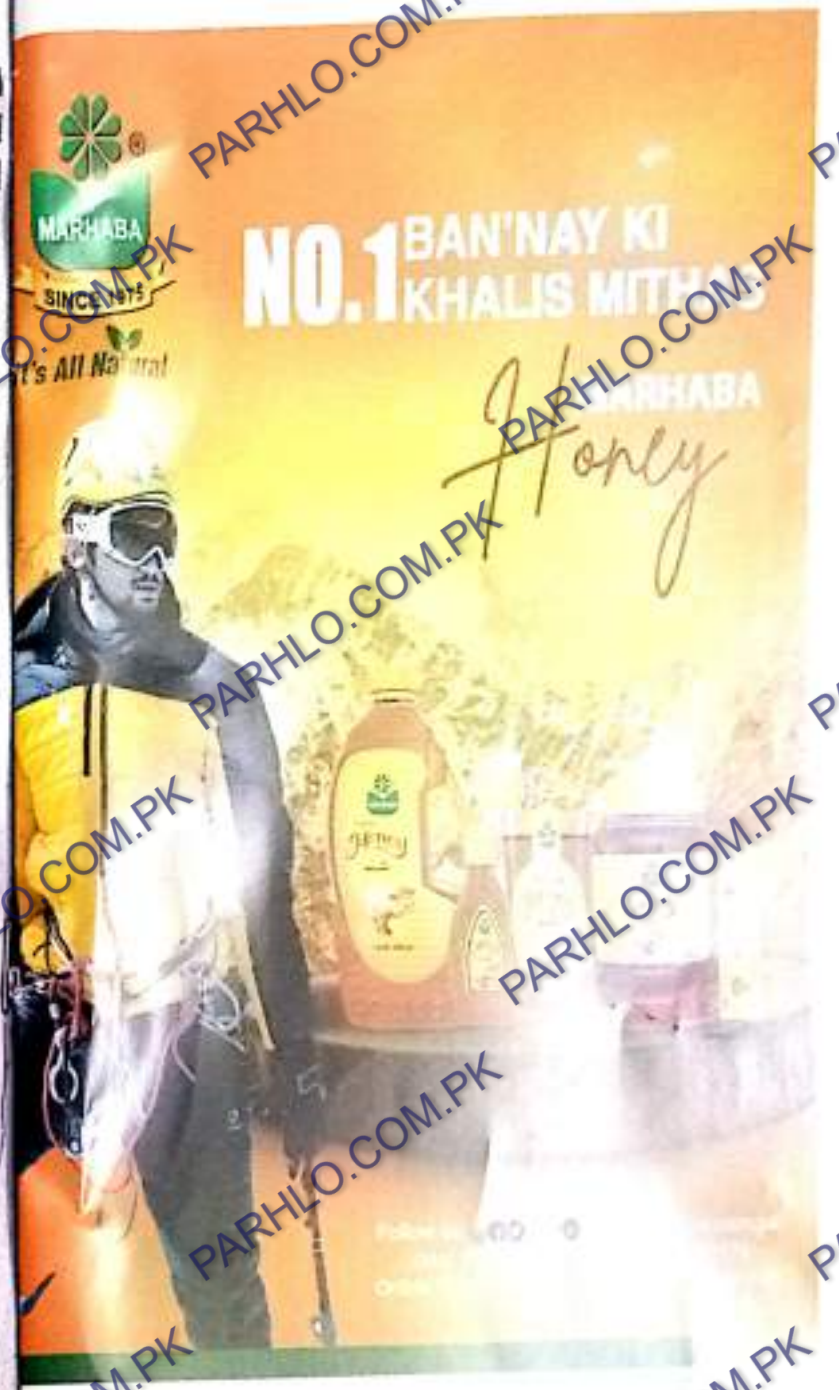

PARHLO.COM.PK

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — تنویر پھول — 7
نعت — محمد زبیر — 7
پیارے نبی کی پیاری باتیں — 8

انشائیہ نامہ

جنوری کی سرد شامیں — ابن انشاء — 11

افسانے

مٹھی بھر وفا — کنیز باہو — 109
ہواؤں کے سنگ — صائمہ اصغر — 151
فراغت ہجراں — تحریم اختر — 157
محبت سے — ردا علی خان — 160
کلمات من القلب — حرا شہزادی — 181
زندگی خواب نہیں — فرزانہ صفیر — 192
میرا اور دنہ جانے کوئی — ام ہانیہ — 200

ناولٹ

اور پھر ہم مل گئے — ماریہ خان — 112
قبول ہو — آسیہ برکت — 132

سلسلے وار ناول

اُمید صبح و جمال — انعم مریم — 18
نایاب جیلانی — 162

مکمل ناول

متاع جاں — فرزانہ خان — 38
اک ستارہ مہرباں — رمشا احمد — 89

یادوں کے پھول کھلتے ہیں

یادوں کے پھول کھلتے ہیں — فوزیہ شفیق — 13

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، اور نہ کیبل ٹی وی چینل پر ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

مسلسل سلسلے

حاصل مطالعہ — تحریم محمود — 227 — رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 233
بیاض — تسنیم طاہر — 229 — میری ڈائری سے — صائمہ بتول — 235
حنا کی محفل — عین نین — 231 — حنا کا دسترخوان — افراح طارق — 237

قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 240

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: ماہنامہ حنا 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس: monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

قریب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
وہ راز میں آیا ، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

گناہ کا بوجھ ہے سر پر گراہوں سجدے میں
وہ بار مرے ہے کہ میں اٹھا نہ سکا

سمجھ میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
بشر تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

بنائے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
وہ برگ و غنچہ یا مور و مگس بنا نہ سکا

بشر کو تو نے نوازا ، یہ فضل ہے تیرا
سروش منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

ہے بھی سجدے میں ، حالت سے اس کی تو واقف
بہائے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

تنویر پھول

مہکتے چمن ہو ، رسولؐ انمیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

ابر کرم بھی ہو ، بحر سخا بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست و حکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہین ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو ، دل کے قریں ہو

رسولؐ خدا ہیں ، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجدے میں گر کر قیامت کے بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

محمد زبیر

کچھ اپنی کہیں کچھ اُن کی سنیں

قارئین کرام! جنوری 2023ء کا شمارہ "سال نو" "سانگرہ نمبر" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ان فضاؤں میں، بدلتے مہینوں میں بدلے اور پھر سالوں کی مسافت طے کر کے تاریخ کا حصہ بنتے ہیں۔ تاریخ جس میں قوموں کے عروج و زوال کی بے شمار داستانیں ضم ہیں ان قوموں کے قصے جنہوں نے خدائی احکام سے روگردانی کی اور عبرت کا نشان بن گئیں۔

وہ قومیں جو آہیں بھر کر، چیخ کر بھی دشمن کے قدموں کی چاپ نہ سن سکیں اور زمانے میں عبرت کا نشان بن گئیں۔

تاریخ کے یہ اسباق ہمارے حال کی کہانی سنا رہے اور شاید ------؟؟

گزرے سال پر نظر ڈالیں تو دکھ، الم اور الجھنوں ہی نظر آتی ہے۔ ایک طرف قدرتی آفات ہیں سیلاب کی تباہ کاریوں نے تقریباً سارے ملک کو ہی اپنی لپیٹ میں لیا ہم ان بارشوں سے ہونے والی تباہی سے جہاں لاکھوں افراد بے گھر، بے سروسامان ہوئے وہیں سینکڑوں انگزوں کی جانیں بھی اس کا نشانہ بنی۔ نتیجتاً ملک میں اجناس کی کمی ہوئی اور مہنگائی کا دور شروع ہوا۔

دوسری طرف قومی اداروں کی کی زبوں حالی، بیماری، ٹیکنیکل ملز ایک بار پھر بحران کا شکار، جس سے لاکھوں لوگوں کا روزگار وابستہ ہے، وہ جن کو تجربہ کار کہہ کر لایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی قابلیت سے ملکی معیشت کا بھرکس نکال دیا ہے۔ بہت کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے، لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے جسے بچایا جاسکتا ہے۔ وقت کسی کے لیے رکتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین، نیک نیتی اور دیانت داری سے کوشش کی جائے تو حالات کے اس گرداب سے نکل سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ نیا سال آپ کے لیے ہمارے لیے، ہمارے پیارے ملک کے لیے اور تمام اُمت مسلمہ کے لیے ڈھیروں خوشیاں اور خوشیاں لے کر آئے۔ آمین قارئین کو نیا سال مبارک

ابن انشاء کی برسی: ابن انشاء اردو ادب کا ایک بڑا نام، جن کی کالم نگاری اور شاعری دونوں کا اپنا ایک الگ ہی انداز ہے۔ 11 جنوری کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت: میرا جواں سال بھتیجا شہروز محمود اور اس کی نو بیاہتا دلہن حمنہ عزیز شادی کی اگلی صبح ایک المناک حادثہ کا شکار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ سب سے التماس ہے کہ مرحومین کی مغفرت کے لیے اور تمام اہل خانہ خصوصاً ان بچوں کے والدین کے لیے صبر جمیل کی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل خانہ کو اس ناقابل یقین سانحہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس شمارے میں: سیدہ فرزانہ حبیب اور مسز احمد کے مکمل ناول ماریہ خان اور آسیہ کے ناولٹ کنیز باہو، صائمہ اصغر، عنبرین اختر، جویریہ وہی، فرزانہ صغیر اور اُم ہانیہ کے افسانے اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول کے علاوہ "حنا" کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ادارہ

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

"لا الہ الا اللہ خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔"

اور (راوئ حدیث) سفیان نے دس کا ہندسہ بنایا، (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا)

میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟"

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب برائی زیادہ ہو گی۔" (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی)

(صحیح مسلم)

فتنوں کا نزول

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا۔

"تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی جگہیں اس طرح دیکھتا ہوں جیسے بارش کے گرنے کی جگہوں کو۔" (یعنی بہت ہوں گے بوندوں کی طرح مراد جمل اور صفین اور فتنہ عثمان اللہ شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سوا بہت سے فتنے جو مسلمانوں میں ہوئے)

(صحیح مسلم)

فتنوں کا بیان

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

"تم میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟"

بعض لوگوں نے کہا کہ۔

"ہاں ہم نے سنا ہے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"شاید تم فتنوں سے وہ فتنے سمجھے ہو جو آدمی کو اس کے گھر بار اور مال اور ہمسائے میں ہوتے ہیں۔"

تو انہوں نے کہا کہ۔

"ہاں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "ان فتنوں کا کفارہ تو نماز اور روزے اور زکوۃ سے ہو جاتا ہے لیکن تم میں سے ان فتنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس نے سنا ہے جو دریا کی موجوں کی طرح الڈ کر آئیں گے؟"

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ

لوگ خاموش ہو گئے، میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"تو نے سنا ہے تیرا باپ بہت اچھا تھا۔"

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ۔

"فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے ایک کے بعد ایک جیسے بوریے کی تیلیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں پھر جس دل میں فتنہ رچ جائے گا اس میں ایک کالا داغ پیدا ہو گا اور جو دل اس کو نہ مانے گا تو اس میں ایک سفید نورانی دھبہ ہو گا یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے، ایک تو خالص سفید دل پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں، دوسرے کالا سفیدی مائل یا الٹے کوزے کی طرح جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بری بات کو بری مگر وہی جو اس کے دل میں بیٹھ جائے۔"

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی۔

"تمہارے اور اس فتنے کے درمیان میں ایک دروازہ ہے جو بند ہے مگر نزدیک ہے کہ وہ ٹوٹ جائے۔"

(صحیح مسلم)

شیطان کا فتنہ ڈالنا

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو دنیا میں فساد کرنے کو بھیجتا ہے، پس اس سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے کہ جو بڑا فساد ڈالے، کوئی شیطان ان میں سے آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا، (یعنی فلاں سے چوری کرائی، فلاں کو شراب پلوائی) تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر کوئی آ کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی تو اس کو اپنے پاس کر لیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا ہے۔" اعمش نے کہا کہ۔

"اس کو چمٹا لیتا ہے۔"

(صحیح مسلم)

فتنے مشرق کی طرف سے ہوں گے

سیدنا سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے۔

"اے عراق والو! میں تم سے چھوٹے گناہ نہیں پوچھتا، نہ اس کو پوچھتا ہوں جو کبیرہ گناہ ہو، میں نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ فتنہ ادھر سے آئے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں شیطان کے دونوں سینگ نکلتے ہیں اور تم ایک دوسرے کی گردن مارتے ہو (حالانکہ مومن کی گردن مارنا کتنا بڑا گناہ ہے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم کا ایک شخص مارا تھا اور وہ غلطی سے مارا تھا (نہ بہ نیت، قتل کیونکہ گھونسے سے آدمی نہیں مرتا) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

"تم نے ایک خون کیا پھر ہم نے تجھے غم

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

PARHLO.COM.PK

سے نجات دی اور تجھ کو سونا جیسا آزمایا تھا (طٰہٰ ۴۰)"

قیصر اور کسریٰ کے خزانے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب کسریٰ (ایران کا بادشاہ) مر گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر (روم کا بادشاہ) مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، (اور یہ دونوں ملک مسلمانوں فتح کر لیں گے) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔"

(صحیح مسلم)

امت کی تباہی

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا (یعنی سب زمین کو لپیٹ کر میرے سامنے کر دیا) تو میں نے اس کا مشرق اور مغرب دیکھا اور میری حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے دکھلائی گئی اور مجھے دو خزانے ملے ایک سرخ اور سفید اور میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر کوئی غیر دشمن ایسا غالب نہ کرے کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے اور ان کی جڑ کٹ جائے، (یعنی بالکل نیست و نابود ہو جائیں)

میرے پروردگار نے فرمایا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب میں کوئی حکم دیتا ہوں پھر وہ نہیں پلٹتا اور میں نے تیری یہ دعا میں قبول کیں اور تیری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا نہ ان پر کوئی غیر دشمن جو ان میں سے ہو ایسا غالب کروں گا جو ان کی جڑ کاٹ دے، اگرچہ اس کے تمام لوگ (مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے) اکٹھے ہو جائیں، (مگر ان کو تباہ نہ کر سکیں گے) یہاں تک کہ خود مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید کریں گے۔"

(صحیح مسلم)

تم اگلی امتوں کی راہوں پر چلو گے

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"البتہ تم اگلی امتوں کی راہوں (یعنی گناہوں میں اور دین کی مخالفت میں) پر چلو گے (نہ یہ کہ کفر اختیار کرو گے) بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے تو تم بھی گھسو گے۔"

ہم نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگلی امتوں سے مراد یہودی اور نصاریٰ ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(اگر یہ نہیں تو) اور کون ہیں؟"

(صحیح مسلم)

انشائیہ

جنوری کی سرد راتیں

ابن انشاء

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل — دیکھتا ہوں آ کے اکثر ہوش میں
جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل — کوئی ظالم ہے میری آغوش میں
ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ — خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں
گاہے گاہے ہے کھینچتا ہوں سرد آہ — پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں
کس طرح اب دل کی رہ پر لاؤں میں — پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں
کیا بہانے سے اسے بہلاؤں میں — اس دفعہ پہچان لینا ہاں تمہیں
سب کو محو خواب راحت چھوڑ کے — بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم
نیند آتی ہے شبستاں میں مرے — چھوڑ دیتے ہو رہین رنج و غم
مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی — مجھ کو تم سے عشق تھا مدت ہوئی
میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی — ان دنوں تم کو بھی الفت مجھ سے تھی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کم نگاہی اقتضائے سال و سن ہے دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی

کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن جس میں اجڑا تھا ہمارا کاروان

پھر اپنا آنا جانا ہو گیا اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں

اور اس پر ایک زمانہ ہو گیا آج تک دیتے رہے دل کو فریب

تم غلط سمجھے ، ہوا میں بدگماں اب نہیں ممکن ذرا تاب شکیب

بات چھوٹی تھی مگر پہنچی کہاں آؤ میرے دیدۂ تر میں رہو

جلد ہی میں تو پشیماں ہو گیا آؤ اس دن کے ہوئے گھر میں رہو

تم کو بھی احساس کچھ ایسا ہوا حوصلے سے میں پہل کرتا تو ہوں

نشۂ پندار میں لیکن تھے مست دل میں اتنا سوچ کر ڈرتا بھی ہوں

تھی گراں دونوں پہ تلخیِ شکست تم نہ ٹھکرا دو میری دعوت کہیں

ہجر کے صحرا کو طے کرنا پڑا میں یہ سمجھوں گا اگر کہہ دو "نہیں"

مل گیا تھا رہنما امید سا کر گیا ایام کو لوٹا لیا

ہے میری جرأت کی اصل اب بھی یہی میں نے جو کچھ کھو دیا تھا پا لیا

☆☆☆

باتوں کے پھول کھلتے ہیں

شفق

کچھ لوگ صفحۂ ہستی پر ستاروں کی مانند جگمگاتے ہیں۔ وہ دنیا میں روشنی پھیلانے، خوشیاں بانٹنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان کی چمک دمک کبھی ماند نہیں پڑتی۔ ہماری مصنفین کا شمار بھی ان ہی جگمگاتے ستاروں میں ہوتا ہے جو صفحۂ ہستی پر فروزاں ہیں۔

سالگرہ نمبر اور سال نو کے حوالے سے کچھ سوالات مصنفین سے کیے گئے جن کے جوابات انتہائی دلچسپ انداز میں ملے۔ آیئے آپ اور ہم مل کر دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات کے موتی کس طرح بکھیرتی ہیں۔

سوالات

1- جاتے جاتے سال کے آخری چند دن بہت بوجھل ہوتے ہیں، چار سو پھیلی دھند میں تنہائی کا گہرا احساس، بے نام سی اداسی، کچھ گمشدہ مسکراہٹیں، کچھ بھولے بسرے دن، ماضی کی بکھری تصویریں، ادھورے خواب، تعبیریں، زندگی کے نگارخانے میں رنگا رنگی کا یہ طلسم دل پر سپنک دیتا ہے اور بہت سی یادیں جگا دیتا ہے۔ سال کے اختتام پر کون سی یادیں اور باتیں آنکھوں کو نم اور لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں۔ اس وقت آپ کے محسوسات کیا ہوتے ہیں۔

2- دوستوں، عزیز و اقارب یا کسی من پسند شخصیت کی طرف سے ملنے والا خوبصورت پیغام جو سالگرہ کے موقع پر آپ کو ملا ہو۔

3- کوئی نظم یا غزل جو آپ کو بے حد پسند ہو اور پسندیدگی کی وجہ۔

4- اس سال آپ کے مشاغل اور مصروفیات کیا ہیں۔ کوئی نیا احساس، سوچ اور فکر ملی۔

5- اس سال آپ نے "حنا" میں بہت سی تحریریں پڑھی ہیں۔ اگر ان کی مصنفین سے آپ کی ملاقات ہو تو آپ ان تحریروں کے بارے میں کیا کہیں گے۔ کوئی شکوہ شکایت کوئی فرمائش یا تعریف و ستائش۔

فصیحہ آصف سلطان

سال گزر جاتے ہیں
تلخ و شیریں یادیں ماضی کا حصہ بن جاتی ہیں
گزشتہ سال ملا جلا رہا
میرے سسر صاحب کا انتقال ہوا
یہ پورا سال ان کی یاد دلاتا رہا
بہت سے نامور افراد پیوند خاک ہوئے
ارشد شریف کی وفات نے بے دکھ دیا اب تک
غم تازہ محسوس ہوتا ہے
میری بھانجی فروا اظہر بہت اچھے نمبروں سے
کامیاب ہوئی
یہ لمحے خوشی کے تھے
اس کی سالگرہ منائی بہت لطف اندوز ہوئے
گزرے سال سیلاب کی صورتحال بہت افسردہ
کرتی رہی۔ اللہ کرم فرمائے

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

سباس گل

رحیم یار خان

سب سے پہلے تو آپ سب کو فوزیہ آپی آپ کو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر فوزیہ آپی آپ کو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو

ڈائجسٹ کے تمام مدیران و ادارہ کی قاری اور لکھاری بہنوں کو کن دو ہزار تیئس اور ڈائجسٹ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ یہ نیا سال ہمارے آپ کے ہم سب کے پیارے پاکستان کے لیے بہت ثابت کرے اور وطن عزیز میں سیاسی اور معاشی استحکام ہو ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو دہشت گردوں اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ امین ثم آمین۔

1- فوزیہ آپی آپ نے پوچھا ہے سال کیسا تھا؟

کتنا روئے اور ہنسے کتنا؟
زندگی میں کب خوشی آئی؟
دیکھتی آنکھوں میں کب نمی آئی؟
کون سا پل دل کو چیر گیا؟
کب پرکھا کان کس لمحے آئی؟
کب تھکاوٹ کی تھکن نے گھیرا
کب تھکن ٹوٹ کر کمی در آئی؟
کس جگہ آ کے آس بندھ پائی؟
کتنے جگنو بجھے تھے بن چمکے؟
کتنی آنکھوں کو سال رفتہ نے
ہر گھڑی بس لہو رلایا ہے؟
دیکھ لیں میرے ملک کا نقشہ
جس میں اس سال ظلم برسا ہے
خون ناحق بھی بہایا گیا
سچ اور حق کو بھی دبایا گیا
عزتِ نفس کا خوں علیحدہ ہوا
حقوق انسان بھی ہوئے پامال
چھن لیا امن شریف "سناک لعل
بس جو دکھ ہے اس کا رونا ہے
جو تبسم ہے اس چمن کا ہے

2- ہماری چھوٹی بہن جیسی سہیلی

رافعہ چوہدری اور رضوانہ بتول بہت بصورت پیغام بھیجا کرتی ہیں اور دیگر سہیلیوں کی طرف سے بھی بہت پیاری دعائیں ملتی ہیں۔ تحائف بھی ملتے ہیں۔

رافعہ کا ایک پیغام ابھی ہمارے پاس محفوظ ہے اور وہ یہ ہے

میں چاہوں بھی تو وہ الفاظ نہ لکھ پاؤں۔
جس میں بیاں ہو جائے کہ کتنی محبت ہے تم سے ہمارے آپی جی۔

آپ کو پتا ہے زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے ہم کبھی مل نہیں سکتے لیکن پھر بھی وہ خود بخود ہمارے لئے بہت خاص ہو جاتے ہیں آپ بھی ان لوگوں میں سے ایک ہیں میرے لیے۔

اور رضوانہ بتول کا ہمیں سالگرہ پر ذیل پیغام ہے

کلینڈروں کے خانے میں
ہر دن ہی خاص ہے
مگر یہ جو آپ کا جنم دن ہے نا
بہت میٹھے اور خوشبودار لہجے کی حامل پیاری شخصیت کے لیے ہماری طرف سے اظہار الفت اور پیار و محبت کا دن ہے
آپ کی زندگی کے تین سو پینسٹھ دن میں
یہ جو آپ کا جنم دن ہے نا
آپ شاروں کے جنم میں پوشیدہ
قلب و نگاہ کو سرشار کرتا میٹھے نغموں کے ساز کی مانند بہت خاص ہے

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ میری آپی کو بہاروں کی طرح ہنستا کھلکھلاتا رکھیں۔ آپ کی زندگی سے تم دکھ کسی معجزے کے تحت خوشیوں اور مسرتوں میں بدل جائیں

بہت سی دعائیں اور محبتیں ہیں
سب سے اچھی سب سے پیاری
یہ دن آئی جانی
تم کو ہو جنم دن بہت مبارک

3- بے اماں ہوتے ہوئے سر نہیں دیکھے جاتے
جا بجا کوئے ستمگر نہیں دیکھے جاتے
جن میں خوشیاں تھیں محبت کی مہک تھی ہر سو
ہم سے جلتے ہوئے وہ گھر نہیں دیکھے جاتے
سچ کی خاطر بھی تو آواز اٹھائی جائے کوئی
ہر گھڑی جھوٹ کے پیکر نہیں دیکھے جاتے
اب نہ غالب ہے، نہ سودا ہے، نہ کوئی میر یہاں
اب وہ پہلے سے سخنور نہیں دیکھے جاتے
دل کی نگری میں بچھی ہے صفِ ماتم کب سے
ظلم ہر روز ستم گر نہیں دیکھے جاتے
کس سے گل شکوہ اغیار کریں، کیسے کریں؟
تو اپنوں کے بھی تیور نہیں دیکھے جاتے

مجھے اپنی ہی یہ غزل بہت پسند ہے جو میں سال پہلے کہی تھی پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ تب سے اب تک کے حالات میں کوئی نیا اور اچھا بدلاؤ نہیں آیا یہ غزل آج کل کے حالات کے حوالے سے بھی دلی جذبات کی ترجمانی کرتی محسوس ہوتی ہے۔

4- اس سال لکھنا بہت زیادہ نہیں رہا میں مصروفیات زیادہ رہیں۔ ماہِ رمضان میں جو مختلف صورتحال میں بھونچال آیا تھا اس سے اوروں کی طرح ہم بھی بہت اپ سیٹ رہے سیاست میں دلچسپی ایک بار پھر سے بڑھ گئی ہے اور ہم دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائیں اور اس کو سمان دار سربراہ مخلص قیادت نصیب کریں۔ امین

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

دکھ، خوشی، پریشانی، کامیابی، بیماری ہر طرح کے احساسات نے وقتاً فوقتاً اپنے حصار میں لیے رکھا اب دعا ہے کہ آنے والا سال ہم سب کے لیے پاکستان کے ہر پہلو سے ہر لحاظ سے ہر زاویے سے شاندار، جاندار، پُر بہار اور مبارک ثابت ہو۔ آمین ثم آمین۔ پاکستان زندہ باد

انشاء حیدرآباد

محبتوں اور چاہتوں کی خوشبوؤں میں دعاؤں کی بینی سرگوشیاں اور مسکراہٹوں کے ہمراہ افشاں بکھیرنے کے لیے افشاں علی حاضر محفل ہے۔

اتنے طویل عرصے بعد حنا کی محفل میں شرکت جو کہ فوزیہ شفیق سسٹر کی پرزور فرمائش اور بھیجے گئے سروے کے ساتھ، اس یقین کے ساتھ کر رہی ہوں کہ آپ سب کو میں اور میرا ناول "تیرے عشق کی پڑ گئی مار یہاں" یاد ہوگا اس امید کے ساتھ انشاء اللہ حنا کے قارئین کے لیے پھر سے ایک خوبصورت محبتوں کے خمار میں ڈوبا ناول جلد تحریر کروں گی۔

زندگی کی ریت پیروں تلے سے وقت کی تند و تیز لہروں کے ساتھ بہتی چلی جا رہی ہے۔ وقت کی ان طوفانی موجوں کی رفتار کبھی نہیں رکتی، نظام قدرت سب کچھ بدل دیتا ہے۔ کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا نہ رنگ، نہ موسم، نہ انسان، نہ غم، نہ وقت اور نہ ہی یہ گزرتے ہوئے سال۔ اختتام سال کے ساتھ ہی موسم سرما کا بھی آغاز ہو چلا۔ دھند میں لپٹے دسمبر اور شروع ہوتے موسم سرما کی شوخ و خنک دار ہواؤں کے تاقفوں سے لڑتے گرم اونی لحاف میں دبک کر خستہ مزے دار مونگ پھلیاں نوش فرماتے ساتھ میں بھاپ اڑاتے چائے کے مگ کے ہمراہ جب ہاتھوں میں من پسند ڈائجسٹ ہو تو اس سرد موسم کا

مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ 2022ء سال کے یہ آخری لمحے تیزی سے گزر رہے ہیں اور ان جاتے لمحوں کی نذر میں تمام ہم سروے کے جوابات کے ہمراہ حاضر ہیں۔۔۔

1- دسمبر سال کا سب سے آخری مہینہ جو اپنے اندر ایک بے نام سی اداسی لیے شاعروں و ادیبوں سے پتہ یوں لاڈ اٹھواتا ہے جیسے کسی کی پہلوٹھی کی اولاد ہو، نظمیں اس کے نام، غزلیں اس کے نام، سال کے سارے گیت اس کے نام، الغرض دسمبر کا آغاز ہو یا اختتام ہر طرف بس اسی کے نام کی پکار سنائی دیتی ہے۔ کچھ عرصے تک میرا یہ ماننا تھا کہ گزرے اور بیت جانے والے لمحوں پہ بھلا کیسا افسوس۔۔۔! جو بیت گیا سو بیت گیا اسے یادوں کے دیپ جلائے رکھنا میں زندہ کرنا یا ان لمحوں کو محسوس کرنا سراسر اپنے ساتھ زیادتی والی بات ہے یہ میری ذاتی رائے تھی مگر 2020 سے ہی رائے ایک مقام پہ آ کر دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ کہتے ہیں کوئی لمحہ، کوئی دن یا تاریخ یا کوئی سال و مہینہ منحوس نہیں ہوتا مگر ہمارے ساتھ بیتے واقعات اور درپیش آنے والے حادثے اس لمحے کو منحوس یا شگن بنا دیتے ہیں ایک دن اگر کسی کے لیے خوشیوں کا باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف وہی تاریخ وہی دن کسی کی اداسی کا بہت بڑا سبب بھی۔۔ الغرض وقت کو حالات اور واقعات ہی اچھا برا بناتے ہیں۔۔ 14 جولائی جہاں میری امیٹورسری کا مہینہ ہے، وہیں میرے بیٹے کی پیدائش کا بھی۔۔ اس گزرے سال 6 جولائی کو ماشاء اللہ سے میرا بیٹا محمد ضدفار 1 سال کا ہوا۔ میں ہرگز یہ نہیں کہوں گی کہ یہ سال کیسے گزرا پتہ ہی نہ چلا۔۔ کیونکہ میرے لیے تو اس سال کا ہر ہر مہینہ ایک امتحان بھی تھا تو ایک نیا تجربہ بھی۔۔۔ اکیلے چھوٹے سے بچے کو گود میں اٹھائے ہوئے لے کر پیدل چلانے تک کا سفر اتنا آسان نہیں تھا مگر الحمدللہ سب بخیر و عافیت ہوتا گیا خود ہی گرتے پڑتے بالآخر بیٹے کو چلنا سکھا دیا ایسا نہیں کہ میں اس کی پرفیکٹ مما ہوں یا بلکل ہی اناڑی۔۔ ہاں ناتجربے کار ضرور تھی مگر یہ جو وقت ہے نا ہم سب کا استاد یہ ناتجربے کار کو بھی ایکسپرٹ بنا ہی دیتا ہے۔۔۔ جہاں مجھے محمد ضدفار کو گود سے اٹھانے یا نہلانے بھی نہیں آتا تھا اب اکیلے ہی سب کام و ذمیداریاں بخوبی انجام دے دیتی ہوں یہی وجہ ہے کہ لکھنے میں کچھ عرصے کا ٹھہراؤ آ گیا کیونکہ یہ بھی ضروری تھا۔ ماں بننے کے بعد اولین ترجیح ہماری اولاد ہوتی ہے یوں تو محمد ضدفار کی ہر بات، ہر حرکت، ہر نئی چیز میرے لیے ایک خوبصورت یاد بن کر مبہم کا باعث رہی مگر اس سال کی خوبصورت یاد 6 جولائی کو محمد ضدفار کی پہلی سالگرہ اور پھر 6 نومبر میری لاڈلی بہنا کی سالگرہ یہ دونوں ہی دن ایک خوشگوار یاد بن کر ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے کی چمک بڑھانے میں معاون ثابت ہوئے جبکہ پچھلے سال کی طرح اس سال بھی 12 اگست کا دن ہمیں اداس کر گیا۔ یہ گزرتا سال بتاتا ہے کہ امی کے بغیر پل پل ان کی کمی محسوس کروا کے ایک اور سال گزر گیا اور یہ خلش ہر گزرنے والے اور آنے والے نئے سال میں کھٹکتی رہے گی۔ جولائی ہماری سالگرہ کو اور گہرا کرتا ہے تو ماہ اگست ہماری آنکھوں کو نم کر جاتا ہے۔ جہاں اس سال جولائی میں ہماری ازدواجی زندگی کے دو سال مکمل ہوئے وہیں امی کو ہم سے بچھڑے دو سال کا عرصہ ہو گیا۔ مگر وہ پل وہ لمحہ جب امی نے میرے ہاتھوں میں میری آنکھوں کے سامنے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیں آج بھی کہیں آس پاس سانس لیتا ہے جیسے دل کی طرح پہلو میں دھڑکتا ہو

اور محض اتفاق ہے کہ اس سال ماہ دسمبر کی 10 تاریخ کو ہمارا قبرستان کے قریب سے غیر ارادی طور پر گزر ہوا خواتین کا قبرستان میں جانا ممنوع ہونے کے باعث ہم دونوں بہنیں اور ہمارے خاندان کی خواتین کبھی قبرستان نہیں گئیں حالانکہ امی کے انتقال کے بعد بارہا دل نے شدت سے چاہا کی اور زبان پہ بھی یہ خواہش مچلی مگر سب نے منع کیا کہ وہاں خواتین کا جانا اسلامی رو سے بھی ممنوع ہے مگر اس دفعہ اتفاقاً وہیں سے ضیاء (میرے شوہر) کے ہمراہ بائیک گزرنا ہوا گو کہ بیچ میں ایک نہر کا فاصلہ تھا مگر آنکھوں کے سامنے شہر خموشاں تھا اور وہیں کہیں آس پاس میری امی کی آخری آرام گاہ۔۔۔ وہ سوچ اس لمحے سے اب تک دل پہ کیا قیامت ڈھا رہی ہے۔ چاہ کر بھی لفظوں کی گرفت میرے اختیار میں نہیں رہتی، اس کیفیت خود، اس لاچارگی، بے بسی اور اک کاش کو لفظوں کے سہارے بیاں کرنا ناممکن ہے میرے لیے۔۔۔ بس آپ سب سے ایک گزارش ایک گزارش ہے میری امی کے لیے دعائے مغفرت کیجیے انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا یہی اس سال کی گزارش بھی ہے اور عرض بھی۔

بقیہ حصہ آخری صفحات پر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اُمید صبح و جمال

اُمِ مریم

سینتیسویں قسط کا خلاصہ

مہیر کے گھر میں زیمل کے لئے مہیر کی ناراضگی اور محسن کی پسندیدگی سب سے بڑی آزمائش ہیں۔ جن سے بیک وقت گزرتی وہ ہر لمحہ اذیت میں کاٹ رہی ہے۔ ایشال اپنے بیٹے میں زیمل کو لے کر فوراً پہچان جاتی ہے۔ پہلے وہ زیمل کو ڈی گریڈ کرتی ہے پھر مہیر سے الجھ پڑتی ہے۔ آخیر میں وہ مہیر کو زیمل سے الگ رہنے کا مشورہ دیتی ہے تاکہ محسن کو اس کی محبت مل سکے۔

ایشال کے رویے کی بدصورتی مہیر کو زیمل کے عدم تحفظ اور مسائل کے متعلق احساس دلاتی ہے۔ جبھی وہ زیمل کو نہ صرف مناتا ہے بلکہ اس کی تمام غلط فہمیاں بھی دور کر دیتا ہے۔

آیت زیمل کو محسن کے حق میں ہموار کرنا چاہتی ہے تو زیمل کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ وہ اسے حقیقت بتا دے مگر وہ آیت کو اذیت سے آگاہ کرتی ہے۔ آیت اس کے مستقبل کے حوالے سے پریشان اور فکرمند ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھتیسویں قسط

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بہار تازہ کے ہاتھ تھامے
برستے بادل کی بارشوں میں
مہکتے آنچل کو سر پہ اوڑھے
کوئی گلابوں کی کالی شاخوں پہ
اپنے ہونٹوں سے پھول ٹانکے
کوئی تو ہم کو بھی اتنا سوچے
کہ خود کو ہم پہ وار ڈالے
کوئی تو اتنا ٹوٹ کے روئے
کہ اب کے ساون بھی ہار ڈالے

آیت بہت زچ ہو رہی تھی جب اس کے پاس سے اٹھ کر گئی۔

"محسن اتنا الجھا ہوا ہو چکا تھا میں زیمل کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے جب اسے علم ہوگا خود کو کیسے سنبھالے گا۔ کیسے جوڑے گا۔"

زیمل کیا کہتی ہو وہ خود تب سے پریشان تھی جب سے محسن اس کی جانب ملتفت ہوا تھا۔

"وہ اتنا دیوانہ تھا تمہارا..... مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی تمہیں اتنا چاہنے والا ساتھی مل جائے گا۔ پھر ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گی مگر....."

اس کی یاسیت گہری ہو رہی تھی۔

"ہم اب بھی ساتھ ہی ہیں..... تم پریشان نہ ہو۔"

زیمل نے اسے تسلی دی مگر وہ پھیکے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔

"اور وہ تمہارا لاپرواہ میاں جسے ہمیشہ تمہیں میرے پاس چھوڑ دے گا اور دعا کرے کہ ایسا ہو..... تمہیں ہمیشہ بہت خوشیاں ملیں۔"

وہ متضاد کیفیات کا شکار تھی۔ زیمل کچھ خفت زدہ نظر آنے لگی۔

"آج محسن کی سالگرہ ہے۔ آج کے دن تو بالکل اسے یہ خبر نہیں ملنی چاہیے۔ تم خیال رکھنا زیمل....."

وہ کچھ خیال آنے پر اسے تاکید کر رہی تھی۔ زیمل نے محض سر ہلا دیا۔

"تم مجھے اس کا کانٹیکٹ نمبر دینا۔ میں خود اس کی برین واشنگ کروں گی..... شاید وہ اس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ اس لئے کر رہا ہے کہ کوئی تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں جو اسے پوچھے۔ کہرے میں کھڑا کرے۔ میں اس کی عقل ٹھکانے لاؤں گی بے فکر رہو۔"

اس آخری بات پہ زیمل کی بے اختیار ہنسی نکل گئی جو آیت کی گھوری سے بچی نہیں رہ سکی۔

"تم پہ سب سے زیادہ غصہ آ رہا ہے۔ بتاؤ چھپا کے بیٹھی ہے۔ اس روز سے اسے بلا شیری مل رہی ہے۔"

اس نے برہمی سے جتلایا۔ زیمل نے فی الفور اپنی مسکراہٹ سمیٹ لی۔

"مجھے تو آج چیک اپ کے لئے بھی جانا تھا۔ بالکل ذہن سے نکل گیا۔"

اس کا انداز شاکی سا تھا۔ زیمل نے سر اٹھا کر فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"پھر اب..... تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے....."

"ٹھیک ہوں بھئی..... اس حالت میں اور اس مقام پہ ہو تو ڈیلیوری نزدیک ہے تو طبیعت ایسی ہی رہا کرتی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ لاؤ..... مجھے بھی کچھ دو میں تمہاری حتی الوسع مدد کر دوں....."

وہ بات کرتی تھی تو اس کی سانس پھولتی تھی۔ زیمل اسے دیکھ کر پریشان ہونے لگی۔

"میں کر لوں گی۔ تم بہتر ہے جا کے آرام کرو۔ میں فریش جوس بنا کر دیتی ہوں تمہیں۔" زیمل نے اس کا ہاتھ ہلکا کر کمرے میں چھوڑا پھر سب سے پہلے اس کے لئے سیب کا جوس بنایا تھا۔

"پی کر لیٹ جاؤ۔ آرام کرو گی تو شام تک بہتر ہو جاؤ گی انشاء اللہ....."

آیت نے ضد نہیں کی۔ شاید واقعی تھکی ہوئی تھی۔ زیمل درد اور بڑھ کر کے خود دوبارہ کچن میں آ گئی۔ آیت کی باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ لبوں پہ بھی [illegible] پھیل جاتی کبھی تشویش کا احساس پیشانی شکن آلود کر دیتا۔ دوپہر ڈھل گئی۔ تب کھانا تیار ہوا تھا مگر اکرتی۔ وہ چائے کا کپ بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

[illegible] سے پہلے کہ سب ہاتھ سے نکل جائے مجھے میر کو اعتماد میں لے کر یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

وہ پھر اسی بات پہ سوچ رہی تھی۔ اس نے پکا تہیہ کر لیا تھا۔ اب وہاں نہیں رہے گی۔ یہی اس کے اور آیت دونوں کے حق میں بہتر تھا۔

✦✦✦

کہا اس نے کیا درد ہے اور تم دوا دیجیے
لگا تم سے محبت ہے مجھے اس نے کہا جیسے
طلب کی اس نے جب مجھ سے محبت کی وضاحت تو
بتایا دشت کے ہونٹوں پہ بادل کی دعا جیسے
سنو کیوں دل کی بستی کی طرف سے شور اٹھتا ہے
بتایا حادثہ احساس کے گھر میں ہوا جیسے
کہو اے گل کبھی خوشبو کا تم نے عکس دیکھا ہے
کہا قوس قزح کے سارے رنگوں کی صدا جیسے
سنو خواہش کی لہروں پر سنبھلنا کیوں ہوا مشکل
بتایا پانیوں پر خواب کی نیا جیسے
سنو آنکھوں ہی آنکھوں کا بیاں کیسا لگا تم کو
کہا پھولوں سے سرگوشی کرتی ہے صبا جیسے

شام کے بعد رات کی تاریکی پھیلنے سے پہلے محسن پھر میر بھی گھر آ گیا۔ سب سے پہلا سامنا محسن کا زیمل سے ہی ہوا تھا۔ ہاتھ میں موجود [illegible] شاپر زسلیب پر رکھ کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ کو تکلیف دیا میں نے..... اتنا اہتمام کرنے سے روکا بھی تھا۔"

وہ اسے نرم لہجے نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"مجھے اچھا لگا ہے اس طرح آپ کی خوشی میں شریک ہونا۔"

وہ شاپرز اٹھا رہی تھی۔ ایک میں خوشنما کیک دوسرے میں آئسکریم تھی۔ جبکہ تیسرا اور سب سے وزنی شاپر فرائی مچھلی کا تھا جس کی خوشبو اس کے ذائقے کے متعلق آگاہ کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ خشک میوہ جات بھی تھے۔

"بہت ساری نیک تمنائیں آپ کے لئے..... اللہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھے۔"

اس نے پرخلوص انداز میں دعا دی تو محسن ایک دم کھل اٹھا۔

"شکریہ..... مگر آپ کے ساتھ۔ مجھے کوئی خوشی بھی آپ کے بغیر نہیں چاہیے....."

اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ زیمل کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ اس بات پر۔

"میں ذرا فریش ہو جاؤں۔ اماں بھی انتظار کر رہی ہوں گی آپ پلیز یہ آئسکریم ضرور فریزر میں رکھ دیجئے....."

اس کی خاموشی سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرتا وہ مسکراتا ہوا پلٹ کر کچن سے نکل گیا۔ جبکہ زیمل کا دل بہت بوجھل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کھانا لگا دیا تھا۔ جو بے حد خوش ذائقہ تھا۔ جو سلاد کی ڈش اس نے لا کر رکھی وہ بہت سجی ہوئی اور خوش شکل تھی۔ کھانا بہت ہلکے پھلکے خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ مہیز نے محسن کو بہت خوبصورت گھڑی تحفے میں دی تھی۔ آیت نے کف لنکس جبکہ زیمل کو مہیز نے اس کے لئے خوب صورت سے قلم کا تحفہ لا کر دیا تھا۔

"آپ سب کا بہت شکریہ مگر اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو صرف تول جل کر بیٹھا تھا۔ بس....."

محسن کچھ خفیف سا ہو گیا تھا۔ تب آیت نے اسے شرارت نظروں سے دیکھا۔

"ارے واہ..... آپ تو بہت مہذب ہو گئے ہیں اور یہ صرف زیمل کی وجہ سے ہے ورنہ ہم کیا جانتے نہیں کہ تم کیسے جھگڑ جھگڑ کر ہم سے گفٹ بٹورا کرتے تھے۔"

آیت نے بوجھل ماحول کو خوش گوار کرنے کو اس پر گرفت کی تھی۔ محسن خجالت سے سرخ پڑتا ہنسنے لگا۔

"آپ کا بھی جواب نہیں تھا یہ بتانا بھی تو کیا ضروری تھا آپ مجھے رگڑا لگاتیں....."

سب ہنس پڑے تھے۔ ایسے ہی نیک بھی کاٹا گیا۔ محسن کو بے تحاشا پرخلوص دعاؤں سے نوازا گیا تھا۔

"اللہ تمہیں بہت پیاری اور تم سے محبت کرنے والی دلہن عطا کرے۔"

آیت نے ایک بار پھر خلوص سے کہا۔ وہ اس دعا پر بے ساختہ زیمل کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کی آدھی دعا قبول بھی ہو گئی مادام..... باقی کی آدھی شادی کے بعد پوری ہو جائے گی۔"

مہیز اور زیمل کے ساتھ آیت کا بھی چہرہ اتر گیا۔

"آج ہم پرانی یادیں تازہ کریں گے..... بھائی یاد ہے بھابھی کے پہلی بار آنے پہ ہم نے الاؤ روشن کیا تھا اور رات بھر جاگے تھے۔ شعر و سخن کی محفل سجائی تھی۔"

مہیز نے دیکھا اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے شہزادے..... سارا انتظام میں کروا چکا ہوں۔"

مہیز نے اسے سرپرائز دیا تو محسن واقعی دنگ رہ گیا تھا۔

"مگر کیسے.....؟"

"میرے اسٹوڈنٹس زندہ باد....."

مہیز نے کہا تو محسن بے اختیار سرشار ہوتا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا کھلکھلایا۔

"تسی گریٹ او....."

سب ایک بار پھر ہنس دیے تھے۔

✦✦✦

حسن والوں کی ادا بہت قاتل ہے آج
دل والوں کی خدا خیر کرے

مہیز نے سب سے پہلے شعر پڑھ کے آغاز کیا۔ وہ آیت کے ساتھ بیٹھا تھا جس کے چہرے پہ آدھے سے زیادہ بوجھ تقریباً اس پر ڈال رکھا تھا اس کے باوجود اس کے چہرے پہ تھکاوٹ نظر آتی تھی۔ زیمل اس وقت تیسری بار عام سے سوٹ میں تھی مگر اس کی خوبصورتی بہت غیر معمولی تھی کہ حلیہ جو بھی ہوتا وہ ہمیشہ چودھویں کے چاند کی مانند جگمگاتی نظر آیا کرتی۔

"بھابھی..... آپ کی باری ہے اب....."

محسن نے آیت کی طرف دیکھا تو وہ اتنی جلدی گرفت میں آ جانے پہ کچھ گھبرائی۔

"ارے..... کوئی اور سنا دے..... میں تو کچھ بھی یاد نہیں کر پائی۔ ذرا ذہن تو کھنگالنے دو"

محسن نے کاندھے اچکا دیے۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ میں تو چاہتا تھا وی آئی پی شخصیت ہونے کے باعث سب سے آخیر میں اپنے جذبوں کو آشکار کروں مگر..... خیر..... تو عرض کیا ہے حسن والوں کے نام.....

غرور حسن میں شاہی جلال ہوتا ہے
پری رخوں کا سبھی کچھ کمال ہوتا ہے
بدن بھی حشر بپا دھڑکنوں میں کرتا ہے
پھر اس پہ چلتا قیامت کی چال ہوتا ہے

وہ جھومتا تھا۔ گنگناتا تھا۔ موڈ از حد خوش گوار تھا۔ گاہے بگاہے زیمل کو بھی دیکھ لیتا مگر یہ دیکھنا زچ کرنا نہیں تھا۔ وہ نظریں بہت نرم لو دیتی تھیں۔ بہت مہذب تھیں۔ ایسے اٹھتی تھیں گویا اس پہ کہ وہ کانچ کا بدن رکھتی ہے۔ وہ اتنی سخت نگاہی سے بکھر نہ جائے۔ ایسی احتیاط تھی کہ موم ہو پگھل نہ جائے۔ آیت کو زیمل کی قسمت پہ افسوس ہوا۔ اتنا چاہنے والا اس کے نصیب میں نہیں ہو سکا تھا۔

پناہ ہاتھوں میں ڈھونڈتا ہے ماہ تمام
جو بے حجاب ہو زہرہ جمال ہوتا ہے
خدا ہی جانے اسے چوم لیں تو پھر کیا ہو
جو گال نام سے بوسے کے لال ہوتا ہے

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اگر وہ لب نظر آئیں تو زلف بھی دیکھو
ہر ایک دانے پہ موجود جال ہوتا ہے

اشعار ختم ہوئے تو اس نے تسلیمات کا سلسلہ چھیڑا ہاتھ رکھ کے۔ زیست اس کی مسخریوں پہ خوش ہونے کے بجائے افسردہ ہو رہی تھی کہ یہ خوشی عارضی ہے۔

"کمال ہے بھئی لگتا ہے نئے سرے سے دیوان پڑھا ہے۔"

مہیز نے اسے چھیڑا۔

"جی..... جیسے آپ نے اپنے وقت پہ پڑھا تھا۔"

وہ کون سا کم تھا۔ ترکی بہ ترکی بولا۔ زیمل کو اس کی نظروں سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ دھیان بٹانے کو اٹھ کر مختلف چینز سب کو پیش کرنے لگی۔

"شکریہ....."

مہیز نے یہی ایک مچھلی کا پیس اٹھایا تھا۔ آیت انکار کر رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھ کر اصرار سے اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ اس کے کہنے پہ وہ شرمندہ ہوتے محسن کی سمت پلیٹ لائی۔ محسن نے سرد آہیں بھریں پھر شاکی ہو کر بولا تھا۔

غیروں کو اپنے ہاتھ سے نہیں کھانا کر کھلا دیا
مجھ سے کبیدہ ہو کر کہا کیا لیجیے
مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دوں گا آپ کو مس جان لیجیے

آیت کی اس برجستگی پہ ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"بہت خوب محسن..... یعنی مجھے غیر بنا دیا۔ ہاں....."

"چلیں کباب میں ہڈی بنا دیتا ہوں..... برا نہ مانیں۔"

وہ کون سا کم تھا۔ ایک اور فقرہ چست کر دیا۔ پھر کراہ کر گلہ آمیز انداز میں گویا ہوا۔

زندگی بس اس کا نام ہوئی
دوریاں مجبوریاں تنہائیاں

اس پر شرارت سوار تھی۔ زیمل کلیئر کر رہی تھی۔ مہیز خاموش تھا اور اس کی خاموشی سے ہولا رہی تھی۔

"مجھے نیند آ رہی ہے..... اب اجازت چاہوں گی۔"

اس نے شائستگی سے معذرت کی۔ سب سے زیادہ محسن ہی چونکا۔

"اگر آپ میری اس اشعار کی عادت کی وجہ سے جا رہی ہیں تو پلیز رک جائیں میں ہونٹوں پہ انگلی رکھ لیتا ہوں۔"

"زیمل کو پہلے سے کہیں بڑھ کر خفت اٹھانا پڑی، نگاہ بے ساختہ مہیز پہ اٹھی وہ خاموش تھا جنوز.....

ہیکے بہکے سے انداز بیان ہوتے ہیں
آپ ہوتے ہیں تو پھر ہوش کہاں ہوتے ہیں

آیت نے مداخلت کی پھر زیمل کو دیکھا تھا۔

"رک جاؤ بھئی..... کہاں بھاگ رہی ہو ابھی کی رات تو ہے یہ سب اہتمام....."

زیمل نے نظریں جھکا دیں۔ راہ فرار نہیں تھی۔ اسے بیٹھنا پڑا۔

لاپرواہ وہ دنیا بھر کا
پھر بھی اچھا لگا وہ دنیا بھر سے

محسن نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس لی۔ پھر مزید گویا ہوا۔

پاگل پن کی ساری لکیریں میرے ہاتھ میں کیوں
میں کو چاہوں میں ہی چاہوں میں
میں تنگ چاہوں کیوں.....؟

"تم بھی پیچھے ہٹ جاؤ قصہ ختم....."

آیت نے بظاہر ہنس کر کہا تھا۔ محسن نے کاندھے اچکائے۔

"لگتا ہے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"

بات کی تہہ تک پہنچے بنا وہ بظاہر شوخی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ بہت خاموش ہیں..... میر بت.....؟"

آیت کو اچانک مہیز کی خاموشی چبھی۔ اس کے کاندھے اچکا دیے۔

"ایسی بات نہیں۔ یہ محسن کا دن ہے۔ ادھر ہی جو فوکس رہنے دو۔"

"تو کچھ آپ بھی سنا دیں۔"

"میں.....؟"

اس کی نگاہ بھٹک کر زیمل کی جانب اٹھی جو دلچسپی نگاہوں میں سمیٹے تھی۔ مہیز کی نگاہیں ایک دم شوخ ہو گئیں۔ کلام کرتی محسوس ہوئیں۔

ہم ترسے ہی ترسے ہی ترستے ہی رہے
وہ فلانے سے فلانے سے ملے
خود سے مل جاتے تو چاہت کا بھرم رہ جاتا
کیا ملے آپ جو اوروں کے ملانے سے ملے

"ارے..... واہ بہت خوب....."

محسن مسرت آمیز انداز میں بے ساختہ داد دینے لگا۔ پھر کچھ شریر انداز میں اس پر گرفت کی تھی۔

"ویسے یہ کس کے لئے فرمایا آپ نے..... ہماری بھابھی محترمہ کے لئے.....؟"

"اور کس کے لئے کہوں گا یار..... کیوں ہماری بھائی کروانے کے درپے ہو تم....."

مہیز نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ محسن ہنستا چلا گیا۔

"جیسے کہ ایک اور شعر ملاحظہ ہو کہ.....

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

رہا ہوا تھا میرا
تمہیں کچھ نہ لگا تو کہ مر جاتا

اعتیاد کا عالم تھا کہ اس نے زیبل کو بالکل نہ دیکھے اس کے ہاتھ میں ہر گز جوکی کی سوا اس کے ہاتھ ہوا کھلے تھے۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"بھائی آپ تو حواس قسم کے ہیں کچھ اور سنیئے (محسن)

محسن محظوظ ہو گیا۔ "میر بھی جانے کس روپ میں ظاہر ہونے شروع ہو گیا۔

عروج پر ہے تمہارا موسم
خوش ہیں تجھ کو خرید لیں گے
ہو کے ہم ہے رحم کے طالب
تجھ کو موقع خرید دیں گے

"ایسا تو آپ کر چکے ہیں ہماری معصوم بھائی کے ساتھ اب بھی ارادے خطرناک کیوں ہیں۔ کیا غصہ ابھی باقی ہے؟"

آیت اور زیبل مسکرا دی تھیں۔ محسن نے مفتاح رقم کروانے لگا۔

"تم اس بات کو چھوڑو تم یہ بتاؤ تم میں کچھ اور سنے کی؟"

وہ محسن کو زچ کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بھی کوئی اجازت طلب بات ہوئی۔ آپ دل کھول کر رکھ دیں ہم باہر نکال دیں آج۔"

محسن نے جوش میں کہا۔ "میر جیسے پہلے سے تیار بیٹھا تھا جیسی آیت کی [illegible] اسے دیکھ کر ابرو سوالیہ انداز میں اچکائے۔

"کیا کہتی ہو بیوی اجازت ہے"

آیت نے اس کے بازو پہ مکا مارا۔

"میری اجازت سے سارے کام کرتے ہیں۔"

"تو اور میں کسی کا غلام ہوں۔ الزام نہ لگاؤ زوجہ"

وہ آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"اچھا بس اصل مرکز پہ بات آئیں بھائی۔"

محسن ان کی بحث پہ بدمزہ ہو کر ٹوک گیا۔ "میر نے سر ہلایا پھر گلا کھنگارا تھا۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کے بھی میری جان تجھے چاہوں گا
یہ میری عمر محبت کے لئے تھوڑی ہے

رات کا خاموش پہر، الاؤ کی لڑکیوں سے آتی چیخ اور فضا میں اڑتی چنگاریاں فضا کی خنکی اور یہ حسین آواز زیبل کو لگا زندگی کا حسن انہی لمحات میں قید ہو گیا ہے۔

تیری ہر چاپ پہ جلتے ہیں خیالوں میں چراغ
جب بھی تو آئے بجاتا ہوا جادو لائے

تو بھی آ اے جان تمنا میں بھولوں تجھے
زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کے بھی میری جان تجھے چاہوں گا

"زبردست اعلیٰ کمال"

اس ہار ماننے والوں میں صرف محسن شامل نہیں تھا۔ آیت نے بھی بے ساختہ سراہا۔ "میر کی نگاہ ایک لمحے کو زیبل پہ ٹھہری پھر اگلے لمحے گلہ حاضر تھا۔

مجھ کو بھی ہے وفا سکھاتا ہے
جانے وہ خود کو کیا سمجھتا ہے

ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔" آیت نے مداخلت کی تھی۔ [illegible]

تجھے کوئی اور دیکھے جلتا ہے دل
بڑی مشکلوں سے پھر سنبھلتا ہے دل

"اب میرا خیال ہے بھائی کی باری آنی چاہیے۔" محسن نے ٹوکا تھا۔

"میرے جیسے کا بھی خیال رکھا ہے آپ نے۔"

آیت نے "میر کو چھیڑا

"نہیں آپ کو خود کچھ پیش کرنا ہوگا تبھی آپ کا اظہار ہوگا۔ موصوف کے لئے۔"

آیت نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ اور یہ اس وقت کی فیلنگز ہیں جب ہم الگ تھے۔"

اس نے وضاحت ضروری سمجھی۔

آس اس در سے ٹوٹی نہ جا کے دیکھ لیا
جا کے دیکھا نہ جا کے دیکھ لیا
وہ میرے ہو کر بھی میرے نہ ہوئے
ان کو اپنا بنا کر دیکھ لیا

"اور یہ"

کوئی سی بات ہو جو مجھ کو نمایاں کر دے
وہ کسی عام سی لڑکی کے نہیں ہو سکتے

"آپ نے خود کو خاص کر لیا، نمایاں کر لیا بہت خوب"

محسن واقعی قائل بھی ہوا اور داد بھی خوب کی۔

"اب تم کچھ بھی سناؤ زیبل پھر یہ غلط فہمی کرنی ہے مجھ سے اب اور برداشت نہیں ہو رہا۔"

آیت کے کہنے پر زیبل کنفیوژ ہو گئی تھی۔

"اب نخرے نہیں ہونے چاہئیں بس ہمیں نظر چاہیے۔"

محسن نے بھی زور ڈالا۔ وہ خشک لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گئی۔ چور نگاہ "میر پہ ڈالی جس نے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بھی آنکھیں موند لیں تھیں۔ اس کی دھیمی پرسوز آواز ماحول کا حسن بڑھانے لگی۔

میں لڑکی ٹھہری
اصولوں میں کڑی ٹھہری
مجھے جس سے محبت ہے
مجھے اس سے چھپانا ہے

"بس.....؟"

محسن نے ایسے کہا گویا مزا ہی کرکرا ہو گیا ہو۔

"مجھے بس یہی آتی ہے۔"

وہ شرمندہ ہوئی۔

"ہاں تو اچھی ہے نا۔"

مہیز نے اس کی طرفداری کی تھی۔ محسن کے سر پہ شرارت سوار تھی۔

"تو کیا یہ عمر بھر کا ارادہ اور فیصلہ ہے.....؟"

وہ بہت رازداری سے سوال کر رہا تھا۔ جس طرح اس کی ہمت متوجہ ہوا زیمل کی روح فنا ہو گئی ایسی گھبراہٹ اندر سے اٹھی۔

"جی.....؟"

اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیل گئیں۔

"کچھ نہیں....."

وہ خود کو سنبھال گیا تھا۔ البتہ آہ بھر کے ضرور کہہ ڈالا۔

نگاہ یار کے پردوں میں ہے حیا کسی
ستم کیسا کرم کیسا وفا کیسی جفا کیسی

اسلام نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اتنی تیزی سے اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔ آیت مہیز کے ہاتھ کا سہارا لے کر بامشکل اٹھی۔

"ایک شعر میں بھی آپ کو سناؤں.....؟"

وہ اس کے بازو کے سہارے اس کے کاندھے پہ سر رکھے چلتی ہوئی بولی۔

"ارشاد....."

مہیز نے چونک کر اس کی صورت دیکھی اور دل سے مسکرایا۔

تیری محبت نے مارڈالا ہے مجھ کو
رلا رلا کر جلا جلا کر گلا گلا کر

شعر کے آغاز و اختتام تک مہیز کے چہرے سے مسکراہٹ اپنے غائب ہوئی گویا کسی نے نوچ کر پھینک دی ہو۔

"اب ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ ٹوکے بغیر نہ رہ سکا۔

"پہلے تو تھی۔"

آیت نے اپنی بات پہ قائم رہتے ہوئے جتلایا۔ مہیز نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"ایک شعر میں بھی تمہیں سناؤں.....؟"

"ضرور....."

وہ اسے دیکھ کر بولی۔ مہیز نے بہت پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

کھلی زلفیں گلابی ہونٹ اور غضب کی آنکھیں
تم ویسے ہی جان مانگ لیتے اتنا اہتمام کیوں کیا

آیت پہلے حیران ہوئی پھر کھسیا گئی تھی۔

"....."

مہیز نے اسے خود سے بھینچ لیا۔

"زندگی میں اگر کبھی دوبارہ مجھ سے گلہ ہو آیت تو گنجائش رکھ کر سوچنا، خود کو میری جگہ پہ لے آنا اور پھر تحمل سے فیصلہ کرنا کہ تمہارے پاس کوئی اور راہ بچی ہے یا نہیں....."

اس کا لہجہ عجیب سی گہرائی لیے تھا۔ آیت نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ نہیں..... بس تم ذہن پہ زور نہ ڈالو۔"

آیت نے ہونٹ بھینچ لیے۔ ایک بار پھر اسے لگا کچھ ایسا ہے جس سے اسے لاعلم رکھا جا رہا ہے۔

✦✦✦

بہت دن ہو گئے شائد۔
تیرا چہرا نہیں دیکھا
تمہارے بن بھی منظر
ادھورے ہیں میرے دل کے
یہ پاگل آنکھوں نے مدت سے
کوئی سپنا نہیں دیکھا

اس کا چہرا غصے میں سرخ تھا۔ بالکل انگارے کی مانند دہکا ہوا۔ وہ بہت تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ اتنا کہ اس کے پیچھے آتی پکارتی یشفع کا بھاگتے سانس پھول گیا۔

"سلمان..... رک جاؤ..... پلیز گاڈ سیک....."

اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اتنی لجاجت سے بھرا ہٹ زدہ آواز میں کہا کہ سلمان کا قہر سامان کچھ نہ کچھ بحال ہو ہی گیا۔

"کیوں روک رہی ہو..... اس سے بڑھ کر ذلت کا اور کیا مقام ہو سکتا۔ گھر بلوا کر تم نے توہین کروائی میری....."

وہ اسے دیکھ کر پھنکارا۔ یشفع کی نظریں جھک گئیں۔ ہونٹوں کے لمحہ بھر کو زخمی مسکراہٹ چھلکی پھر یہ

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تبسم بھی دھیما ہوتا غائب ہو گیا۔

"میں نے کہا تھا تمہیں وہ لوگ نہیں مانیں گے مگر تمہاری ضد اپنی جگہ قائم رہی۔ انجام دیکھ لیا تم نے.....؟"

"مجھے اندازہ نہیں تھا۔ سوامی....."

اس کی مسکراہٹ بہت اداس تھی۔ چہرے و آنکھوں میں کیفیت رقم تھی وہ دل توڑنے کی تھی۔

"اب اگر مجھے کچھ ہو تو تم ضرور خود کو ذمہ دار نہ ٹھہرانا.....؟"

سلمان نے لوہا گرم دیکھ کر شدید ضرب لگائی۔ وہ بے طرح چونک اٹھی۔

"کیا..... مثلاً کیا ہو گا آپ کو.....؟"

اس کی آواز اندیشوں سے رندھنے لگی۔

"اگر میں مر جاؤں..... تم آرام سے شادی کر لینا گھر والوں کی پسند سے....."

یشفع کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ رنگ ایک دم ہلدی جیسا زرد نظر آنے لگا۔

"آپ..... ایسا کچھ نہیں کریں گے....."

وہ رہانسی ہو گئی تھی، سچی ہو کر جس طرح بولی سلمان نے جواباً بغیر لحاظ کے اسے ڈپٹ کے رکھ دیا۔

"وجہ بتاؤ گی..... کیا میں دنیا میں ناکام نامراد مرنے کے لئے آیا ہوں.....؟"

یشفع نے ایک انتہائی فکر مند نگاہ اس پہ ڈالی۔ پھر جیسے ہار مان لی تھی۔

"میں..... آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں..... بس آپ کچھ بھی کھا پی نہیں کریں گے۔ سلمان....."

وہ پژمردگی سے بولی۔ سلمان نے بامشکل خود کو کنٹرول کیا۔ ورنہ جذبات فتح کے احساس سے چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے.....؟"

وہ ابھی بھی تیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ خود کو غصے میں ظاہر کرنا ضروری تھا۔

"کیا گارنٹی چاہیے..... لکھ کر دے دوں.....؟"

وہ روہانسی تھی۔ اس نے لانبی پلکیں اٹھا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ کل شام کو میں تمہیں پک کروں گا۔ تیار رہنا۔"

سلمان معاملہ نپٹا کر پلٹ گیا۔ یشفع ہونٹ کاٹتی آنسو پیتی وہیں کھڑی تھی۔ اس کا نسوانی وقار اور انا مجروح تھی اور ایسا کرنے والے اس کے اپنے گھر والے تھے۔ کہا تھا اگر اس کی پسند پہ اس کا رشتہ طے کر دیا جاتا۔ اگر انہیں اس کا خیال نہیں تھا تو پھر اس کو کیوں ان لوگوں کی پرواہ ہونے لگی۔

منفی رویے ہمیشہ منفی عمل کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ تکلیف دہ ناسور معاشرے میں پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی کہانی تھی۔ جس کا آغاز ہی غلط ہوا تھا تو انجام کے بارے میں کسی کو خبر نہیں تھی۔

+++

بے رخی تیری عنایت تیری
زخم دیتی ہے دوا کرتی ہے

تیری آہٹ میری تنہائی کا
راستہ روک لیا کرتی ہے
روشنی تیرا اجالا ٹھہرنے
میری ہر سانس دعا کرتی ہے

وہ کب سے ایک ہی زاویے پہ بیٹھا تھا۔ دل مجروح ہوا پڑا تھا بے حال سا۔ روح میں ماتمی کیفیت تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل حالانکہ وہ کتنا خوش تھا۔ خود کو محبت کا فاتح سمجھتا تھا۔ زیمل نے جس طرح اس کے گھر میں دل لگایا تھا۔ جیسے مگن انداز میں گھر سنبھالتی تھی جیسے اول سے یہیں رہتی آئی ہو وہ کتنا خوش فہم ہو چکا تھا کہ اسے ایڈجسٹمنٹ کا بھی کوئی مسئلہ نہیں رہے گا مگر خاک سب بھسم..... ایک لمحے کا کھیل تھا اور بس.....

وہ جلد باز سہی لوٹا تھا تو اس کے پاس دل شیپ رنگ بکس تھا۔ وائٹ گولڈ میں دمکتا ڈائمنڈ..... کتنے ہی نے تحفہ بھی اس کے شایان شان لیا تھا۔ وہ تو پھر اخلاق و حسن دونوں میں باکمال تھی۔ شاید یہ تحفہ بھی شایان شان نہیں تھا اسے یہی لگا۔

"تم جلدی آ گئے..... خیریت.....؟"

آیت صحن اور برآمدے کی صفائی کرتی اس کیاری کے پاس واک کر رہی تھی جس میں اماں نے پودینہ اور دھنیا وغیرہ لگا رکھا تھا۔

"ہاں..... بس بات ہی ایسی تھی....."

اس نے مسکراہٹ دبائی، آیت اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے.....؟"

"ہاں بالکل..... آپ کی سہیلی کہاں ہے.....؟" اس کیلئے ایک تحفہ لایا ہوں..... سوچ رہا ہوں باقاعدہ..... پرپوز کر دوں محترمہ کو....."

آیت نے تھکے ہوئے انداز میں یوں دیوار کا سہارا لیا گویا بالکل بے دم ہو گئی ہو۔ اس نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"لائے ہو..... مجھے دکھاؤ....."

دھوپ سے سرخ ہوتے ہیں کہ چہرے پر سوگواریت پھیل رہی تھی۔ جو محسن نے اپنی دھن میں محسوس نہیں کی۔

"دکھا دیں گے، دکھا دیں گے، اتنی جلدی کیا ہے۔ آپ اپنی سہیلی کی انگلی میں ہی انگشتی دیکھ لینا....."

آیت کو اپنے ہونٹ بھینچنے پڑے تھے۔

"آپ کی اجازت ہے..... محترمہ سے ملاقات کر لوں.....؟"

وہ شریر انداز میں پوچھ رہا تھا۔ آیت چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے تکنے لگی۔

"آں..... ہاں..... نہیں..... تم اس کے پاس نہ جاؤ محسن..... نہ اسے یہ دینا....."

وہ ہکا بکا کر بامشکل لوٹی جبکہ محسن اس جواب پہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"مگر کیوں..... جبکہ آپ جانتی ہیں کہ....."

"محسن....."

آیت نے ایک دم سے ٹوک دیا۔

"زیمل..... میرڈ ہے۔ اس نے یہ بات تمہیں بارہا مرتبہ بتائی تھی۔"

"ک..... کیا.....؟"

محسن سناٹے میں گھر گیا۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"تم..... محسن..... پلیز خود کو سنبھالو....."

آیت گھبرا کر اس کی طرف لپکی محسن نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"ہاں..... اس نے مجھے بتایا تھا مگر....."

اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ وجود قیامت خیز زلزلوں کی زد میں تھا۔ چہرے پہ غیر یقینی کا احساس اتنا گہرا تھا۔

"میں سمجھا..... وہ محض..... مجھ..... سے جان چھڑانے کو....."

اس نے اپنا سر تھام لیا۔ جو گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔

"محسن....."

آیت پریشان کن نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔ محسن کے چہرے پہ بڑی مجروح قسم کی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ اس سے اپنی حیرت اور صدمہ کچھ بھی چھپایا نہیں جا رہا تھا۔ کسی نے اچانک جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے یک ٹک سامنے کیاری کو دیکھے جا رہا تھا۔

"کون ہے وہ..... جس کو اس نے مجھ پہ ترجیح دی.....؟"

خاصی تاخیر سے وہ یہ سوال کرنے کے قابل ہو سکا۔ آیت کو اس پر بہت ترس آیا۔

"اس کا نکاح اس کے فادر نے کیا ہے کچھ پرابلمز کے باعث اس کا ہزبینڈ اس کے ساتھ نہیں ہے جبھی تم غلط فہمی کا شکار ہوئے مگر محسن....."

وہ اسے سمجھا رہی تھی کہ محسن پلٹ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب آ گیا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے وہ نڈھال انداز میں بستر پہ گر گیا تھا۔

"تو آج محبت کی یہ کہانی بھی ہر سائی پہ ختم ہو گئی۔"

اس کے لبوں پہ زخمی مسکان تھی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔

"کاش مجھے یہ محبت نہ ہوئی ہوتی۔"

دو آنسو ڈھلک کر تکیے میں جذب ہوئے کمرے میں دبی دبی سسکیاں کتنی دیر تک گونجتی رہی تھیں۔

+++

اک عین تھا
پھر شین تھا

کچھ آگ تھی
کچھ راکھ تھی
اک دشت تھا
اک ہجر تھا
صحرا بھی تھا
اور پیاس تھی
پھر اک خلا
بے انت سا
اک لمبی سا راستہ
ویرانیاں تنہائیاں
پھر قاف تھا
پھر سارا منظر رکا تھا
سب خاک تھا

آیت رات بھر ڈسٹرب رہی تھی۔ اسے محسن کی فکر تھی۔ وہ شام کا جو گھر سے نکلا تھا۔ پلٹ کر نہیں آیا۔ آیت نے بہت سمجھاؤ سے یہ بات مہیز تک پہنچائی۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بات اسے بتانے کی.....؟"

مہیز اس کے سب دوستوں کو کال کر کے پوچھ چکا تھا۔ ہر طرف سے جواب انکار ہی تھا کہ ادھر نہیں آیا۔ پریشانی میں آیت کو ہی قصوروار ٹھہرا دیا۔

"اور کیا کرتی..... اب یہ بات مزید ہیں چھپائی جا سکتی تھی۔ وہ امید ہو پوز کرنے کے لئے رنگ لے کر آیا تھا۔"

آیت نے صورت حال کی گھمبیرتا واضح کی۔ مہیز کی پیشانی پہ لکیریں سی ابھر آئیں۔

"خیال ہے ہمیں زیمل کو یہاں سے کہیں اور بھیج دینا چاہئے۔"

خاص تاسف سے وہ یہی بولا تھا۔ آیت نے بے طرح متحیر ہو کر اس کا چہرا دیکھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں.....؟ اسے کہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس آپ اس کے شوہر سے رابطہ کر کے اسے سمجھائیں۔ جوان لڑکی ہے پھر بلا کی خوب صورت اسے کہیں بھی اکیلے رکھنا خطرے سے خالی نہیں....."

آیت کچھ پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"محسن یقیناً ہرٹ ہوا ہے کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جبھی کہیں چلا گیا ہے۔" مہیز کا اندازہ اگر درست بھی تھا تو پریشانی ختم نہیں ہو جاتی تھی کجا کہ اس کی نوعیت معلوم ہو جاتی۔

"تم اماں کو خاص کر نہ بتانا کچھ بھی..... محسن کا پوچھیں تو کہہ دینا کسی کام سے کچھ دنوں کیلئے شہر گیا ہے۔"

مہیز اسے سمجھاتا ہوا خود بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔ ماتھے پہ شکنیں رینگ رہی تھیں۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"مگر یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

آیت نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"مسئلے کا جو حل ہے میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔"

مہیر نے اس سے بڑھ کر اپنی بات پہ زور ڈالا تو آیت چڑ گئی۔

"اکیلی لڑکی کو کس کے سپرد کروں وہاں.....؟ وہ کیا سوچے گی میرے بارے میں..... آپ اس کے ہزبینڈ کا نمبر اگر بند بھی ہے تو اس کا ڈیٹا نکلوائیں کہیں سے تو کوئی کلیو ملے گا۔"

"تمہاری مرضی....."

مہیر نے سر ناگواری سے جھٹکا۔

"تمہارے گھر میں اتنی پریشانی ہے تمہیں اس کی پڑی ہوئی ہے۔"

مہیر بڑبڑایا تھا۔ آیت نے اسے شاکی ہو کر دیکھا۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے اس پریشانی سے کوئی تعلق نہیں..... مگر مہیر محسن ایک نوجوان ہے۔ مرد ذات ہے بچہ نہیں ہے۔ غصے میں نکلا ضرور ہے مگر آجائے گا انشاء اللہ..... زیمل کو میں کیسے سب یار و مددگار چھوڑ دوں جبکہ....."

"آیت..... پلیز..... میری خاطر آپ دونوں آپس میں نہیں الجھیں۔ میں تمہاری مزید آزمائش نہیں چاہتی۔ مجھے معاف کر دو..... مجھے جانا ہوگا۔"

زیمل جو گھر کی گھٹی ہوئی فضا سے کچھ نہ کچھ اخذ کر چکی تھی آیت کے چھپانے کے باوجود اتفاقاً سن لی جانے والی بات پہ ایک دم فیصلہ کر گئی۔

آیت نے پلٹ کر اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔ غصے سے گھورنے لگی۔

"مثلاً..... کہاں جاؤ گی تم.....؟"

"ہے کوئی جواب.....؟"

مہیر نے اسے بے حد تنگی سے دیکھا۔ پھر ڈانٹنے کے انداز میں بولا تھا۔

"اپنے کمرے میں جاؤ..... سنا تم نے....."

وہ ایک طرف کھڑا تھا۔ زیمل خائف ہوئی پلٹ کر بھاگ گئی۔

"ایک سے بڑھ کر ایک احمق بستا ہے اس گھر میں۔ لو اور سن لو حد ہو گئی۔" وہ برا مان رہا تھا۔ آیت نے سر تھام لیا تھا۔ مہیر غصے میں اٹھ کر کہیں نکل گیا۔ آیت البتہ اسے ہی بیٹھی تھی۔ تب ہی اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

وہ چونک اٹھی۔ جلدی سے بڑھ کر فون اٹھایا۔

ایشال کی کال تھی۔

"ہاں ایشال..... کیسی ہو.....؟"

اس کی آواز مضمحل تھی تھکی تھکی سی۔

"جیسی بھی ہوں..... آپ لوگوں کو تو کوئی غرض نہیں نہ مجھ سے..... ناراض ہو کر میکے سے نکلی کسی نے پیچھے آنا تو درکنار ایک فون کال نہ کی....."

وہ تو جیسے بھری بیٹھی تھی۔ بھڑاس نکالنے لگی۔ ایشال کو اس کا گلہ بے جا نہیں لگا وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"سوری یار..... میں کل آنے والا تھا تو تم سے ملنے..... سمجھانے....."

آیت کو اب رشتے بھی نبھانے آگئے تھے وہ جانے بھی آچکے تھے۔ یہ وہ نازک مزاج لڑکی ہی نہ تھی جو ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔

"اچھا بس رہنے دو۔ سب جانتی ہوں میں....."

ادھر سے پھر گلہ آیا۔

"چھوڑو بھئی..... چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ناراض نہیں ہوتے....."

اس کے رسان سے سمجھانے پہ ایشال نے تنفر آمیز ہنکارا بھرا۔

"مگر یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس لڑکی کو مجھ پر ترجیح دی گئی جس نے بہت سے حق غصب کیے ہیں۔"

ایشال بھڑک اٹھی تھی۔ آیت نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ایشال..... محسن کو ہی غلط فہمی ہوئی۔ اس بیچاری نے تو بتایا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔"

آیت اب بھی زیمل کی طرف داری کر رہی تھی جو ایشال کو بالکل نہیں بھائی۔

"یہ بتانے کی بجائے اپنا مکمل تعارف کروا دیتی کہ وہ اس کی بھابی ہے تو میرا بھائی روگی نہ ہوتا....."

جذبات کی رو میں بہہ کر ایشال کے منہ سے جو پھسلا تھا وہ بہت تلخ حقیقت تھی۔ ایسا کڑوا سچ تھا جس کی تاب نہ لا سکی تھی وہ۔

جبھی ٹھٹھک گئی تھرا گئی ساکن ہو گئی۔

"کیا.....؟"

وہ شاکڈ سی بولی دوسری جانب ایشال گڑبڑا گئی مگر اب اس کا فائدہ کوئی نہیں تھا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کیا کہا تم نے ابھی ایشال.....؟"

وہ سرسراتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بھئی..... چھوڑو تم..... پھر بات کروں گی۔"

ایشال اب کترا رہی تھی۔ مگر آیت اسے آسانی سے کنی کترانے نہیں دے سکتی تھی۔

"زیمل..... محسن کی بھابی ہے یہی کہا تم نے.....؟"

وہ پھنسی پھنسی آواز میں تائید چاہ رہی تھی۔ ایشال کا چہرا بجھ کا پڑ گیا۔ عجیب سے خوف نے آن لیا۔

"کیا زیمل کی شادی مہیر سے....."

اس نے ایک دم فون بند کر دیا۔ اور بے ساختہ اپنا سینہ مسلنے لگی۔ اسے سانس لینے میں ایک دم دشواری کا سامنا ہونے لگا۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ایک ایک کر کے کتنے منظر نگاہ سے گزرنے لگے تھے۔

"ہاں کر دیا ہوں شادی۔ اور اس کے لئے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بابا نے اپنی موت سے کچھ لمحے قبل ایک مکمل انجان بندے سے میرا نکاح کر دیا تھا۔ نیا آنے والا ڈاکٹر تھا۔"

اس کی سماعتوں میں زیمل کی آواز گونجی۔ وہ خوف کے عالم میں سر نفی میں ہلانے لگی۔ اس کی روح کانپ رہی تھی مگر وہ خود کو تسلیاں دے رہی تھی۔ اس کا دل کیسی گھبراہٹ کا شکار تھا۔

"اس شخص کے اپنے مسائل مجھ سے زیادہ گمبھیر تھے۔ جبھی وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔"

اس نے اپنے دل کے سامنے اس نکاح کو شو کیا ہے۔" زیمل کی آواز اس کی سماعتوں میں سیسہ پگھلانے لگی۔ اسے لگا اس کا دل پھٹ جائے گا۔ اس کا تنفس تیز چل رہا تھا۔ وہ اب باقاعدہ کانپنے لگی تھی۔ گویا شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

اسے زیمل کے ساتھ ایشال کا رویہ یاد آیا۔ جس پہ اسے سخت اعتراض ہوا تھا، اس کا مطلب ایشال سب جانتی تھی مگر کیسے.....؟

اس کے اندر ایسی بے بسی اتری کہ جس نے اسکی آنکھوں سے آنسو رواں کر دیئے۔

"آیت..... کیا ہوا.....؟"

زیمل کب اندر آئی تھی اسے خبر نہیں ہو سکی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں کسی کو بلاتی ہوں....."

وہ گھبرا کر کتنی تیزی سے پلٹنے لگی تھی کہ آیت نے اسے ٹوک دیا۔

"ضرورت نہیں....."

زیمل نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور بوجھل تھیں۔

"لیکن....."

زیمل کچھ کہنا چاہتی تھی کہ آیت نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اگر اب تمہارے سامنے بالکل ٹھیک اور زندہ کھڑی ہوں تو یقین کر لو کچھ نہیں ہوگا مجھے....."

اس کی آواز میں اتنا یقین تھا کہ زیمل کی جان مٹھی میں آ گئی۔

"میں سمجھی نہیں....."

زیمل کچھ خائف نظر آنے لگی تھی۔

"مگر..... میں خوب سمجھ گئی ہوں....."

اس کے چہرے پر زخمی مسکراہٹ ایسے اتری گویا رو رہی ہو۔ زیمل کو اس سے خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر زبان اس کے تالوے سے چپک گئی۔ جس کچھ متوحش نظر آنے لگی۔

"تمہارے شوہر کا نام کیا ہے.....؟"

وہ بہت سکون سے سوال کر رہی تھی۔ زیمل کا سانس رک گیا۔ اسے شدت سے پسینہ خارج ہونے کا احساس جاگا تھا۔

"کیا بہت مشکل سوال ہے.....؟"

آیت اس کا چہرہ بغور دیکھتے دلگیر ہنسی ہنسی..... زیمل کو لگا اس کے اعصاب سن ہو چکے ہیں۔ جسم پہ کرزہ سا طاری ہونے لگا۔ آیت اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"جہاں باقی سب بتایا تھا..... یہ بھی بتا دیتی زیمل کہ تم..... مجھ سے میرا محبوب میرا سہاگ اور میری خوشیاں چھین لی ہیں....." وہ بولی نہیں روئی تھی۔ زیمل کے اعصاب مفلوج ہوئے تھے۔ اور جسم بالکل سن پڑ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"مجھے یاد آیا زیمل..... جب مہیز کو ہم دونوں نے پہلی بار دیکھا تھا..... تب تم سمندر میں ڈوب رہی تھیں اس نے آ کر تمہیں بچا لیا تھا۔ یاد ہے..... مگر تمہیں پانی سے نکالنے والا سمندر میں گئی تھی۔ پہلی نظر میں اس کی عاشق ہو گئی تھی۔ اور پھر..... جب مجھے پتا چلا میرا محبوب ہی میرا مجرم ہے تو پھر میں نے ہر خاطر حاصل لے لی۔ آگ سے بھر اور یا عبور کیا مگر حاصل وصول کیا رہا.....؟"

وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ زیمل کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل گویا برزخ میں جا گرا تھا۔

"آیت....."

وہ بیقرار ہو کے اس کی سمت بڑھی تھی کہ آیت نے اسے بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"مت لو میرا نام..... آج سے تم میری دوست نہیں رہیں۔"

اس کے آنسو اسی روانی سے بہتے جا رہے تھے۔

"تم نے مجھے مار دیا زیمل..... آج مار دیا....."

زیمل نے سسکیاں دبانے کو منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی آنکھیں سمندر بن چکی تھیں۔ جن میں طلاطم برپا تھا۔

"تمہیں یاد ہے..... میں نے اسی وقت تمہیں اپنی فیصلہ کن بلا جھجک بتلا دیا تھا جب پہلی بار مہیز کو دیکھا تھا۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ تم نے انہیں نہ پہچانا ہو..... جانتے بوجھتے میرے ساتھ یہ کھیل کھیلا گیا..... مجھے مارنے والے کا ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا....."

"میں نہیں جانتا..... مہیز میرے لئے کیا تھا۔ وہ میری زندگی تھا۔ تم نے مجھ سے میری زندگی چھین لی۔"

وہ جس قدر آنسو صاف کر رہی تھی وہ اسی شدت سے بہنے لگے تھے۔

"زیمل....."

"ابھی مہیز آئیں گے تو انکا سامنا کرنا..... ان کی زندگی میں ہم دونوں میں سے کوئی ایک رہ سکتی ہے۔ انہیں ایک کو چھوڑنا ہوگا۔ یہ فیصلہ آپ ہی کریں گے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔ زیمل ٹوٹتے دل کے ساتھ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

باقی اگلے ماہ

✦✦✦

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

متاعِ جاں

فرزانہ حبیب

ایک ہفتے پہلے اُن کا ٹرپ لاہور سے مری پہنچا تھا۔ دسمبر کے آخیر کی وجہ سے یخ بستہ ہوائیں اور دُھند نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ موسم کے تیور بھی خطرناک وابر آلود تھے۔ کسی بھی وقت تیز بارش کے ساتھ ژالہ باری بھی متوقع تھی۔ اسی موسم سے لطف اندوز ہونے کے سبب مری میں معمول سے ہٹ کر سیر و تفریح کے شوقین لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ گرم کپڑے، کوٹ اور شال لپیٹے لوگ اِدھر، اُدھر موسم سرما کی ٹھنڈک انجوائے کر رہے تھے۔ ۲۵ دسمبر (کرسمس ڈے) کی وجہ سے معمول سے زیادہ سیاحوں کا رش تھا۔ ہوٹل، ریسٹورنٹ اور بڑی بڑی تفریح گاہوں یہاں تک کہ مال روڈ کو بھی مرکزی لائٹ اور کرسمس ٹری اور رنگ برنگی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ سانتا کلاز سے فوٹو کرتے اور چاکلیٹ وصول کرتے بچے، بڑے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ شانہ بھی ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہوتے اپنے گروپ کے ساتھ ہائی ہوٹل کے قریب واقع کافی شاپ پر گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کے مگ سے بظاہر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن اس وقت کہیں اور ہی پرواز تھا۔ مہینے کا آخیر ہے اس سے چھوٹی نازش اور دانیال کے لئے گرم سوئیٹر اور اسکول شوز بھی خریدنا ضروری ہے اور پھر سردیوں کی وجہ سے لاہور میں شام ہی ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے جس کی وجہ سے آمد و رفت کی مکینک کی دکان بھی جلد ہی بند ہو جاتی۔ اس موسم میں آمدن بہت کم ہوتی تھی۔ مگر اُس کے منع کرنے کے باوجود ابا نے اصرار کر کے اپنی جمع پونجی سے اسے کالج ٹرپ پر بھیج دیا تھا۔ وہ یہاں تو آ گئی تھی مگر اب اس کے پاس صرف 10,000 روپے تھے۔ اپنی امیر ترین ایلیٹ

مکمل ناول

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

فیملی سے تعلق رکھنے والی کلاس فیلوز کے ساتھ مہنگے ریسٹورنٹ میں ڈنر و لنچ کرنا اور مہنگے ترین شاپنگ مال سے خریداری کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ انہی سوچ میں غلطاں، نہ جانے کب اس کی دوست اُسے چھوڑ کر شاید برابر واقع شاپنگ سینٹر میں جا چکی تھی اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ اس طرح وہ اتنی مہنگی خریداری کرنے سے بچ گئی تھی۔ یہی سب سوچتے وہ اپنا کھانا کب اٹھا کر (جو نہ جانے کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا) ڈسٹ بن کی طرف بڑھنے لگی کہ سامنے سے آتے نوروز سے بری طرح ٹکرا گئی۔ جس سے اس کی بچی کھچی کافی نوروز کی وائیٹ Hoodi پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بناتے اس کے بلیک چپچپاتے جوگرز کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔ اس صورتحال پر شانیہ کی شرمندگی و ندامت سے نگاہ نہ اُٹھ سکی۔ اُس نے جھکی جھکی نگاہ سے ہی کہا۔

"I'm Sorry! دراصل میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا، ویسے غلطی آپ کی بھی تھی، آپ کو آئندہ احتیاط میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" شانیہ نے آخر میں اپنائی خود اعتمادی کے ساتھ اُسے بھی غلطی کا احساس دلانا چاہا۔ اس سے پہلے نوروز اس کی بات کا جواب دیتا، عالیہ اس کے قریب آ چکا تھا۔

"سر پلیز آپ واشنگ ایریا میں تشریف لے جائیں وہاں ہمارا سرونٹ پہلے ہی سے آپ کی ہیلپ کے لئے موجود ہے۔" ویٹر کے مؤدبانہ انداز سے لگ رہا تھا کہ شاید وہ ان کا مستقل کسٹمر تھا۔ نوروز نے ایک مسکراتی نگاہ اُس پر ڈالی اور ویٹر کی تقلید میں روانہ ہو گیا۔ جبکہ شانیہ نے کندھے اُچکاتے باہر کا رُخ کیا۔ بہرحال اس شہر میں وہ اجنبی تھی اور اُسے اپنے دوستوں و پروفیسرز کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ اُس کی دوست بھی اسی کی طرف واپس آ رہی تھیں۔ اُس نے مسکراتے انہیں دیکھا۔ اور ان کی خریداری کے بارے میں پوچھنے پر وہ بڑی پرجوش ہو کر اپنی شاپنگ کے بارے میں بتانے لگی۔

"یار شانیہ! تم بھی ہمیں جوائن کرتی، قسم سے بہت مزہ آیا مگر تم نے دو دفعہ بلانے پر بھی توجہ نہیں دی تو ہم خود ہی چلے گئے تم نے مائنڈ تو نہیں کیا؟" اس کی قریبی دوست حمیرا نے پوچھا۔

"ارے نہیں، بس ویسے ہی میرا دھیان گھر کی طرف چلا گیا تھا کبھی ابا اور فیملی کے بغیر اس طرح تنہا کہیں گئی نہیں بس اس لئے تھوڑا Lh I,m easy فیل کر رہی تھی۔ بٹ ناؤ I,m Ok!" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہونہہ بناؤ کہانی، اتنے بڑے بڑے شاپنگ مال میں خریداری کرنا تم افورڈ نہیں کر سکتی، اب اسکالرشپ کی وجہ سے اتنے بڑے کالج میں اگر تمہارا ایڈمیشن ہو گیا ہے تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ تم ہم جیسے Upper Class کا مقابلہ کر سکو، تمہیں یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا"۔ عالیہ نے گھاس اپنے فریش ہیئر کٹنگ بالوں پر نکاتے چیونگم چباتے ازلی حقارت سے کہا تو شانیہ اُسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"Stop it!" عالیہ اسکالرشپ نے اس مقام تک پہنچنا ہی اصل کامیابی ہے تم اور میں اپنے باپ کے نام اور دولت کی وجہ سے ہائر اسٹڈیز کر رہے ہیں اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں پلیز اپنے احساس برتری کے کیڑے کو دماغ سے نکال دو، ایسا نہ ہو تمہیں اپنی اس خودسر عادت کی وجہ سے بھی کوئی بہت بڑا نقصان اٹھانا

پڑے" حمیرا ہمیشہ کی طرح اُس کا دماغ درست کرتے تنبیہ کرنی چاہی۔

"Oh Come on! لوئر مڈل کلاس لڑکی کے ساتھ رہ کر تمہاری سوچ بھی دقیانوسی ہو گئی ہے ویسے بھی میں نے کیا کہہ دیا؟ سچ کا آئینہ ہی تو دکھایا ہے۔" ابھی بھی اس کی شان بے نیازی عروج پر تھی۔ شانیہ نے اپنی آنکھوں سے اُمڈتے آنسوؤں کو اُن سے مخفی رکھنے مسکرا کر کہا۔

"حمیرا! تم میری وجہ سے اس سے مت لڑو، ویسے کل اُس نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا یہ تو بس میرے بابا کے اصرار پر میں یہ یہاں آ گئی۔ میرے بابا بہت سیدھے سادھے انسان ہے انہیں نہیں معلوم کہ کتنی سفاک اور ظالم ہے یہ ہم جیسے غریب لوگوں کو انسان نہیں بلکہ زمین پر رینگنے والا کیڑا سمجھتی ہے۔ مگر یاد رکھنا وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا، میں اپنے باپ کا فخر اور مان ہوں آج تم جیسی دولت پر اتنا اکڑ رہی ہو کل کو میری دسترس میں بھی ہو سکتی ہے اور تم عرش سے فرش پر بھی زمین بوس ہو سکتی ہو۔ لہٰذا بہتر ہے اپنے جیسے انسانوں کو انسان سمجھو اور شکر ادا کیا کرو کہ تم اتنی لگژری لائف کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔" شانیہ نے تادیبی انداز میں اسے سمجھایا۔

"بس، بس بند کرو اپنا یہ لیکچر، حمیرا جیسے ہی تمہارے اس انداز سے متاثر ہونے والی نہیں، یعنی تم مجھے جلا رہی ہو جو بددعا دینے پر اُتر آئی ہو نہہ" یہ کہتے وہ پاؤں پٹختے آگے بڑھ گئی جبکہ حمیرا اور وہ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئے۔ حمیرا نے زبردستی اُسے دوگرم سوٹ اور دوستی کا واسطہ دیکر دلوائے جسے اُس نے اس شرط پر قبول کیا کہ اگلے ماہ اپنی ٹیوشن فیس سے وہ

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابن انشا کے شعری مجموعے

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین سینٹر، مارکیٹ 207 - غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37311797, 042-37321690

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اپنے پیسے واپس لوٹا دے گی۔ حمیرا اُس کی خود دار فطرت کو جانتی تھی لہٰذا راضی ہوگئی۔

۲۶ دسمبر کو وہ عادت کے مطابق فجر کے وقت ہی اٹھ گئی تھی اور اب نیند نہیں آ رہی تھی تو نماز کے بعد چہل قدمی کے ارادے سے گلاس ڈور کھول کر اُس نے لان کا رخ کیا جہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔ وہ ایک مشہور کن احساس کے ساتھ آنکھیں بند کئے گلاب کے پھولوں سے اٹھتی ۔ خوشبو کو سانسوں میں اتارتے آگے بڑھنے لگی کہ کسی کے ورزشی کسرتی کندھوں سے ٹکرا کر اُسے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اُس نے جب سے آنکھیں کھولیں تو سامنے جوگنگ ڈریس میں کھڑے نوروز کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ایک تو میں! آپ کو پتہ نہیں کیوں بے دھیانی میں چلنے کی عادت ہے ہر بار آپ میرا نقصان کر دیتی ہیں" نوروز کی بات پر شانیہ کا غصے سے چہرہ سُرخ ہوگیا۔

"مسٹر ہر بار آپ کا قصور ہوتا ہے اور آپ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں آخر آپ ہر وقت اتنے بڑے گھوڑے پر سوار کیوں ہوتے ہیں؟" وہ اپنی چوٹ کا سبب اب اُس نے تفتیش کر رہی تھی۔

"سر ٹھیک 9:15 منٹ پر آپ کی شاہ گروپ آف انڈسٹریز کے ساتھ میٹنگ ہے آپ کا ڈریس اور بریک فاسٹ ریڈی ہے" ہوٹل کے منیجر نے خود آ کر اُسے انفارم کیا تو شانیہ نے اُسے اُلجھ کر دیکھا۔ نوروز نے کچھ جتاتی نگاہ سے اُسے دیکھا اور سامنے سے آتے ویٹر کے ہاتھ سے فریش جوس کا گلاس لیکر اسے Have a good day! وش کرتے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اُسی وقت موسم نے انگڑائی لی ہر سو کالی گھٹا چھا گئی۔ موسلا دھار بارش کے ساتھ برف باری شروع ہوگئی تھی۔ ہوٹل کے پرسکون ماحول میں ایکدم ہلچل مچ گئی۔ کمرے میں ٹھہری فیملیز، بچے اور منچلے شوخ لڑکیوں نے باہر کا رخ کیا۔ حمیرا بھی اپنے کالج ٹرپ کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اُسے ڈھونڈتے وہاں تک پہنچی۔

"اوہو! شانیہ تم یہاں ہو چلو جلدی سے ڈائننگ ایریا سب تمہارا ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔" سر نے کہا ہے "پھر ہمیں بھور پنا سے نکلنا ہے آف موسم کتنا حسین ہو رہا ہے! جلدی کرو، ورنہ سب ہمیں چھوڑ کر نکل جائینگے۔" برف کے ٹکڑوں کو ہاتھ میں لیتے اُس نے عجلت میں کہا۔ تبسم بھی موسم کی خوبصورتی میں کھو کر سب کچھ فراموش کئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ پھر گرم کپڑے، گلوز اور ماں کی ہاتھ کی کاڑھی مہرون شنیل کی چادر اپنے گرد لپیٹے وہ بھی سب کے ساتھ موسم انجوائے کرنے کیلئے تیاری کرنے لگی۔ برفباری نے ہر شے کو چاندی سا دھودھیا لباس پہنا دیا تھا۔ ٹھنڈی یخ پانیوں کی مکین قامت بلند و بالا پہاڑ برف کا لبادہ اوڑھ کر قدرت کی صناعی کا منہ بولتا خوبصورت شاہکار لگ رہے تھے۔ شانیہ مسکرا کر محویت سے انہیں تکنے لگی۔ دوستوں کے ساتھ برف کے گولے بنا کر ایک دوسرے پر پھینکنا اور Ice Man کا Staue بنانا اسے بہت دلکش لگ رہا تھا۔ حمیرا نے Statue توڑنے پر پہلے تو اسے گھور کر دیکھا پھر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی یہ جانے بغیر کہ دو کھوجتی آنکھیں بہت دیر سے کیمرے میں قید کر چکی ہیں۔

دوسرے دن ان کی واپسی تھی کیونکہ مسلسل برفباری کی وجہ سے راستے بند ہونے کا خدشہ

تھا۔ لہٰذا اپنے پروفیسرز کی ہدایت پر وہ لوگ واپسی کی سفر کی تیاری کر رہی تھیں۔ انہوں نے ہنستے مسکراتے خوبصورت یادوں کے ساتھ ہوٹل کو الوداع کیا۔ مگر یہی سے شانیہ کی سیدھی سادھی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا تھا۔

✦✦✦

آج شام ہی وہ گھر پہنچی تھی سب اُسے دیکھ کر ایسے خوش ہوئے جیسے ایک ہفتے بعد نہیں برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو ابا بھی دکان بند کر کے آ چکے تھے اماں نے کمرے کے کونے میں ایندھن جلا کر کمرہ گرم کیا۔

"باجی! مری میں تو بہت مزہ آیا ہوگا میں نے ٹی وی پر برفباری کے مناظر دیکھے تھے ہائے کتنا روئی کے گالے سی سفید برف؟ کتنے اچھے لگ رہے ہونگے؟ تم نے اپنے ہاتھوں میں اُن کی ٹھنڈک محسوس کی ہوگی؟" اس سے چھوٹی نازش نے حسرت سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ارے بھئی یقین کرو، تم لوگوں کے بغیر بالکل اچھا نہیں لگا۔ انشاء اللہ اگلے سال جب تمہاری باجی کے فائنل ایئر مکمل ہو جائیگا تو ایک اچھی ملازمت مجھے مل جائے گی، پھر ہم سب ایک ساتھ سیری کیا تمام شمالی علاقہ جات دیکھنے جائیں گے۔" اُس نے اپنے بہن بھائیوں کو پیار کرتے ہوئے اُمید کے جگنو تھمائے جن سے ان کی آنکھیں جگمگ جگمگ کرنے لگیں۔

اماں اور ابا بھی اپنی لائق فائق اور فرمانبردار بیٹی کو محبت سے دیکھنے لگے۔ ان کی یہی ایک ان کے لئے اچھے روشن مستقبل کی ضمانت تھی اپنے خاندان کی واحد لڑکی تھی جس نے اتنے کم وسائل کے باوجود میٹرک کے بعد ٹیوشن اور سلائی کر کے نہ صرف اپنی تعلیم جاری رکھی بلکہ انٹر میں پورے ضلع بورڈ میں ٹاپ کرنے پر اُسے اسکالرشپ بھی ملا تھا جس سے اس کا شہر کے مشہور و مہنگے کالج میں ہائر اسٹیڈیز مکمل کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی حسرتوں اور ناتمام خواہشات کو کبھی اپنی کمزوری یا احساس کمتری نہیں بننے دیا نہ ہی اُس نے کالج میں کسی سے اپنی حیثیت چھپائی تھی جس پر کچھ اسٹوڈنٹس نے اس کی غربت و تکن کو سراہا تھا جبکہ عالیہ جیسی مغرور اور بگڑی ہوئی امیر زادیوں نے اس کا ہر لمحہ تمسخر ہی اڑایا تھا۔ ان سب کے باوجود شانیہ نے اپنی خود اعتمادی کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ خمیرا جیسی مخلص دوست کا ساتھ ہی اس کے لئے آگے بڑھنے کے لئے کافی تھا۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنے والدین اور بہن بھائی کے لئے سوئیٹرز اور گرم کپڑے لیکر آئی تھی اُسے پا کر ہی اس کے بہن بھائی خوش تھے واقعی والدین کی بے لوث محبت اور بہن بھائی کے خلوص سے بڑھ کر کائنات میں کوئی دولت نہیں اور وہ اس معاملے میں خود کو دنیا کی خوش قسمت اور امیر ترین لڑکی سمجھتی تھی۔ یہی سب سوچتے وہ مسکراتے ہوئے نیند کی وادی میں کھو گئی۔

✦✦✦

امتحانات کی تیاری کی وجہ سے اس کا کالج دو دن بعد کھل چکا تھا وہ کالج بریک میں لان میں موسم سرما کی دھوپ سینکنے کے ساتھ مونگ پھلی اور کینو سے بھی انصاف کر رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ خمیرا کو اپنے بہن بھائی کی تحفہ ملنے کے بعد کی خوشی بتا رہی تھی۔ جسے خمیرا بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔

"یار تم کتنی لکی ہو؟ میں تو اکلوتی ہونے کی وجہ سے کسی سے اپنی بات شیئر بھی نہیں کر سکتی۔ پاپا بزنس میں مصروف اور مما کی اپنی سوشل

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

گیدرنگ ہے وہ مجھے اپنے ساتھ پارٹیز میں لے جانا چاہتی ہیں بٹ مجھے وہاں بہت بوریت ہی ہے لہٰذا میں نے ان کے ساتھ جانا چھوڑ دیا، اب سارا دن ٹی وی اور موویز دیکھ کر بور ہوتی رہتی ہوں"۔ حمیرا نے حسرت سے کہا تو شانیہ اُسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

"بھلا ان جیسے امیر دولتمند لوگوں کو بھی کسی چیز کی کمی ہو سکتی ہے؟" اس نے دل میں سوچا۔

"مجھے پتہ ہے تم کیا سوچ رہی ہو، یار دولت سے میں سب کچھ خرید سکتی ہوں مگر خلوص و اپنائیت اور سب سے بڑھ کر وہ قیمتی وقت جو آپ، اپنوں کے درمیان گزارتے ہیں اس کی کوئی قیمت نہیں اور اس معاملے میں ہم بہت غریب ہو۔" حمیرا کی بات پر وہ صرف مسکرا ہی سکی۔

"ہائے گائز! کون لکی ہے؟ کس کی بات ہو رہی ہے؟" اسی وقت عالیہ کی آمد ہوئی۔

"نہیں بس ایسے ہی، اور تم سناؤ کہاں غائب تھیں؟ سارا دن نظر ہی نہیں آئی۔" حمیرا نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس ابھی کالج آئی ہوں، قسم سے مری جا رہی ہوں گی بس تمہاری دوست کی وجہ سے چلی گئی تھی ورنہ میں سے ہزار بار دیکھا ہوا ہے پتے پتے سے واقف ہوں، You Know! میرا ارادہ تو ممّا اور پاپا کے ساتھ سوئٹزرلینڈ جانے کا تھا۔" اُس نے کافی کا سپ لیتے شانیہ کو سناتے ہوئے جتلایا مگر شانیہ ہمیشہ کی طرح بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس پر وہ اندر ہی اندر تپ کر رہ گئی۔

"پتہ نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے؟ نہ حیثیت اور نہ رُتبے میں ہم سے آگے، پھر بھی کس بات کا اتنا غرور ہے؟ شکل و ذہانت کیا اللہ نے دے دی تو خود کو Princess سمجھنے لگی ہے۔"

"او کے! کوئی بات نہیں اگلی بار چلی جانا دوستوں کے ساتھ کمپنی کا اپنا ہی مزہ ہے۔ ویسے بھی یہ ہمارا لاسٹ ایئر ہے بس یہاں گزارا وقت اور دوستوں کی باتیں اور یادیں ہی ہمارا سرمایہ ہوں گی۔"

"سچ مجھے تو تمہارے اور شانیہ کے ساتھ جا کر ایسا لگ رہا تھا جیسے چکی پر آٹا پیسنے جا رہی ہوں"۔ حمیرا نے ہمیشہ کی طرح بات سنبھالی۔

"خیر یہ بتاؤ، اس وقت آنے کا کیا مقصد ہے؟"

"ہاں بس تمہیں بتانے آئی تھی کہ کل New Year کے سلسلے میں گیٹ ٹوگیدر پارٹی رکھی ہے تم نے ضرور آنا ہے اور ہاں شانیہ تم بھی Invited ہو بہرحال دوست ہو ہماری تو تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں؟" اب اس نے براہ راست شانیہ سے مخاطب ہوتے کہا اُسے بلانے کا مقصد محض اپنی عبارت کا رعب جمانا تھا۔

"اور ہاں ہوٹل میں تو میں بتانا بھول ہی گئی وہاں مری میں نو روز بھی اپنے بزنس کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ مگر ایک بندہ کا چھپا رستم ہے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی وہ تو مجھے آج پتہ چلا کاش پہلے مجھے معلوم ہو جاتا تو میں اپنا Stay بڑھا دیتی" اُس نے ادا سے اپنے کرلی بالوں کو جھٹکتے ہوئے بتایا۔

"خیر تم کل ضرور آنا" یہ کہہ کر وہ اپنی ہائی ہیل کو ٹک ٹک کرتے وہاں سے چلتی بنی تو شانیہ اور حمیرا ایک دوسرے کو دیکھ کر کندھے اچکا کر رہ گئی۔ شانیہ کا اس فضول پارٹی میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اگلے دن اُس کا چھٹی کا ارادہ تھا۔ کیونکہ سال کا آخری دن ہونے کی وجہ سے کالج میں اسٹوڈنٹس کا کلاسز لینے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ ہر کوئی نیو ایئر سلیبریشن کی باتیں کر رہا تھا لہٰذا شانیہ نے کالج جانے کا ارادہ ملتوی کر کے

گھر پر ہی رہ کر تفصیلی اصلاحی اور امتحانات کی تیاری کا سوچا۔ اس کے دونوں جڑواں بھائی چھٹیوں کی وجہ سے گھر کے پچھلے صحن میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ناشتے کے بعد اُس نے کچھ دیر ان کا ساتھ دیا اور اب وہ اپنے کمرے کی صفائی سے فراغت کے بعد اسٹڈی کا سوچ ہی رہی تھی کہ متواتر بجتی بیپ پر موبائل اُسے ناچار اٹھانا ہی پڑا فون پر حمیرا تھی۔

"آج تم کالج کیوں نہیں آئی، ویسے آج کوئی خاص پڑھائی نہیں ہوئی میں بھی بس گھر کے لئے نکل رہی ہوں" حمیرا کہنے پر اُس نے بھی جواب دیا۔

"ہاں اس وجہ سے میں بھی نہیں آئی ویسے سال کا ایک ہندسہ بدل جانے پر لوگوں کا اس طرح پرجوش ہونا میری سمجھ سے باہر ہے وہی دن رات وہی چاند سورج اور وہی تم اور میں اور ہم جیسے لوگوں کے ناختم ہونے والے مسائل..... نہ جانے اس میں ایسا انوکھا پن کیا ہے؟ اور نہ ہی مجھ جیسی غریب بندی یہ سب فضول رسم و رواج افورڈ کر سکتی ہے؟" اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارے شانیہ! یہ کیا ہو گیا ہے یار؟ تم جیسی اتنی Hopful اور زمانہ شناس لڑکی کے منہ سے ایسی مایوسی کی باتیں..... سب خیر تو ہے؟" حمیرا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں بس انسان ہوں نا! کبھی کبھار ہم جیسے نازک احساس دل والے بھی ایسی باتیں دل پر لگا لیتے ہیں"۔ اس بار اُس نے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

"او کے! یہ مایوسی و اداسی کا لبادہ فی الوقت اتارو اور میرے ساتھ شام میں نیو ایئر پارٹی میں چلنے کی تیاری کرو تھوڑا تمہارا موڈ ہی Change ہو جائیگا۔" حمیرا نے فون کرنے کا اصل مقصد بتایا۔

"کیا؟ یہ تم کہہ رہی ہو اتم جانتی بھی ہو عالیہ مجھے بالکل ناپسند ہے اور پھر اس کی حقارت بھری نگاہیں اور معذورانہ لب و لہجہ مجھ میں مزید برداشت کرنے کی سکت نہیں کالج میں بھی اس کی بے سروپا باتیں۔ صرف تمہاری وجہ سے برداشت کرتی ہوں" شانیہ نے صاف انکار کیا۔

"پلیز یار! میری خاطر، دیکھو تم جانتی ہو وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ مگر ایک بندے کی وجہ سے ہم باقی سب سے تو منہ نہیں موڑ سکتے ناں؟ دیکھو انکل (عالیہ کے پاپا) بہت ہی نائس اور Chegut ہیں یقیناً تمہیں ان سے مل کر خوشی ہوگی وہ تم جیسی Hordworking Passionate لڑکیوں کو بہت ایڈمائر کرتے ہیں۔ بس تم چل رہی ہو، ورنہ میں بھی نہیں جاؤں گی۔" آخر میں دی گئی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ جس کی کمزوری تھی وہ حمیرا جیسی مخلص دوست کا دل نہیں توڑ سکتی تھی۔

شام میں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی حمیرا کے گفٹ کیے گرم سبز و زرد سوٹ پر اپنی پسند کا شال لپیٹے میک اپ کے نام پر واحد اکلوتی پنک لپ گلوز اور آنکھوں میں کاجل سجائے ریڈی تھی۔ حمیرا ہی اسے پک کرنے آئی تھی اور بابا نے اس وعدے کے ساتھ اجازت دی تھی کہ وہ رات دس بجے تک اُسے واپس چھوڑ جائے گی۔ وہ وہاں حمیرا کے اصرار پر آ تو گئی تھی لیکن سفید مرکری لائیٹ سے گھرے سرسبز لان، سوئمنگ پول سے روشنی کی وجہ سے پھوٹتی نیلگوں پانی کا عکس، ایک طرف آرکسٹرا پر بجتی Happy

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

New year کی دھن بے فکری سے تھرکتی الٹرا ماڈرن دوشیزاؤں کے درمیان اُسے اپنا آپ اجنبی لگ رہا تھا۔ حمیرا بھی نہ جانے اسے وہاں بٹھا کر اپنی کس کزن سے باتیں کرتے کہیں گم ہوگئی تھی۔ ڈنر کے بعد سب خوش گپیوں میں مصروف ہو چکے تھے اور اب نوجوان پارٹی بدل کر جشن منانے کا موقع مل رہا تھا۔ لڑکے لڑکیوں نے گروپ بنا کر ڈانس شروع کر دیا تھا۔ یہ ان کی سوسائٹی میں عام بات تھی۔ مگر شانیہ کو یہ تھرکتی ناچتی جینز ٹاپ میں ملبوس لڑکیاں، آزادانہ لڑکوں کے گلے میں بانہیں ڈالے بالکل اپیل نہیں کر رہی تھیں۔ عالیہ نے تو اس سے ملنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا اب وہ یہاں آ کر پھنستا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اُسے حمیرا پر بھی غصہ تھا۔ جو اُسے یہاں لا کر فراموش کر بیٹھی تھی اس غصے و انتشار پر قابو پاتے وہ حمیرا کی تلاش میں آگے بڑھنے لگی کہ سامنے سے آتے نوجوان سے بری طرح ٹکرا گئی۔

"Oh I'm Sorry!" اجنبی مانوس آواز پر اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو مری میں اتفاقیہ ملے اس شخص کو دیکھ کر اس کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

"ایک تو یہاں آنا اتفاق زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ دوسرا آپ سے بھی سامنا ہونا تھا آج کا دن ہی میرے لئے بُرا ہے نہ جانے نیا سال میرے لئے کیسے گزرے گا۔ ویسے ایک بات بتائیں یہ بٹن جیسی دو آنکھیں صرف دکھاوے کے لئے ہی دیا گیا آپ کو نظر نہیں آتا ہے؟ جو ہر بار مجھ سے ٹکرا جاتے ہیں؟" نوروز خود اعتمادی کے ساتھ کچھ بیزاری کا تاثر لیے پٹر پٹر بولتی اس لڑکی کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں عالیہ اور حمیرا ایک ساتھ آتی دکھائی دیں۔

"نوروز! تم اب آئے ہو؟ جانتے ہو تمہارے بغیر پارٹی کا رنگ و بے رونق لگتی ہے مگر تمہیں بھی تو اپنی اہمیت جتانے کا بہت شوق ہے ناں!" عالیہ نے بے باکی سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے کچھ اٹھلاتے ہوئے کہا جسے شانیہ نے ناگواری سے دیکھ کر منہ موڑ لیا۔ نوروز کی آنکھوں سے یہ منظر اوجھل نہیں رہا تھا۔ پھر وہ اُس سے Excuse کرنے لگا اور پھر حمیرا سے ہیلو ہائے کرنے لگا لیکن عالیہ جو سفید ستاروں بھری سلیولیس میکسی میں خود کو اسپیرا سمجھ رہی تھی نوروز پر اپنا حق سمجھتے ہوئے اسے زبردستی لیکر آگے بڑھ گئی۔

"ونہہ یہ نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے؟ نہ شکل نہ ذہانت اور نہ کلاس، بس انکل کی دولت کی وجہ سے اکڑتی ہے ورنہ کوئی اسے گھاس بھی نہ ڈالے"۔ حمیرا نے جل کر کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی شانیہ کی ہنسی نکل گئی تو حمیرا کا چہرہ مزید مسکراہٹ رینگ گئی۔"

"شکر ہے تم مسکرائی تو ہیں تو سمجھ رہی تھی آج تمہارے ہاتھوں میری خیر نہیں، خیر چلو تمہیں ڈراپ کر دوں پھر میں بھی گھر جاؤں گی میں رشتہ داری اور دوسری کزن سے ملاقات کی وجہ سے آ گئی تھی ورنہ اس عالیہ کو تو میں منہ بھی نہ لگاؤں"۔ یہ کہہ کر وہ شانیہ کے ساتھ پارکنگ ایریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

✦✦✦

عالیہ کے گھر کی لوبی میں بسی پارٹی عروج پر تھی مگر نوروز کے ہوتے عالیہ کا دھیان کسی اور طرف جا ہی کب تھا۔

"کیا بات ہے نوروز! کہاں تھے تم؟ میری

کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہے؟" اُس نے ادا سے بال جھٹکتے کہا تو نوروز نے اپنی اس اکلوتی بگڑی کزن کو دیکھا جس کو برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔ کیونکہ اس کی ماما اور عالیہ کی مما نہ صرف سگی بہنیں تھیں بلکہ ان کے والد آپس میں بزنس پارٹنر اور جگری دوست بھی تھے۔

"ہوں، ہاں کچھ نہیں، بس تمہیں دیکھ رہا تھا یہ وائٹ ڈریس تو بنا ہی صرف تمہارے لئے ہے اور تمہارے ہوشربا حسن کے آگے تو ہم کیا، بڑے بڑے کافر بن پیے ہی بہک جائے۔" نوروز نے ادا سے ایک آنکھ دباتے اس کی جھوٹی تعریف کی۔ عالیہ کا اس کھلی اور بے باک تعریف پر قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ویسے بھائی داد دے سکتا ہوں! آج وہ حمیرا کے ساتھ لڑکی کون تھی؟ اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھی۔" نوروز نے سرسری انداز میں شانیہ کے بابت پوچھا۔

"اونہہ! تم نے بھی کس کا ذکر کر دیا، میں نے تو حمیرا کی وجہ سے اس انوائٹ کر لیا تھا مگر وہ تو لگتا ہے انتظار میں ہی بیٹھی تھی فوراً چلی آئی۔ بیچاری غریب حسرتوں کی ماری کبھی ایسی پارٹی اٹینڈ کیا ڈنر نصیب کہاں ہوا ہوگا؟" عالیہ نے تحقیر سے شانیہ کے بارے میں بتایا تو اس کی بات پر نوروز نے چونک کر اُسے دیکھا اور اس کے سامنے شانیہ کا اکتایا ہوا چہرا گھوم گیا۔ اس کے لئے دیئے انداز کو یاد کر کے تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ حمیرا کے مجبور کرنے پر زبردستی اس کے ساتھ آئی ہے۔ جبکہ اس کو یہ ماحول اور یہاں کی بے باکی بہت ناگوار لگ رہی تھی۔ پھر نوروز نے کچھ سوچ کر خود ہی موضوع بدل دیا۔ مگر اس کا دھیان اب بھی اُس سیدھی سادھی ہر قسم کی آرائش سے پاک معصوم مگر غصہ سے بھرائی ہوئی لڑکی جھگڑتی پراعتماد لڑکی کی طرف تھا۔ وہ مسکرانے لگ اور پھر عالیہ کے والدین سے ملنے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

✦✦✦

"Good Morning!" نوروز نے گھڑی میں وقت دیکھتے عجلت میں سلامتی بھیجی۔

"Morning!" بیٹھو آرام سے ناشتہ کرو" انہوں نے نوروز کو کھڑے کھڑے ہی جوس پیتے دیکھ کر سرزنش کی۔

"دیکھ رہے ہیں آپ! میرے بچے کو یہ کن بزنس کے بکھیڑوں میں الجھا دیا ہے، نہ کھانے کا ہوش نہ اپنی نیند کا خیال، رات گئے گھر لوٹتا ہے اور پھر لیپ ٹاپ سے چپک جاتا ہے۔ پھر صبح اکثر ناشتے کے بغیر ہی نکل جاتا ہے میں تو اس سے بات کرنے کے لئے ترس گئی ہوں"۔ اس کی ماما نے پاپا سے شکوہ کرتے کہا تو پاپا نے فخر سے اپنے اس ہونہار بیٹے کی طرف دیکھا جو لندن سے بزنس کی ڈگری لیکر حال ہی میں لوٹا تھا انہیں ہر فکر سے آزاد کر کے گھر آرام کرنے بٹھا دیا تھا اب وہ کسی اہم میٹنگ یا Deligation انجوائے کرتے ہی آفس جاتے تھے۔ نوروز نہ صرف اداروں کا بلکہ ہر ناممکن کو ممکن کر دکھانے کی صلاحیت رکھتا تھا کسی بھی بزنس ڈیل کو نہ صرف چیلنج سمجھ کر قبول کرتا بلکہ اسے جب تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا دیتا چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔

"ہاں بھئی برخوردار! تمہارا مری والا پروجیکٹ تو مکمل ہو گیا ہے اب کچھ دن آرام کرو اپنی ماما کو وقت دو، ورنہ بلاوجہ سارا دن مجھ مظلوم کی کلاس لیتی رہے گی۔"

پاپا نے اخبار سائیڈ پر رکھتے، توس پر جیم لگاتے ہوئے کہا تو نوروز بھی کچھ سوچ کر ان کے

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

سارا دن نوروز آفس میں مصروف رہا۔ میٹنگ میں قیام کے دوران کچھ کام Pending میں پڑے تھے انہیں مکمل کروایا، اب وہ کچھ ریلیکس ہو کر بیٹھا تو اس کا دھیان خود بخود اس لڑکی جھگڑتی غصہ کرتی لڑکی کی طرف چلا گیا وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا اس کے ارد گرد اپنے کلاس کی ہم پلہ اور ہم حیثیت گھرانوں کی لڑکیوں کا جمگھٹا رہتا تھا ہر کوئی اُس سے شادی کی خواہاں تھی خود عالیہ کو بھی اس بات کی خوش فہمی تھی کہ وہ اسے ہی لائف پارٹنر کے طور پر چنے گا۔ جبکہ نوروز نے سب سے دوستی کے باوجود ایک فاصلہ رکھا تھا وہ کبھی اپنی پرائیویسی میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا تھا اس نے اپنے آپ سے عہد لیا تھا کہ جب تک خود کوئی لڑکی اُس کے آہنی وجود میں قید دل کے دروازے پر دستک دے کر اس کی دھڑکنوں پر قابض نہیں ہوگی وہ شادی نہیں کرے گا اس کے نزدیک نکاح ایک پاکیزہ اور اعتماد و مان پر مبنی بندھن ہوتا ہے اور وہ اس مقدس رشتے کو کسی بزنس ڈیل کی طرح نہیں بلکہ پوری چاہت و محبت سے نبھانا چاہتا تھا اور اب اُسے لگتا تھا کہ شاید نہ صرف اس کے دل پر دستک دے چکی ہے بلکہ اپنی پراعتماد شخصیت کے ساتھ اپنا حصار بھی طاری کر چکی ہے۔ یہی سب سوچتے وہ ایک حتمی فیصلے پر پہنچا۔ اُسے یقین تھا کہ اس سلسلے میں عالیہ کے علاوہ کسی اور سے معلومات نہیں مل سکتی۔ اسی لئے اب وہ تمام میٹنگ ملتوی کرتے عجلت میں اپنی گاڑی دوڑاتے Tennis club میں تھا۔ کیونکہ عالیہ اس وقت وہیں پائی جاتی تھی۔

"ہائے نوروز! تم اور آج یہاں؟ خیریت تو ہے؟ آج آپ نے اتنے مصروف شیڈول میں سے میرے لئے کیسے وقت نکال لیا؟"۔ عالیہ نے پانی کی بوتل منہ سے لگاتے اور کلب کی سیڑھیوں پر بیٹھتے اس پر چوٹ کی۔

"ہاں تمہاری یاد آرہی تھی تو سوچا تمہارے ساتھ چل کیا جائے۔"

"Oh Sure!" عالیہ اس کی اتنی التفات پر ہی کھل اٹھی اور دل اس کا مزید خوش فہمی میں گھرنے لگا اسے قوی یقین تھا کہ نوروز صرف اور صرف اس کی پراپرٹی ہے۔ وہ ملک کے نامور سرمایہ دار کی اکلوتی نورِ نظر اور ساری جائیداد کی اکلوتی وارث تھی اس کے ساتھ شادی کرنے پر نوروز کے بزنس کو مزید تقویت ملتی لہٰذا وہ انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اس کا اپنا ذاتی خیال تھا۔ پھر سامنے کیفے ٹیریا میں عالیہ کی پسند کا اٹالین ڈشز کا آرڈر دیتے اُس نے تمہیں باندھی۔

"اور تمہاری یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے؟"

"ہاں اچھی ہے" عالیہ نے ادا سے بالوں کو جھٹکتے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"حمیرا سے تو تمہاری کافی دوستی ہو گئی؟ اُسے بھی کئی دن انوائٹ کیا کافی دن ہو گئے اس سے ملاقات نہیں ہوئی" نوروز نے لہجے کو سرسری بناتے عام سے انداز میں کہا

"ہونہہ، حمیرا کے پاس میرے لئے اب وقت ہی کہاں ہے، اُسے وہ شایہ جو مل گئی ہے ہر وقت اُسی کا سایہ بنی رہتی ہے۔" عالیہ نے اپنی پلیٹ میں پاستا نکالتے نخوت سے کہا۔

"کون شایہ؟" نوروز نے انجان بنتے پوچھا۔

"ارے وہی لڑکی، جو اس دن پارٹی میں تھی پتہ نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے؟۔ باپ اس کا معمولی مکینک ہے کسی چھوٹے سے محلے کے کوارٹر میں رہتی ہے اس سے بہتر تو ہمارے سرونٹ کوارٹرز ہیں۔ نہ پہننے کا ڈھنگ نہ اوڑھنے کا سلیقہ اور اس برابر والی نشست پر relax ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں بھئی اب آگے کیا ارادے ہیں"۔ اس بار ماما نے استفسار کیا۔

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہے" اس نے فضلو (نوکر) کے ہاتھ سے اخبار لیتے کہا۔

"کیا مطلب؟" اب ماما کے ساتھ ساتھ پاپا کی توجہ بھی اس کی طرف تھی۔

"مطلب یہ کہ ہمارے نیا شاپنگ پلازہ کا ماڈل جدید طرز بنیاد کی وجہ سے سری لنکا کے مایہ ناز بلڈرز آف کمپنی کو بہت پسند آئے ہیں لہٰذا اب اس پر پیپر ورک اور پھر فیلڈ ورک اسٹارٹ کرنا ہے۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اُف او! کام، کام اور کام، بیٹے اس کے علاوہ بھی زندگی میں بہت کچھ ہے تم نے تو اس کم عمری میں خود کو مشین ہی بنا لیا ہے" ماما نے نالاں ہوتے ہوئے کہا۔

"مثلاً؟" اب نوروز نے اس کا ہاتھ پیار سے تھامتے ہوئے پوچھا۔

"مثلاً تمہاری شادی، بیوی بچے..... ہائے سچ میں مجھے کتنا شوق ہے میرے گھر میں بھی تمہارے بچوں سے رونق لگے۔ ایک تو تم ہماری اکلوتی اولاد اور وہ بھی ہر وقت رسی تڑوا کر بھاگنے کی کوشش میں رہتے ہو کم از کم اپنی بہو اور پوتے پوتیوں سے تو دل بہلا لیا کرونگی اور پھر ہماری اتنی دولت و کاروبار کا وارث بھی تو ہونا چاہئے!" آخر میں انہوں نے پاپا کی طرف دیکھتے ان کی تائید چاہی۔

"بالکل! آپ کی ماما صحیح کہہ رہی ہیں ماشاء اللہ آپ سیٹ ہیں، جس لڑکی کا ہاتھ مانگو گے لوگ خوشی خوشی رشتہ دینے کو تیار ہیں"۔ ان کی بات پر پہلی بار نوروز کی نگاہ میں اس اجنبی دوشیزہ کا سراپا لہرایا۔

"بلکہ کوئی اور کیوں اپنی عالیہ کیسی رہے گی؟" ان کی بات پر نوروز کو اچھوں لگ گیا۔

"عالیہ اور میرے لئے..... Impossible آپ اچھی طرح میرے مزاج کو جانتی ہیں مجھے ایسی مغرور، خود سر ماں باپ کی بگڑی الٹرا ماڈرن لڑکیوں سے کتنی چڑ ہے؟" نوروز نے سنجیدگی سے ان کے خیال کی نفی کرتے جواب دیا۔

"مگر تمہاری تو اس سے اچھی خاصی انڈر سٹینڈنگ ہے، خیر اگر تمہاری نظر میں کوئی اور ہے تو بتاؤ۔ مجھے تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں" مسز خاور نے اب اس کی رائے معلوم کی۔

"جی.....! سے تو میرا مطلب اتنی جلدی کس بات کی ہے، مجھے کچھ وقت دیں میں آپ کی خواہش کو جلد پوری کرونگا۔ ابھی تو مجھے ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔ شام میں ملاقات ہوگی ہے۔ See You!" ان کی پیشانی پر پیار کرتے وہ اپنے روم کی طرف تیار ہوتے چلا گیا۔

"ایک تو ان لڑکوں کی سمجھ نہیں آتی" انہوں نے کچھ خفگی سے کہا

"ارے بیگم! ذرا تحمل سے..... دیکھا نہیں پہلے وہ شادی کی بات سنجیدگی سے سننے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا آج تو اُس نے نہ صرف دلچسپی ظاہر کی بلکہ اُمید بھی دلائی ہے۔"

خاور صاحب نے ذومعنی انداز میں جاب دیا۔

"اوہ! تو آپ کا مطلب ہے، کوئی لڑکی نوروز کی زندگی میں بھی قدم رکھ چکی ہے۔ کاش ایسا ہو جائے" انہوں نے خوشی خوشی چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

✦✦✦

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

پر محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے اسکالرشپ پر اتنی مہنگی یونیورسٹی میں داخلہ کیا مل گیا خود کو ہمارے برابر کا سمجھنے لگی ہے۔ ایک بار میں نے غروت میں اپنے کچھ استعمال شدہ کپڑے اور جوتے دینے چاہے جو کافی مہنگے اور برانڈڈ تھے یہ سوچ کر کہ حمیرا کی وجہ سے ہمارے ساتھ بھی اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔ اتنے سستے کپڑوں میں اُسے دیکھ کر شرمندگی Feel ہوتی ہے۔ مگر اس بددماغ لڑکی نے یہ کہہ کر مجھے واپس کر دیئے کہ ان کی اصل حقدار وہ نیلی فٹ پاتھ پر رہنے والے غرباء ہیں جن کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے میسر نہیں۔ وہ جو بھی ہے اُسے اپنی حیثیت پر کوئی شرمندگی نہیں۔ اپنے محنت کش باپ پر فخر اور اپنے سستے کاٹن کے لباس زیب تن کرنے میں کوئی عار نہیں انسان کی شخصیت قیمتی لباس سے نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق سے پہچانی جاتی ہے۔" نان اسٹاپ عالیہ اس کے بارے میں زہر اگل رہی تھی جسے نورو نہ چاہتے ہوئے بھی سننے پر مجبور تھا۔

"بس اُس دن سے میری اور اس کی کوئی خاص بات چیت نہیں نہ ہی مجھے ایسی احساس کمتری کی ماری لڑکی سے دوستی رکھنے کا کوئی شوق ہے۔ یہ حمیرا کے اندر پتہ نہیں کونسے غریبوں سے ہمدردی کے جراثیم پائے جاتے ہیں نا اپنے رُتبے کا خیال ہے نہ انکل ایاز آنٹی کی عزت کا، خیر تم بھی کس کا ذکر لے کر بیٹھ گئے۔"

"ہوں" نورو نے زبردستی مسکراہٹ ضبط کی اداکاری کی لچ سے فراغت کے بعد آخر پہنچے تک شایہ تک رسائی کی ساری پلاننگ کر چکا تھا عالیہ کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ نہ صرف Selfmaind بلکہ کافی خوددار بھی تھی دولت کا اُسے کوئی لالچ نہیں۔ اُس کی اس خوبی نے نورو کے دل میں اس کا مقام مزید بلند کر دیا تھا۔ ایک مشکل ٹاسک تھا کیونکہ مری اور یہاں بھی اس کا جب بھی سامنا ہوا وہ کوئی سازگار ماحول میں نہیں ہوا نہ ہی اس کے حوالے سے کوئی اچھا تاثر پڑا اور اب عالیہ کے ساتھ اُسے دیکھ کر تو وہ اُسے بھی ویسا ہی مغرور Status Concious بگڑا ہوا رئیس زادہ سمجھنے لگی ہوگی لہٰذا اُس کے دل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اُسے کافی پاپڑ بیلنے تھے۔ لیکن شایہ سے مدمقابل بھی نورو تھا جو ہر ناممکن کو ممکن بنانا جانتا تھا اور یہاں تو سراسر معاملہ اس کے دل کا تھا۔

✦✦✦

ان کا کالج میں لاسٹ ایئر تھا وہ ان دو سالوں میں اپنی ذہانت و قابلیت سے نہ صرف اساتذہ بلکہ اپنے کلاس فیلوز کے درمیان بھی جگہ بنا چکی تھی عالیہ جیسی چند بگڑی مغرور امیر زادیوں کے ہر گروپ اس کا گرویدہ تھا۔ وہ نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بہترین ڈیبیٹر اور پلیئر کے اپنے ادارے کا نام روشن کر چکی تھی۔ اپنوں اس کے اعلیٰ اخلاق اور نفیس شخصیت کا مداح تھا وہ بھی خوشی خوشی اپنی محنت سے تیار کردہ نوٹس اور اسائنمنٹس وغیرہ اپنی دوستوں کو دے دیتی تھی ان سب کے باوجود وہ ہمیشہ Top پر ہوتی۔ آج بھی وہ دونوں حمیرا کے گھر Study room میں فائنل امتحانات کی تیاری کر رہی تھیں۔ اس کا ساتھ دیتے ہوئے حمیرا کا بھی پڑھائی میں کافی Interest پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی ماما شایہ دل سے شکر گزار تھی وہ اُسے بہت پسند کرتی تھیں۔ آج وہ ہوی کے ساتھ اس کے گھر لنچ پر چلی جاتی آنٹی ہمیشہ خلوص سے ملتیں ہر چیز بڑے پیار سے کھلاتیں ان کے انداز میں

کہیں دکھاوا یا غرور نہیں جھلکتا تھا۔ لہٰذا شایہ بھی اب ان کے گھر بلا جھجک آ جایا کرتی تھی۔

"اور سناؤ! فائنل امتحانات کے بعد کیا کا ارادہ ہے؟" ہوی نے Book Mark لگاتے اُس سے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں بس کسی پرائیویٹ فرم میں جاب کیلئے اپلائی کروں گی دیکھو کہیں نہ کہیں تو مل ہی جائے گی۔ میرے بابا اور گھر والوں کو مجھ سے بہت امیدیں ہیں تم جانتی ہو میرے والدین نے اپنی ضرورتوں کا گلہ گھونٹ کر اور میرے بہن بھائی کے دل میں پنپتی چھوٹی چھوٹی خواہشات سے نظریں چُرا کر مجھے آج اُس مقام تک پہنچایا ہے لہٰذا اب میں بھی ان کی خواہشات اور آرزوئیں پوری کرنا چاہتی ہوں تمہیں معلوم ہے حمیرا! میرے بابا بہت خود دار ہیں میرے تایا ابو گاؤں میں زمینیں ہیں انہوں نے کئی بار ہماری مدد کرنا چاہی مگر انہوں نے خوبصورتی سے انکار کر دیا اور یہی چیز میرے بابا کو میری نظر میں معتبر بناتی ہے۔ انسان کو اپنی خودی کسی قیمت نہیں گروی رکھنی چاہئے۔ جو مزہ سر اٹھا کر جینے میں ہے ناں وہ کسی کے احسانات تلے سر جھکانے میں نہیں۔ بقول علامہ اقبال۔

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حمیرا نے ہلکے پھلکے انداز میں اپنا مؤقف بیان کیا۔ ہوی آنٹی کی ماما کے ساتھ باتیں کرتے آئے نورو اس کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا" کوئی لڑکی اتنی پراعتماد اور اپنی ذات پر آرائش سے خالی زندگی میں کیسے شناکر رہ سکتی ہے لڑکیوں کو تو گلیمرس لائف برانڈڈ کپڑوں، جوتوں کا کتنا Craze ہوتا ہے؟ وہ اس کی دیوانی ہوتی ہیں اور یہ لڑکی کس دُنیا کی باسی ہے؟ کیا اُسے اپنے بے انتہا خوبصورتی کا احساس نہیں؟ اگر وہ چاہے تو کتنے لڑکے اس کے آگے پیچھے محبت کا کشکول لیکر اس کے قدموں میں سب کچھ وار کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اس نے اپنی سرکل میں اسی قسم کی لڑکیوں کو دیکھا تھا" نوروز الجھا بے اول لایعنی سوچوں میں غلطاں تھا۔ جب ہوی کی پرجوش آواز پر حال میں لوٹا۔

"ہائے نورو! تم کب آئے؟ مجھے ماما نے بتایا تو یقین نہیں آیا، آج اگر عالیہ نے تمہاری جان کیسے بخش دی، جو تم اچھے خاصے رشتے داروں کو شرف ملاقات بخشتے چلے آئے" حمیرا نے فریج سے پانی کی بوتل نکالتے اس پر طنز کیا۔

"ارے شایہ! یہ تم وہاں کیوں کھڑی ہو ان سے ملو یہ نورو ہیں میرے ماموں زاد کزن" ساتھ ہی اُس نے تعارف کروایا۔ نورو نے سبز و آسمانی لان کے سادہ سوٹ میں بیچ کی مانگ نکالے ڈھیلی ڈھالی چوٹی بنائے شایہ کی طرف غور سے دیکھا۔

"Nice to meet you!" اُس نے مسکراتے ہوئے انجان بنتے کہا تو شایہ طیش کھا کر رہ گئی۔

"ویسے دیکھا جائے تو میں آپ سے ٹکرا نہیں نہ ہی آپ کا تعاقب کیا ہے۔ بلکہ میری پھوپھو کے گھر آپ کی موجودگی شناسائی کی گواہی ہے" اس نے قریب آتے ہوئے اُس سے کہا جبکہ حمیرا ماما کی آواز پر نورو کی خاطر داری کے لئے اندر جا چکی تھی۔

"چلتی ہوں۔ حمیرا کو بتا دیجئے گا۔" اُس نے نورو کی بات کو نظر انداز کرتے صرف اتنا کہا جس پر نورو کا تپنا فطری تھا۔

"آہاں مس! میں آپ کا نہ سرونٹ ہوں اور نہ ہی پرسنل سیکرٹری، جو آپ اس طرح مجھ

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

حکم صادر کررہی ہے، آپ خود اُسے جاکر اطلاع دیں"۔ اس کی صاف گوئی پر شانیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر آنکھوں میں مچلتی شرارت اور لبوں پر دل جلانے والی مُسکان دیکھ کر اُسے ازسرِ نو غصہ آنے لگا۔

"حمیرا! میں گھر جارہی ہوں تمہارے بہانے اکیلے ہیں ان کو کمپنی دو اور شاید دھوپ سے آنے کی وجہ سے کچھ اپنے حواسوں میں بھی نہیں ہے ان کو سنبھالنا"۔ آخری الفاظ اُس نے نوروز کی طرف دیکھ کر ادا کیے اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر کی راہ لی۔ جبکہ نوروز کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور اندر آتی حمیرا نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔

+++

وقت کا پنچھی اس طرح پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ بہار کی آمد تھی اور درختوں اور پودوں نے سبز پوشاک زیب تن کرلیا تھا رنگ برنگے فضا میں خوشبو بکھیرتی اور جھومتی خوشنما پھولوں کی ڈالیاں آنکھوں کو خیرہ کررہی تھیں۔ آج شانیہ کا لاسٹ پیپر تھا وہ حسب معمول پیپر کے بعد حمیرا کے ساتھ ڈسکس کرتے ہوئے مین گیٹ تک پہنچی تو وہاں نوروز کو سر پر ہیلمٹ پہن گلاسز لگائے، اِدھر اُدھر کسی کو متلاشی نگاہ سے دیکھتے دیکھ کر رُک گئی۔

"ہونہہ، عالیہ کو لینے آیا ہوگا دونوں ہی ہم مزاج اور اپنی دولت پر زُعم کرنے والے تگڑے تب ہی خوب دوستی ہے"۔ شانیہ نے دل میں سوچا۔

"ہائے لیڈیز!" اُسے اپنے قریب خوشبو میں بسے نوروز کی آواز سنائی دی جو بظاہر بات حمیرا سے کررہا تھا مگر اس کی پرشوق نگاہیں اس کی طرف تھی۔

"چھوڑا کہیں کا بنگل سے کتنا ویل ایجوکیٹڈ اور مہذب دکھائی دیتا ہے مگر حرکت کتنی لوفرانہ ہے"۔ شانیہ کو اُلجھن ہورہی تھی۔

"وہ دن جب یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہیں پک کرلوں مگر تم نے حمیرا کو اپنے آنے کی وجہ بتائی جسے سُن کر حمیرا حیرت و خوشی سے بیہوش ہوتے بچی۔

"خیریت ڈیئر کزن! آج ہم پر اتنا کرم نوازی کیوں؟ وہ تمہاری جانشین، عالیہ نے اگر دیکھ لیا ناں، تو تمہاری خیر نہیں۔" حمیرا نے مسکراتے ہوئے طنز کیا تو نوروز اس کی بات پر مسکرانے لگا۔

"وہ گھر جاچکی ہے میں اُسے لینے نہیں بلکہ بطور خاص تمہارے لیے آیا ہوں جیسے وہ میری فرینڈ کزن ہے ویسے ہی تمہارا بھی مجھ پر حق ہے۔ چلو گاڑی میں بیٹھو بلکہ اپنی دوست کو بھی اپنے ساتھ لے لو، میں ان کو بھی ڈراپ کردونگا۔" نوروز نے گلاسز لگاتے اُسے پیش کش کی۔

پھر حمیرا کو منع کرنے کے باوجود ہمیشہ کی طرح اس کی ناراضگی کے ڈر سے بیٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ مہرون عبایا میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا نوروز نے Mirror اس کی طرف سیٹ کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی جبکہ ان تمام باتوں سے بے نیاز شانیہ کھڑکی کی طرف رخ کیے بیٹھی تھی۔ وہ اُسے اپنی نظروں کے حصار میں رکھے حمیرا کی باتوں کا جواب دے رہا تھا پھر شانیہ کو ڈراپ کر کے وہ اب حمیرا کے گھر کی طرف روانہ ہوا اس کا منصوبہ بنا ہوچکا تھا وہ شانیہ کا گھر ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ انکل کو لینے پر شاید اُس کے والد باہر آئے تھے۔ جنہیں شانیہ کی طرف اشارہ کرکے اس کے ساتھ آنے کی بابت آگاہ کررہی تھی۔ پھر ان کی معیت میں وہ اندر بڑھ گئی اگر نوروز ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ حمیرا کو گھر آنے کی زحمت

دیتی۔ نوروز کو شانیہ کی یہ اعتماد پسندی اچھی لگی تھی۔ جو شخص کبھی جوتے بھی برانڈڈ سے کم نہیں پہنتا تھا جو ڈرائیو بھی حسب نسب دیکھ کر کرتا تھا۔ آج دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس تنگ و تاریک گلی کے بوسیدہ سے مکان میں رہنے والی عام سی لڑکی کو اپنا دل دان کرچکا تھا۔ مگر شانیہ اب عام کہاں رہی تھی۔ نوروز کی محبت نے اُسے خاص بنا دیا تھا اور اب اس کا حصول نوروز کے لیے ناگزیر تھا۔ وہ خود اپنی کیفیت پر کبھی اُلجھ جاتا اور کبھی ہنسنے لگتا بالآخر دل و دماغ کی جنگ میں دل جیت گیا تھا۔ محبت کا جذبہ اتنا زور آور ہوتا ہے جو حسب نسب، رنگ و نسل کی پرواہ کیے بغیر محبوب کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیتی ہے۔ جب ہی وہ آج اس کے گھر تک چلا آیا تھا۔

+++

نوروز ہمیشہ اپنے ارادے میں پکا اور فیصلے میں اٹل رہتا تھا اور اب تو معاملہ اس کے دل کا تھا کچھ دن بعد اس کے کالج میں فیئر ویل پارٹی تھی اُس کے بعد اُس کو عملی زندگی میں قدم رکھنا تھا یہی سوچ کر وہ بھی اداس ہورہی تھی۔

"یار! کالج کے دن بھی کتنے اچھے اور بے فکرے ہوتے ہیں۔ اب ہم سب بچھڑ جائیں گے۔ خاص طور پر میں تمہیں بہت مس کرونگی"۔ حمیرا نے کوک پیتے یاسیت سے کہا تو شانیہ کے لبوں پر بھی اداس سی مُسکان ٹھہر گئی، واقعی حمیرا جیسی مخلص لڑکی کا ساتھ کسی نعمت سے کم نہیں تھا جہاں عالیہ جیسی مغرور اور خود پسند لڑکیاں اُس کا تمسخر اڑاتی، وہیں حمیرا جیسی مخلص لڑکیاں ریا دوست اس کی ڈھال بن جاتی۔

"ویسے تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"بس کچھ نہیں اب ہم جیسے عام لوگوں کو ملازمت پلیٹ میں رکھ کر تو نہیں ملتی بس کل سے مختلف جابز کی تلاش شروع، مجھے یقین ہے میرا اللہ یہاں بھی میرا ساتھ دے گا اور جلد میں تمہیں خوشخبری سناؤں گی۔ میری زندگی کا مقصد اپنے والدین کی بے غرض خوابوں اور اپنے بہن بھائی کے معصوم خواہشات کی تکمیل ہے"۔ وہ تصور میں اپنی فیملی کے بارے میں سوچ کر ہلکے پھلکے مگر پرعزم انداز میں اپنے مستقبل کے پلان سے اسے آگاہ کررہی تھی۔ حمیرا نے محبت سے اپنی اس دوست کو دیکھا وہ اس کے خوابوں کی تعبیر کے لئے دل سے دعا گو تھی۔

"ویسے پاپا نے مجھے اپنا آفس جوائن کرنے کا کہا ہے۔ اب مزے سے خوب دیر تک سوؤں گی۔ مووی، شاپنگ دوستوں سے گپ شپ لیکن نہ جی ہمارے نصیب میں عیاشیاں کہاں؟" اب حمیرا نے مصنوعی آہ بھرتے کہا تو شانیہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہنس لو، ہنس لو مائی ڈیئر فرینڈ! تم بھی ہماری بے بسی کا مذاق اڑالو" حمیرا کی بے پر کی اڑانے پر شانیہ نے کتاب کھینچ کر اُسے ماری جو سامنے سے آتے نوروز نے بڑی خوبصورتی سے کیچ کرلی حمیرا نے خوشی سے چیخ ماری جبکہ شانیہ نے خونخوار نظروں سے اُسے گھورا اس کا موڈ جتنا خوشگوار تھا اُسے دیکھ کر اتنا ہی خراب ہوچکا تھا۔ نوروز کو اس کے چہرے کے بنتے بگڑتے تاثرات لطف دے رہے تھے۔ وہ اپنے حوالے سے اس کی ناپسندیدگی سے خوب واقف تھا۔

"ہیلو گائز! Whats up؟" اُس نے ہمیشہ کی طرح شانیہ کو اپنی بھوری ذہانت سے چمکتی آنکھوں کے کیمونیس میں قید کرتے پوچھا۔

"Nothing! بس ویسے ہی کالج کے

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

گزرے دنوں کو یاد کر کے خوش اور بچھڑنے کے غم میں اداس ہو رہے تھے" حمیرا نے سینڈوچ اُس کی طرف بڑھاتے جواب دیا۔

"ویسے بائی دا وے تم آجکل کچھ زیادہ ہی یونیورسٹی میں نہیں پائے جا رہے؟ انکل نے کیا تم نالائق کو اپنے بزنس سے عاق کر دیا ہے جو اتنے فارغ ہو یا کہیں دل، دل محبت کا معاملہ تو نہیں۔" حمیرا نے ہنستے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

"پہلا اندازہ تمہارا غلط ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، پورے خاندان میں کیا؟ پورے بزنس سرکل میں میرے مقابل کا ذہین Determined اور Passionate بزنس مین کوئی نہیں۔ پاپا کو مجھ پر فخر ہے ہاں البتہ دوسرا اندازہ قابل غور ہے"۔ نوروز نے مزے سے سینڈوچ کھاتے جواب دیا۔

"کیا.....؟ واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟ تم جیسا Iron man اور محبت..... ایمپاسبل" اب حیران ہونے کی باری حمیرا کی تھی۔

"ہاں ایک منٹ، کہیں تم اس نک چڑی اپنی مس ورلڈ کزن عالیہ کو تو پرپوز کرنے والے نہیں؟ ہاں یقیناً یہ عالیہ ہی ہوگی۔ ویسے تم سے ایسی حماقت کی امید تو نہیں، لیکن اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو بھائی ابھی وقت ہے ایک بار پھر سوچ لو یہ تو وہی مثال ہوگی "آ بیل مجھے مار"۔" حمیرا نے سموسے پر ڈھیر سارا کیچپ ڈالتے آنکھیں پٹپٹاتے کچھ اس طرح چھیڑنے والی آواز کی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی شانیہ کی ہنسی نکل گئی تو نوروز کو ایسا لگا اس گرمی کے تپتے جھلستے موسم میں بہار اتر آئی ہو۔ اُس کی سُریلی آواز کی جلترنگ اس کے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ شانیہ کو فوراً احساس ہوا تو وہ جلدی سے اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔

"اوکے حمیرا میں چلتی ہوں یہ لائبریری میں بکس جمع کروانی ہے لائبریرین سے امتحانات کی تیاری تک مہلت لی تھی اب وہ مجھے کچا چبا جائیں گی" شانیہ نے نوروز کی خود پر جمی نظروں کو اگنور کرتے ہوئے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"ارے ایسے کیسے جانے دیں؟ سورج سوا نیزے پر ہے اس چلچلاتی دھوپ میں آپ تک جاتے تمہارا حشر ہی ہو جائیگا۔ تم ایسا کرو بکس واپس کر کے آؤ، یہ نوروز تمہیں ڈراپ کر دے گا کیوں نوروز؟" آخر میں اُس سے تائید چاہی۔

"Sure!، نوروز نے کندھے اچکاتے اپنے سن گلاسز سر پر ٹکاتے جواب دیا۔

"نہیں حمیرا اس تکلف کی ضرورت نہیں، تمہیں معلوم ہے کالج سے واپسی پر میں دو، تین ہوم ٹیوشن لیتی ہوں" شانیہ نے خوبصورتی سے آفر کو رد کر دیا۔ نوروز اُس کے گریز کو سمجھ رہا تھا۔ خلاف توقع حمیرا بھی مان گئی۔

"اوکے بائے! پھر فیئر ویل ملاقات ہوتی ہے" اس نے مصافحہ کرتے اُسے رخصت کیا اب اس کی ساری توجہ نوروز کی طرف تھی۔

"بائی دا وے مجھے تم سے ایک ضروری کام بھی تھا" نوروز نے اپنا اصل مدعا بیان کیا۔

"ہاں کہو!" اب حمیرا بھی جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"وہ دراصل میرے آفس میں P.A (Personal Assistant) کی پوسٹ Vacant ہے اینڈ You Know! مجھے بلاوجہ میک اپ اور اوپن پارٹنگ فیشن کی دلدادہ لڑکیوں سے کوفت الرجی ہے لہٰذا میں شوقیہ جاب کے لئے آئی لڑکیوں کے انٹرویو میں وقت ضائع

کرنا نہیں چاہتا تو اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہاری کلاس میں کوئی ذہین، سمجھدار اور Needy کلاس فیلو ہے تو اُسے میرے پاس بھیج دینا، اگر وہ میرے معیار پر پوری اُتری تو میں اُسے ہی اپائنٹ کر لونگا"۔

نوروز نے بہت طریقے و سلیقے سے شانیہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھایا تھا اور حمیرا کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ شانیہ اور تب ہی اُس کے زرخیز ذہن نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا شومئی قسمت اُس کے آفس میں واقعی P.A کی پوسٹ خالی تھی۔ اس طرح وہ نہ صرف شانیہ کی مالی مدد کرنا چاہتا تھا بلکہ اُسے یقین تھا کہ وہ ایک بار اُس کے دل تک رسائی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

"ہوں! ویسے تو تم جانتے ہو اس یونیورسٹی میں سب ایلیٹ اور امیر فیملی کے بچے اسٹڈی کرتے ہیں انہیں جاب کی کیا ضرورت؟ ہاں مگر شانیہ کا تعلق ایک لوئر مڈل کلاس فیملی سے ہے وہ اپنی ذہانت و محنت کے بل بوتے پر یہاں تک پہنچی ہے۔ اس کا فیوچر بہت برائٹ ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت مخلص اور Sensitive ہے وہ ان کے لئے بہت کچھ کرنے کا جذبہ رکھتی ہے اگر تم کہو تو میں شانیہ سے بات کروں! hope اوہ تمہاری Expectations سے پورا اُترے گی"

"Sure! تمہیں لگتا ہے کہ وہ اس پوسٹ کے لئے Appeal کرتی ہے تو مجھے انفارم کر دینا" اپنے دل کی مراد بر آتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"Ok! چلو میں اُس سے پوچھ کر تمہیں ایک، دو دن میں جواب دیتی ہوں" حمیرا نے سن گلاسز لگاتے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنی بہترین آفر پر وہ شانیہ کے لئے دل سے خوش تھی اور پھر وہ نوروز کے ساتھ پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گئی۔

"مگر ایک بات کا خیال رکھنا، مجھے لگتا ہے تمہاری دوست مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتی شاید وہ مجھے کوئی بگڑا ہوا رئیس زادہ سمجھتی ہے۔ ایسا نہ ہو وہ جاب سے انکار کر دے اور جیسا کہ تم نے بتایا کہ وہ ضرورت مند اور Qualified ہے تو میں نہیں چاہتا کسی بزنس انڈر اسٹینڈنگ کی وجہ سے وہ یہ جاب اپروچ نہ کرنے پر مجھے FeelGuilty ہو"۔

نوروز نے گاڑی ڈرائیو کرتے اپنے خدشات ظاہر کئے کیونکہ وہ کسی طور شانیہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"تو پھر!" حمیرا نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر یہ مائی ڈیئر کزن! تم اسے میرا حوالہ نہیں دو گی اس کا انٹرویو ہمارے منیجر صاحب لینگے اگر وہ کامیاب ہو جاتی ہے تو وہ ان کے پیرو رُوٹن کی کام کرے گی۔ میرا اُسے سامنا نہیں ہوگا"۔

"اوکے!" حمیرا نے مختصراً جواب دیا۔

"مگر تم پاس ہو بھی تو سامنا ہوگا" حمیرا نے اپنا خیال ظاہر کیا اُسے نوروز کی بات کچھ عجیب لگی تھی۔

"بعد کی بعد میں دیکھیں گے فی الحال میرا نام Explore نہیں ہونا چاہیے۔"

"چلو ٹھیک ہے" حمیرا نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

+++

عالیہ جو پارکنگ ایریا میں نوروز کی گاڑی دیکھ کر اپنی دوستوں سے معذرت کرتے اُسے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تلاش کرتے آرہی تھی جب اُس نے اُسے نور کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرتے پارکنگ کی طرف جاتے دیکھا تو اُس کے سینے میں سانپ لوٹنے لگے وہ اس سے ملے بغیر، حمیرا کے ساتھ واپس جارہا تھا اس بات نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔

"Oh You!، حمیرا تم کو میں دیکھ لونگی، یقیناً تم نے ہی نوروز کا راستہ روکا ہوگا اُس سے لفٹ مانگی ہوگی۔ وہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ نوروز یونیورسٹی آئے اور مجھ سے ملے بغیر چلا جائے۔" ٹائٹس اور پنک ٹاپ میں ملبوس عالیہ کا غصے کے مارے برا حال تھا اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حمیرا کو دھکے مار کر خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے مگر اُس کے پہنچنے تک نوروز کی B.M.W مین گیٹ کراس کر چکی تھی اور پیچھے وہ جلتی کڑھتی رہ گئی۔ اب اس کا فیئر ویل پارٹی کے حوالے سے پروگرام کی تیاری کا موڈ نہیں رہا تھا لہٰذا وہ بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

+++

پھر حمیرا نے شانیہ کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ سن کر خوش ہونے کے ساتھ حیران رہ گئی۔

"مگر یار! مجھے جاب کا کوئی تجربہ نہیں نہ ہی ابھی میرا رزلٹ آیا ہے۔ میں کیسے اتنے نامور فرم میں جاب کیلئے کوالیفائی کرسکتی ہوں" شانیہ نے اُسے سامنے چائے اور دیگر لوازمات رکھتے اپنے خدشات ظاہر کئے۔

"ارے تم اس کی فکر نہ کرو، انکل کو ڈگریوں سے زیادہ ذہین اور Sincerety کی قدر ہے اُن کے نزدیک ڈگری جسٹ formality ہے۔ اصل چیز عملی طور پر Professional Skills ہیں اور جہاں تک تجربے کی بات ہے۔ تو ڈیئر Expereince جاب کرنے کے بعد ہی آتا ہے بس اب تم کل کے لئے انٹرویو کی تیاری کرو، I'm Sure تمہیں یہ جاب مل جائے گی۔" حمیرا کی باتوں سے شانیہ کو ڈھارس ہوئی۔

"Thank you Yar! واقعی تمہاری جیسی مخلص دوست میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں" اس نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"اچھا! بس، بس زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں انکل نے مجھ سے ذکر کیا مجھے لگا تم deserve کرتی ہو تو بتادیا آگے یہ جاب تم اپنے ٹیلنٹ اور میرٹ کی بنیاد پر حاصل کرو گی۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، ہاں مگر جاب کے بعد Treat پکی!" حمیرا نے چائے کا سپ لیتے مسکرا کر کہا۔

"Don!" شانیہ کھل کر مسکرائی۔ اُسے اپنی Career کی پہلی منزل بہت قریب نظر آرہی تھی اُس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا جو بغیر کسی تگ و دو اور سفارش کے اتنی اچھی آفر ہوئی۔ اس کے والدین بھی بہت خوش تھے۔

+++

اگلے دن ٹریفک کی وجہ تاخیر کی بابت وہ ٹیلٹ میں آٹو سے اُتر کر روڈ کراس کر کے دوسری طرف واقع Shah Builders تک جانا چاہ رہی تھی کہ ایک دم سامنے سے آتی Honda Civic سے بری طرح ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ اس نے غصے سے سامنے دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ سے باہر قدم بڑھاتے نوروز کو دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہوگیا۔

"آپ! Not Again آخر آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ کیوں ہر جگہ کالی بلی کی طرح میرا راستہ

کاٹنے پہنچ جاتے ہیں ہر بار آپ کا مجھ سے ہی ٹکرانا فرض ہے؟ مانا کہ آپ بہت امیر ہیں ایک سے ایک گاڑی رکھنا افورڈ کرسکتے ہیں مگر روڈ تو آپ کی جاگیر نہیں ہے پلیز اس پر چلنے والے ہم جیسے لوگوں کو انسان ہی سمجھا کریں"۔ اس نے غصے سے اپنی فائل اٹھاتے نوروز کو گھورنے کے ساتھ نصیحت کی۔

"دیکھیں مس! اس بار آپ زیادتی کررہی ہیں غلطی آپ کی تھی۔ گرین سگنل کے باوجود بغیر دائیں بائیں دیکھے سڑک پار کررہی تھی وہ تو شکر کریں کہ کسی حادثے سے بچ گئی اگر بروقت میں بریک نہ لگاتا تو....." نوروز نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ کر غصے سے سُرخ ہوتی بلیک اینڈ وائٹ چیک شرٹ کرتی اور ٹراؤزر میں ملبوس شانیہ کو دیکھا جس نے بلیو جینز اسکارف لئے روپ اس کے دل کو بھا گیا تھا۔

"اوکے، اوکے میں آپ سے ابھی اس بحث کے موڈ میں نہیں ہوں مجھے جلدی سے پہنچنا ہے آج انٹرویو کے پہلے دن کا آغاز ہی اتنا برا ہوا ہے آگے اللہ خیر ہی کرے" اس نے کلائی میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھتے کچھ تفکر سے کہا۔

"اوہ! تو آپ جاب کے سلسلے میں جارہی ہیں؟ Good Bless you!" نوروز نے اُسے وش کیا جسے نظر انداز کرتی وہ اپنی فائل سنبھالے آگے بڑھ گئی تھی تو نوروز بھی مسکرا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا دوسرا انکراؤنٹر لفٹ میں ہوا "یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" شانیہ نے ناگواری کے ساتھ حیرانی سے دیکھا۔

"اصل میں میرا آفس بھی اسی فلور پر ہے" اُس نے اس کا چہرہ پڑھتے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تو شانیہ نے سٹپٹا کر اُس سے نظریں پھیر لیں۔

اسے جاب مل گئی تھی۔ واپسی پر رب کی شکرگزاری کے ساتھ راستے سے مٹھائی کے ساتھ دانیال اور نازش کی پسندیدہ آئسکریم، کھوے اور دہی بھلے خریدے اور ان کی خوشی کا سوچ سوچ کر مسکرانے لگی۔ ساتھ ہی اُس نے حمیرا کو بھی کال کر کے خوشخبری سنائی اور فوراً گھر پہنچنے کے لئے کہا۔ اب وہ لوگ مٹھائی اور باقی لوازمات سے لطف اندوز ہورہے تھے جبکہ بابا عصر کی نماز پڑھنے مسجد اور اماں شکرانے کے نوافل ادا کرنے اندر جاچکی تھی۔

"ہاں تو آپی! آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا! پہلی سیلری ملتے پر لیپ ٹاپ دلائیں گی مجھے اب آن لائن کلاسز کی وجہ سے اس کی شدید ضرورت ہے۔" دانیال نے سموسہ کھاتے یاد دلایا۔

"جی نہیں شانیہ آپی نے وعدہ کیا تھا کہ پہلے مجھے وہ وہی ڈریس دلائیں گی جو جرا مانی نے اپنے ڈرامے میں پہنا تھا۔" چھوٹی نازش کیوں پیچھے رہتی۔

"اوہو تمہارا تو بالکل ضروری نہیں میرا لیپ ٹاپ اہم ہے تم تو ہو ہی نالائق، ہر وقت ڈراموں اور فیشن کی باتوں میں دھیان لگا رہتا ہے لیکن مجھے آپی کی طرح خوب محنت سے پڑھ لکھ کر ابا کا دایاں بازو بننا ہے۔" دانی نے اس کے ہاتھ سے آئسکریم چھینتے مدلل انداز میں جواب دیا۔

"چلو ندیدے کہیں کے" نازش نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے اُسے سفید جھنڈی دکھائی۔ دونوں کی نوک جھونک سے وہ دونوں محفوظ ہو رہی تھیں۔

"اچھا! لڑائی بند کرو مجھے اپنا وعدہ اچھی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

طرح یاد ہے انشاء اللہ تم دونوں کو تمہارے گھر ملیں گے" شانیہ نے دونوں کو ڈپٹتے خوشخبری سنائی۔

"We love شانیہ آپی Yahoo! you somuch اللہ آپ کو مزید کامیابیاں اور خوشیوں سے نوازیں اس کے دونوں بہن بھائی نے گلے لگتے فرط جذبات سے مغلوب ہوتے کہا تو شانیہ ان کی معصومیت پر مسکرانے لگی۔ کتنا آسان ہے ان کی زندگی کی کل کائنات اور خوبصورت رنگ سے وہ دونوں باہر چلے گئے۔ اُس نے حمیرا کی طرف دیکھا "ارے تم کہاں کھو گئی؟" اُس نے چٹکی بجاتے اُسے متوجہ کرنا چاہا۔

"نہیں، بس یار تم لوگوں کی مثالی محبت دیکھ کر تم پر رشک آ رہا تھا واقعی بہن بھائی کی نوک جھونک اور کھٹی میٹھی شرارتوں سے اصل رونق ہے۔ دیکھو میں کتنی تنہا ہوں نہ کوئی لڑنے جھگڑنے والا نہ کوئی ہم راز بہن ہے۔ حمیرا نے یاسیت سے کہا۔

"اوہو! اس خوشی کے موقع پر یہ اداسی والی بات نہیں چلے گی اور ڈانٹ اور نازش تمہارے بھی بہن بھائی تھے نا پگلی! تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟ تم جب چاہو آسکتی ہو ان کے ساتھ ٹائم Spent کر سکتی ہو"۔ شانیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

"واقعی" حمیرا کی آنکھیں چمکنے لگی۔

"جی بالکل! اور جب دو دن میں ہی ان کی شرارتوں سے پناہ مانگنے لگو گی ناں! تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا" اُس نے وہی بھلے پلیٹ میں نکالتے ہلکے پھلکے انداز میں وارننگ دی تو حمیرا ہنسنے لگی۔

✦✦✦

زندگی دھوپ چھاؤں کے رنگوں کو اپنے آنچل میں سمیٹے آگے بڑھ رہی تھی۔ شانیہ کو آفس کا ماحول بہت پرسکون اور اسٹاف بہت دوستانہ اور سلجھا ہوا لگا۔ منیجر صاحب نہایت پرشفیق انسان تھے جاب کے آغاز میں انہوں نے کام سمجھانے میں بہت مدد کی تھی۔ جلد ہی وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو گئی تھی ابھی بھی وہ سامنے رکھے لیپ ٹاپ پر مہارت تامہ اہم Deligations اور میٹنگ کے حوالے سے شیڈول تیار کر رہی تھی کہ اُسے سامنے گلاس ڈور سے عالیہ اپنی ہائی ہیل پر ٹک ٹک کرتے وہی غرور و تمکنت کے ساتھ آتی دکھائی دی۔ عالیہ کو اپنے آفس میں دیکھ کر جہاں شانیہ کو حیرانگی ہوئی وہاں دوسری طرف Reception سے نوروز کی موجودگی کا معلوم کرتے عالیہ کو بھی اچھنبا ہوا۔

"یہ یہاں نوروز کے آفس میں کیا کر رہی ہے؟ نوروز نے اُسے اپائنٹ کیا اور مجھے خبر تک نہیں" دوسری طرف شانیہ اپنی حیرانی پر قابو پاتے اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی۔ Reception سے یہ معلوم ہونے پر کہ وہ یہاں P.A کے عہدے پر فائز ہے۔ عالیہ کو پتنگے لگ گئے تھے۔ شانیہ کو نظر انداز کرتے وہ دوسرے پورشن میں واقع نوروز کے آفس میں تن فن کرتے گھس گئی۔ جہاں نوروز کسی اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔ اُس نے بلاوجہ عداوت پر ناپسندیدگی سے دیکھا مصلحتاً اپنے منیجر صاحب کو وہاں سے جانے کیلئے کہا۔ منیجر صاحب بھی کچھ سمجھتے ہوئے اسے الٹرا ماڈرن دوشیزہ کے منہ سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ بہرحال وہ ان کے سیکنڈ باس کی بیٹی تھی اور اس کی ناراضگی وہ افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔

نوروز نے اپنے اندرونی خلفشار پر قابو پاتے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"ہیلو! کیسی ہو؟ آج ہمارے غریب خانے کا راستہ کیسے بھول گئی؟"

"ظاہر ہے جب تم نئی مصروفیت پال لو گے اپنے اردگرد نئے لوگوں کو جگہ دینے لگو گے تو مجھے تمہاری خبر خیری کیلئے خود ہی تمہارے پاس آنا پڑے گا۔ عالیہ نے خفگی سے طنز کرتے جواب دیا تو نوروز نے سمجھتے ہوئے بھی انجان بننے کی اداکاری کی۔

"تم کس کی بات کر رہی ہو؟ ارے سوئیٹی! تمہارے لئے تو وقت ہی وقت ہے" نوروز اور زیادہ انجان نہیں بنتا تو اچھی طرح سمجھ رہے ہو میں کس کی بات کر رہی ہوں؟" اس بار عالیہ نے براہ راست شانیہ کے حوالے سے بات کی۔

"اوہ! تم وہ لڑکی..... کیا نام ہے اس کا ہاں شانیہ کی بات کر رہی ہو۔ وہ ہماری نئی اسسٹنٹ ہے۔ وہ ضرورت مند تھی حمیرا کے ریفرنس پر میں نے اسے ہائر کر لیا۔ اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے؟" نوروز نے بھی اُسے دوٹوک جواب دینا ضروری سمجھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو وہ مجھے ناپسند ہے پچھلوں سے تو دو سال یونیورسٹی میں اس کو حمیرا کی وجہ سے برداشت کیا اب تم نے اُسے یہاں آفس میں لا کر بٹھا دیا۔ اب تو محترمہ خود کو کوئی توپ چیز سمجھنے لگیں گی۔" عالیہ نے ملازم کے Serve کئے کافی کا سپ لیتے نخوت سے کہا۔

"خیر خاص تو وہ ہے۔" نوروز نے بات اپنے دل میں کہی۔

"Oh Come on! تم کیوں اُسے اتنا اپنے سر پر سوار کر رہی ہو؟ تم اتنے بڑے بزنس ایمپائر کی بیٹی اور وہ کہاں ایک معمولی ورکر؟ تمہارا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔" نوروز نے اُسے Cool کرنا چاہا جس میں وہ کامیاب بھی اس کی بات پر عالیہ نے ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کر کے دیکھا۔

"مگر پھر بھی وہ تمہارے اتنے قریب تو ہے اور میں تمہارے ساتھ کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تم جانتے ہو میں تمہارے معاملے میں کتنی پوزیسو ہوں؟" عالیہ نے نوروز پر اپنا حق جتاتے کہا جس پر نوروز اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگا۔

"Cool Down, oh Baby" وہ انکل کے آفس میں منیجر صاحب کے انڈر میں کام کرتی ہے۔ انہوں نے ہی اس کا انٹرویو لیا تھا میرا تو اس سے اب تک سامنا بھی نہیں ہوا، نہ ہی وہ یہاں میری موجودگی سے باخبر ہے۔" نوروز نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"Are you sure!" عالیہ نے مشکوک نگاہ سے دیکھتے تصدیق چاہی۔

"Yes! میرا Taste اتنا برا نہیں ہے۔ اب اس جیسی معمولی لڑکی کو اپنا P.A رکھوں"۔ اس کی یہ بات تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی عالیہ کا موڈ بحال ہو گیا تھا اب وہ نوروز کے ساتھ خوب ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی جبکہ باہر دروازے کا ہینڈل گھماتے اور پھر نوروز کی آدھی ادھوری بات سن کر اس کا ہاتھ وہی رُک گیا تھا۔ شانیہ جو یہاں عالیہ کی موجودگی اور پھر اپنے دوسرے ان دیکھے باس سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہی جاننے کے تجسس میں اندر آ رہی تھی کیونکہ اب تک وہ منیجر سہیل کے انڈر کام کر رہی تھی اور خادر صاحب (باس) کے علاوہ کبھی اس فرم کے دوسرے باس کے پاس آنے کی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ضرورت ہی نہیں پڑی تھی نہ یہ اسے کوئی کہتا تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والے لڑکی تھی اور اب وہ اپنے اس فعل پر پچھتا رہی تھی کاش وہ اتنی تذلیل اور ذلت بھری باتیں سننے کے بجائے اس سے بے خبر ہی رہتی۔ اُسے نوروز ناپسند تھا مگر وہ بھی عالیہ کی طرح تنگ نظر، مغرور اور اپنے دولت کے نشے میں چور امیر زادہ ہوگا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اب اُسے حمیرا پر بھی غصہ آرہا تھا اس کے دل میں حمیرا کی دوستی پر بدگمانی کی گرہ لگ گئی تھی۔ حمیرا نے ہی نوروز سے اس کی جاب کیلئے سفارش کی ہوگی کیا سوچتا ہوگا وہ میرے بارے میں کہ اس کے سامنے اتنی لاتعلق نظر آنے کی اداکاری کرتی ہوں۔ کس آسانی سے ان لوگوں کے ہاتھ بیوقوف بنتی رہی میری خود داری، میری انا میرا غرور سب آج خاک میں مل گئے۔ بڑی مشکل سے اپنی سیٹ تک وہ واپس آئی تھی اپنے بہتے اشک کو بے دردی سے ٹشو پیپر سے رگڑتے اپنا بیگ سنبھالتے اپنے کرچی کرچی ہوتے وجود کو بامشکل گھسیٹتے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے بہن بھائی کا چہرہ گھوم گیا جو بے صبری سے اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے اس کی تنخواہ کا انتظار کرتے تھے اپنے بوڑھے والدین کی آنکھوں میں امیدوں اور امنگوں کے جگنو ماند نظر آنے لگے۔ وہ وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پھر نا چاہتے ہوئے بھی اس نے خود کو حمیرا کے سامنے جواب طلبی کے لئے جانے کو تیار کیا۔ صد شکر اس وقت آنٹی کسی پارٹی میں گئی ہوئی تھی۔ وہ ملازمہ سے حمیرا کی بات پوچھ کر سیدھے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ حمیرا جو اُسے ہی کال کر رہی تھی اور مسلسل اس کا فون بند جانے پر اس کی طرف سے فکرمند تھی۔ اس کی ابتر حالت پر نظر پڑتے وہ اس کی طرف بھاگی اُسے بڑی مشکل سے صوفے پر بٹھایا اور زبردستی پانی کا گلاس اس کے خشک پڑتے لبوں سے لگایا جسے وہ ایک سانس میں پی گئی جیسے کئی دنوں سے صحرا کی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو۔

"بولو شانیہ! کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک ہے؟" حمیرا نے پریشانی سے استفسار کیا اس نے بمشکل سر ہلایا۔

"پھر تمہاری یہ حالت!" اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"حمیرا تم نے ایسا کیوں کیا؟ مجھے بھیک میں جاب دلوائی، تم اچھی طرح جانتی ہو میرے پاس میری خودداری میری انا اور میری ذات کا بھرم ہی قیمتی اثاثہ ہے جسے تم نے گروی رکھ کر مجھے اپنے آفس میں جاب دلوائی۔ تمہیں معلوم ہے تمہارے اس عمل سے میری نسوانیت کا پندار پاش پاش ہوگیا میں اپنے آپ سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہی۔" شانیہ نے اپنی سانس ہموار کرتے بمشکل یہ جملے ادا کئے وہ واقعی اندر تک ٹوٹ چکی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں ایسا کیوں کروں گی؟ اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو اپنے پاپا سے سفارش کروا کر اپنے آفس میں ہی سیٹ کرسکتی تھی مگر مجھے تمہاری خودداری طبیعت کا معلوم ہے تم اچھی طرح جانتی ہو شانیہ! میں تمہارے ساتھ مخلص ہوں تم مجھے اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہو تم میرے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہو؟ ضرور تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" حمیرا نے اپنی صفائی دیتے اسے سمجھانا چاہا۔

"کیوں، کیا تم نے نوروز سے میری جاب کے حوالے سے سفارش نہیں کی؟" اب حمیرا کو

ساری بات سمجھ آگئی تھی۔

"شانیہ! تم جذباتی ہو رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو پلیز میری ساری بات ٹھنڈے دل و دماغ سے سنو پھر جو تمہارا فیصلہ ہو وہ کرنا لیکن اس سے پہلے تم مجھے بتاؤ، تمہارے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے؟ کیا نوروز نے تمہیں کچھ کہا ہے؟" اس کی فکرمندی پر شانیہ نے اس کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر سچائی دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی اور ساری بات من وعن اُسے بتاتے چلی گئی۔

"اوہ تو یہ بات ہے" اس کی ساری بات سن کر حمیرا کو اس کی ذہنی اذیت و تکلیف کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"شانیہ! پہلی بات تو تم اپنے دماغ سے نکال دو کہ میں نے تمہاری سفارش کی تھی۔ نوروز نے اپنی فرم میں اس ویکنسی کا خود ذکر کیا تھا اُسے تمہارے جیسی ذہین، قابل اور مخلص Employ کی ضرورت تھی تو میں نے تمہارا نام Refer کر دیا تم نے وہاں باقاعدہ انٹرویو دیا جو کہ نوروز نے نہیں بلکہ اس کے پینل نے Conduct کیا جنہیں میرے حوالے سے تمہارا نوروز کی جان پہچان کا پتہ بھی نہیں۔ دوسری بات تم اپنی ذہانت و محنت کے بل بوتے پر اس مقام تک پہنچی ہو۔ نوروز یا کوئی بھی صرف خدا ترسی میں اتنی بڑی ذمہ دار پوسٹ پر جاب نہیں دے سکتا۔ جس سے اس کی بزنس ساکھ کو نقصان پہنچے تم جانتی وہ تم سے پہلے جو لڑکی اس پوسٹ پر تھی اُسے انکل نے اس کی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی کی وجہ سے فارغ کیا۔ وہ تمہاری خود اعتمادی اور ذمہ داری سے فرائض نبھانے پر مطمئن ہیں۔" شانیہ نے اس کی ساری بات سن کر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا یقین کرو، یہ جاب تم نے تھرو پراپر چینل حاصل کی ہے۔" اس کے سمجھانے پر شانیہ کا اعتماد کچھ بحال ہوا۔

"اگر تمہاری بات اگر میں مان بھی لوں تو آج انہوں نے عالیہ کے سامنے میری اتنی تذلیل کی وجہ کیا ہے؟"

"ابھی نوروز کی کال آئی تھی اُس نے بتایا تھا کہ تم بہت پریشانی کی حالت میں آفس سے نکلی ہو اور یقیناً میرے پاس ہی آؤ گی اس لئے بات اس نے نہیں بتائی تھی۔"

"تو نوروز اپنے آفس سے میرے پلٹنے اور ساری بات سن لینے جانے سے بے خبر نہیں تھا۔ تو کیا اُس نے جان بوجھ کر عالیہ کے سامنے میرے متعلق ایسی باتیں کیں وہ مجھے ہرٹ کرنا چاہتا تھا۔" وہ ایک بار پھر بدگمانی کے دہانے پر کھڑی تھی۔

"نہیں شانیہ! نوروز اور ہمارا بچپن کا ساتھ ہے۔ وہ عام لڑکوں سے بالکل مختلف ہے اس کے نزدیک دولت و امارت سے بڑھ کر انسانوں کی Self Respect کی قدر ہے ارے وہ تو اپنے گھر کے ملازمین سے بھی بہت عزت سے بات کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے عالیہ کے سامنے اُس نے جو کچھ کہا اس میں کوئی مصلحت ہو تم عالیہ کی فطرت اور مزاج کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پورے اسٹاف کے سامنے تمہاری بے عزتی کرے کیونکہ اس کے ڈیڈ اور نوروز کے پاپا بزنس پارٹنر ہیں۔ صرف ان کے لحاظ میں مجبوراً اس کے سامنے نہ چاہتے ہوئے بھی تمہارے بارے میں اس طرح بات کرنی پڑی ہوگی اس کے لئے وہ تم سے شرمندہ ہے۔ اور تم سے معافی مانگنا چاہتا ہے" حمیرا نے اب نوروز کی وکالت کرتے اس کی حمایت کی۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"مجھے ان کی معافی کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی میرا ارادہ اب ان کے آفس میں کام کرنے کا ہے میں کہیں اور اپلائی کروں گی۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی سبب بن جائیگا۔ شنایہ نے اٹل انداز میں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

"جاب تو آپ کو یقیناً مل جائیگی مس شنایہ! مگر باہر کھلے آپ جیسی سادہ اور مخلص لڑکی کے لئے یہ دنیا ایک بھول بھلیاں ہے یہاں قدم قدم پر عالیہ جیسے بدلحاظ اور بدمزاج لوگوں سے آپ کا واسطہ پڑے گا۔ آپ کی ذہانت و قابلیت سے حاسد ہو کر سازشی لوگ آپ کے خلاف راستے میں روڑے اٹکائیں گے آخر کب تک آپ خود کو اتنی تحقیر اور تنگ نظری سے بچا سکیں گی؟ یہاں گدھ نما درندے ہیں جو خوبصورت لڑکی جو معمولی فیملی بیک گراؤنڈ سے بھی تعلق رکھتی ہو اُسے نہیں چھوڑتے۔ کم از کم میرے آفس کا اسٹاف اور ماحول تو دوستانہ اور مہذب ہے یہ تو مانیں گی آپ! آپ کو مجھ سے شکایت ہے ناں؟ مگر باقی اسٹاف تو آپ کی عزت کرتا ہے۔ یوں اچانک جاب چھوڑنے کا آپ سب کو کیا جواز پیش کریں گی۔ میری درخواست ہے میری وجہ سے آپ جذباتی پن میں کوئی انتہائی قدم مت اٹھائیے گا اگر آپ انکل کے آفس میں کام کرتی ہیں اگر آپ چاہیں گی تو عالیہ کی وجہ سے میں اس کے ڈیڈ کے آفس سے ہٹ کر آپ کو اپنے آفس میں شفٹ کر دونگا۔ پلیز آپ گھر جا کر اچھی طرح میری باتوں پر غور کریں۔ آپ کل جاب پر واپس آ گئی تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ یقین جانئے میں اپنے الفاظ پر دل سے شرمندہ ہوں لیکن خدا میرا گواہ ہے اس کا مقصد صرف اور صرف عالیہ جیسی مغرور لڑکی کے ہاتھوں آپ کی ناموس و وقار کو پامال ہونے سے بچانا مقصود تھا"۔ نوروز نے ٹھہرے ہوئے انداز میں اپنا مدعا بیان کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ شنایہ یقین سے دور تک اس کی تعاقب کیا وہ نہ جانے کب آیا تھا۔ اس نے اس کی باتیں سن لی تھیں۔ اس کا سنجیدہ اور مہذب روپ اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ اس نے ہمیشہ نوروز کو غیر سنجیدہ ہی دیکھا تھا۔ اب اس کی نظروں میں نوروز کے لئے پسندیدگی نہیں تھی مگر نفرت بھی نہیں تھی اُسے نوروز کی بات حقیقت کے آئینے میں بالکل درست محسوس ہوئی حیرانی خاموشی سے اُسے اپنے لئے خود درست فیصلہ کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔

✦✦✦

گھر آ کر بھی کافی ڈسٹرب رہی۔ اس کے دل و دماغ میں کشمکش جنگ جاری تھی والدین اور چھوٹے بہن بھائی کے بہتر مستقبل کا سوچ کر دل اس کا ہمنوا بن جاتا کہ اُسے اتنی بہتر ملازمت صرف ایک خود پسند لڑکی کی وجہ سے نہیں چھوڑنی چاہیے جبکہ نوروز نے ان سے معافی بھی مانگ لی ہے۔ اس کے الفاظ ضرور تلخ تھے مگر اس کی نیت صاف تھی اُس نے معصومیت اس کی عزت و وقار کے تحفظ کے لئے عالیہ کے سامنے اس کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ مگر دوسری طرف عالیہ کا تحقیر آمیز لہجہ اور طنزیہ کاٹھ دار گفتگو کا سوچ کر اُس کے دماغ میں طوفان سا برپا ہو جاتا۔ اسی کشمکش میں اذان فجر کی آواز سنائی دی۔ صبح صادق کا وقت کچھ دیر بعد اندھیرے کو شکست دے کر اجالے نے ہر طرف روشنی کی دستک دی تھی۔ اُس نے وضو کر کے نماز کے بعد اپنے رب سے بہتر فیصلہ کی دعا مانگی اور بہرحال پھر وہ ایک فیصلہ کر کے

مطمئن ہو گئی۔ دوسری طرف نوروز بھی ساری رات بے چین رہا تھا اُس کے تشریحی رویے الفاظ سے اس انا پرست لڑکی کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مگر اس کی بہتری کے لئے اس کے علاوہ فی الوقت کوئی چارہ نہیں تھا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو عالیہ نہ صرف اُسے تمام اسٹاف کے سامنے بے عزت کرتی بلکہ اپنے پاپا سے کہہ کر اسے نوکری سے بھی نکالنے پر مجبور کرتی اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ ساری رات ٹیرس پر جاگ کر اسموکنگ سے اس کی اندر کی خلفشار کا اندازہ ہو رہا تھا۔

✦✦✦

دوسرے دن وہ قبل از وقت آفس پہنچ گیا اور کچھ دیر بعد اس نے سہیل صاحب کو طلب کیا۔

"جی سر! مس شنایہ آڈٹ کی فائنل رپورٹ تیار کر کے دیتی ہیں تو میں آپ کو Email کرتا ہوں" ان کی بات پر نوروز نے بے یقین سے ان کی طرف دیکھا۔

"کیا مس شنایہ آج آفس آئی ہیں؟" نوروز نے تصدیق چاہی۔

"جی سر وہ آ چکی ہیں لیکن ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی شاید اسی وجہ سے وہ کل بھی جلدی چل گئی تھیں" سہیل صاحب نے قیاس آرائی کی۔

"اوکے! آپ جا کر باقی کام دیکھیں اور مس شنایہ کو فراغت کے بعد میرے پاس بھیجیں جب تک انکل انٹرنیشنل ٹور سے واپس نہیں آجاتے ان کے حصے کا کام سارا کام میں دیکھوں گا۔"

"آل رائٹ سر" یہ کہہ کر منیجر صاحب باہر جا چکے تھے۔ شنایہ کی آمد کا سن کر نوروز کا ملال کم ہوا تھا ورنہ کل سے اس کی نگاہوں میں شنایہ کا ٹوٹا بکھرا آنسوؤں سے تر چہرہ بے چین کئے ہوئے تھا۔

"مے آئی کم اِن سر!" کچھ دیر بعد میں اُسے شنایہ کی آواز سنائی دی۔ نوروز اپنے خیالوں سے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ گلابی آنچل میں متانت و سنجیدگی کے ساتھ وہ جیسے ہر شے پر یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی بے نیاز لگ رہی تھی۔

"جی بیٹھیں مس شنایہ!" نوروز نے بھی اس سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کچھ دیر دونوں کے درمیان بے معنی خاموشی چھائی رہی پھر شنایہ نے ہی خاموشی کو زبان دی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں یاد کیا؟ جب کہ اب تک تو کمال سر کے ساتھ میں اپنے تمام امور انجام دے رہی تھی۔" اس بار شنایہ کی آواز میں طنز بھی شامل تھا۔

"مجھے پتہ ہے مس شنایہ! آپ مجھ سے خفا ہے تصور کریں خود کو آپ کے سامنے پوشیدہ رکھنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ میں آپ کو میرا مطلب ہے آپ جیسی ذہین و قابل لڑکی کسی قیمت صرف میری وجہ سے اس ملازمت سے دستبردار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ورنہ میرے دل میں تا عمر ایک نامعلوم بوجھ رہتا۔"

"کیا مطلب؟" اب چونکنے کی باری شنایہ کی تھی۔

"مجھے معلوم ہے عالیہ کی وجہ سے آپ مجھے بھی اس جیسا مغرور، خودسر اور خود پرست انسان سمجھتی ہیں اور پھر ہمارا سامنا بھی ہمیشہ ناسازگار ماحول میں ہوا میں آپ کی آنکھوں میں اپنے لئے ناپسندیدگی کے جذبات دیکھ چکا ہوں" نوروز نے شنایہ کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔ اس کی بات پر شنایہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ "یہ شخص تو

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میری سوچ سے بھی زیادہ چہرہ شناس ہے۔

"یہی وجہ تھی کہ میں نے حمیرا سے درخواست کی تھی کہ وہ میرا ذکر کئے بغیر آپ کو اس ملاقات کے لئے اپلائی کرنے پر راضی کرے باقی یہ جاب آپ نے اپنی قابلیت سے حاصل کی ہے۔ نہ ہی میں نے آپ پر کسی قسم کا کوئی ترس کھایا ہے اور نہ ہی حمیرا نے مجھ سے آپ کی ملازمت کے لئے سفارش کی تھی۔ کیونکہ نہ تو میں آپ کو ذاتی طور پر جانتا ہوں محض چند اتفاقیہ ملاقات کے علاوہ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں جس کی بنیاد پر میں اپنے آفس کی اتنی ذمہ دار پوسٹ کے لئے کوئی ناتجربہ کار اور نااہل شخص کو ملازمت کے لئے ہائر کروں جس سے میری بزنس ساکھ کو کوئی خسارہ ہو اور For you kind Information آپ کا انتخاب کا ذاتی فیصلہ عالیہ کے والد یعنی میرے انکل کا تھا۔" شنایہ خاموشی سے اس کی بات حرف بہ حرف سن رہی تھی۔ یہی باتیں تو حمیرا نے بھی کی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ کمال صاحب جیسے Kind Heard نرم مزاج اور انسان دوست شخصیت عالیہ کے والد ہیں دونوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" شنایہ نے اپنی حیرانی کو زبان دی۔

"آپ نے بالکل درست تجزیہ لگایا دراصل عالیہ میری خالہ کی شادی کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئی۔ اسی لئے ان کی بہت زیادہ لاڈلی ہے بے جا لاڈ پیار اور ہر جائز و ناجائز خواہش کی تکمیل وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں انہی باتوں نے عالیہ کو ضدی اور خودسر بنا دیا ہے۔ Anyway میں کل کی باتوں کے لئے ایک بار پھر آپ سے معذرت خواہ ہوں میں چاہتا تو عالیہ کو اس کی بدتمیزی پر جواب دے سکتا تھا مگر صرف صرف انکل اور خالہ کی عزت و محبت کے لحاظ میں برداشت کرنا میری مجبوری ہے اور میں آفس کا تماشا نہیں لگانا چاہتا تھا۔ جس سے آپ کی ذات پر کوئی حرف آئے میرے لئے میرے دل میں عزت قابل احترام ہے۔ hope so!

اب آپ کے دل سے میرے لئے پہنچنے والا تمام خود ساختہ بدگمانی دور ہو گئی ہوگی۔" اس نے تھوڑا مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

"Its Ok! لیکن میری بھی آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ اس موضوع پر آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ ہی عالیہ کے سامنے میری ذات کو ڈسکس کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے پروقار اور پراعتماد انداز میں وہاں سے چل دیئے نورروز مسکرا کر گلاس ونڈو کے پار سے اس متاثر کن سراپے کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ پھر سر جھٹک کر ہلکے پھلکے انداز کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ نورروز کو پہلی ہی تعارفی ملاقات میں خود بھی حیرانگی تھی آج تک اس نے خود کو کسی کے سامنے Justify نہیں کیا تھا نہ ہی اس طرز اپنے کسی فیصلے کی وجہ سے جواب دہ ہوا تھا مگر یہاں معاملہ دل ناداں کا تھا۔ جس نے اُسے محبوب کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ان سب کے باوجود اُسے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

✦✦✦

اس واقعہ کے بعد سے شنایہ کا نورروز سے بہت کم ہی سامنا ہوا تھا اب بھی سر کمال کے آفس میں منیجر صاحب کی رہنمائی میں کام کر رہی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ اب نورروز کا ہے پکا ہے کمال

صاحب کی غیر موجودگی میں ان کے آفس میں بھی بیٹھنے لگا تھا اور glass window کے پار دو گہری محبت سے مخمور آنکھیں اُسے مسلسل تکتی رہتی ہیں۔

جاپان سے آج کل کوئی Deligation آیا ہوا تھا جس کے ساتھ ساتھ شاہ بلڈرز کی اہم میٹنگ تھی۔ یہ پروجیکٹ ان کے لیے بہت اہم تھا جاپان سے حاصل کرنے کے لئے ملک کے تقریباً سب ہی نامی بزنس مین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ نورروز بھی اسی سلسلے میں آج کل پلاننگ میں مصروف تھا۔ پہلے ہفتے سر کمال کی واپسی کے بعد وہ مستقل اپنے پورشن میں ہی کام کرتا تھا۔ اور ابھی شنایہ کے تاثرات پر ان کے پاس اس سلسلے میں کچھ ڈسکس کرنے ان کے آفس میں موجود تھا جبکہ اس کے برابر والی نشست میں شنایہ کمال صاحب کی ہدایت پر کچھ اہم پوائنٹ نوٹ کر رہی تھی۔

"آؤ نورروز! مجھے تمہاری اشد ضرورت تھی یہ ٹینڈر کسی صورت ہمارے حریف کے پاس نہیں جانا چاہئے مگر مسئلہ یہ ہے کہ جاپان کی کمپنی سے معاہدہ کی بنیاد پر ہم جو شاپنگ پلازہ ان کے زیر ہدایت بنا رہے ہیں اس کا ماڈل صرف اور صرف مس شنایہ ہی ڈیزائن کر سکتی ہیں لیکن سہیل صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کے والد کا گاؤں میں انتقال ہو گیا ہے کل دو دن کی چھٹی پر ہیں اور ہمارے پاس اتنا ٹائم وقت نہیں۔ مخالف پارٹی کو ہماری ساکھ مارکیٹ میں خراب کرنے کا موقع مل جائے گا اور اتنے کم نوٹس پر کوئی دوسری ڈیزائنر ہائر کرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے اپنی فکرمندی اس پر ظاہر کی جسے سن کر نورروز بھی کچھ فکرمند ہو گیا۔

"انکل آپ پریشان نہ ہوں، میں خود کوشش کرتا ہوں اُسے ڈیزائن کرنے کی....."

"یار تمہارے پاس آل ریڈی اتنا کام کا بوجھ ہے جاب اس کے لئے کیسے وقت نکالو گے؟" انہوں نے نورروز کی بات قطع کرتے ہوئے جواب دیا۔ شنایہ ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی اس نے انکل کو پریشان دیکھ کر اپنی خدمت پیش کرنے کی ہامی بھر لی۔

"سر! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس ماڈل کو ڈیزائن کرنے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں؟" اس کی بات پر دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ مگر..... ابھی آپ ناتجربہ کار ہیں۔ نہ ہی ابھی آپ کے ہاتھ میں آرکیٹکچر کی ڈگری ہے تو میں یہ سب کیسے؟" کمال سر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"سر آپ نے ہی مجھے یہاں میرے سابقہ تعلیمی ریکارڈ کو دیکھتے P.A کی پوسٹ کے لئے ہائر کیا تھا اور آپ کے ہی یہ الفاظ تھے کہ میرا تعلیمی ریکارڈ بہت شاندار اور مجھ میں خداداد صلاحیتیں ہیں جب موقع ملے گا تو آپ ہماری کمپنی کیلئے ایک بہتر اضافہ ثابت ہوں گی میرا خیال ہے سر اس سے بہتر موقع شاید دوبارہ نہ ملے۔" شنایہ نے ازلی خود اعتمادی اور عزم کے ساتھ ان کی ہی بات یاد دلا کر انہیں لاجواب کر دیا۔ مگر اب وہ مخمصے میں تھے۔

"انکل میرا خیال ہے ہمیں مس شنایہ کو موقع ضرور دینا چاہیے مجھے امید ہے یہ ہمیں مایوس نہیں کریں گی۔ آپ کی تسلی کے لئے میں ان کی معاونت کرنے کو تیار ہوں۔" نورروز کی حمایت پر شنایہ نے اسے دیکھا۔

"Best of luck! اوکے گائیز!" انہوں نے نورروز کی یقین دہانی پر رسک لینے کا

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

فیصلہ کرلیا۔

✦✦✦

شایہ کو اپنے آپ کو منوانے کا یہ سنہری موقع تھا ابھی بھی وہ لیپ ٹاپ میں بزی تھی۔ بلاشبہ نوروز نے اس سلسلے میں اس کی کافی مدد کی تھی۔ جس کے لئے وہ دل سے اس کی ممنون تھی۔ اس کی والدہ اس کے لئے دودھ کا گلاس لیکر آئیں تو اسے مصروف پایا۔

"لو بیٹا یہ دودھ پی لو دیکھو تو تم نے خود کو بالکل مشین ہی بنالیا ہے۔ بیٹا! اب تو اللہ کا شکر ہے تمہاری ملازمت سے گھر میں کافی خوشحالی آگئی ہے۔ تمہاری خواہش کے مطابق دونوں بہن بھائی کا اچھے کالج میں داخل ہوگئے ہیں اب کیوں تم اپنے آپ کو اتنا ہلکان کررہی ہو؟ دیکھو کیسا ہلدی کی طرح تمہارا رنگ ہوگیا ہے۔ بال کیسے خشک ہورہے ہیں" اماں نے پیار سے اُسے ڈپٹا۔ شایہ کو ان کی ممتا پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"ارے میری بھولی اماں آپ کا وہم ہے جب آپ جیسے محبت کرنے والے والدین کی دعائیں میرے زیر سایہ ہیں تو بھلا مجھے کیا ہوسکتا ہے اماں آپ دعا کریں یہ پروجیکٹ کامیاب ہوجائے تو نہ صرف میں اپنے باس کے سامنے سرخرو ہوجاؤں گی بلکہ پیپی کو ترقی کے ساتھ ساتھ میری پروموشن بھی متوقع ہے۔ پھر دیکھئے گا میں بابا کا بائی پاس کرواؤں گی اور وہ پہلے کی طرح تندرست و توانا ہوجائیں گے" شایہ نے دودھ کا گلاس لیتے تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس کی آنکھوں میں جلتے روشنی مستقبل کے دیئے دیکھ کر اس کی ماں کو اپنی بیٹی پر فخر محسوس ہوا۔ اس کی عمر کی لڑکیاں تو شادی اور اپنا گھر بسانے کا خواب دیکھتی ہیں مگر اس کے لئے زندگی کا محور اس کی فیملی تھی ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں

اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"اللہ میری بچی کو بہت ساری کامیابی دیں اس کے سارے خواب سچے ہوں آ... مگر یہ دودھ ضرور پی لینا اور بس اب سو جا... آفس میں جانا ہے۔"

"ok! اماں آپ فکر نہ کریں بس آ... گھنٹے کا کام رہتا ہے" یہ کہہ کر وہ ان کے بعد دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

✦✦✦

جاپان کی Deligation ان کی امید زیادہ ان کے کام سے خوش و مطمئن تھی تیار کردہ سروے، شاپنگ پلازہ سے انوکھے اور جدید آئیڈیاز کو سب نے سراہا پانچ سال کیلئے ان کی فرم کے ساتھ کنٹر... جدید مغربی طرز کے اپارٹمنٹ کی تعمیر کا ٹینڈ... ان کی فرم کو ملا تھا جو ان کے لئے بہت کامیابی تھی۔ عالیہ کے والد اور نوروز کے پا... سارا کریڈٹ شایہ کو دیا تھا اس کی تنخواہ میں... انکریمنٹ کے ساتھ ساتھ اسے پروجیکٹ منیجر کی پوسٹ پر ترقی دی گئی تھی۔ ساتھ ہی آفس سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت اور... مراعات بھی دی گئی تھیں۔ ان تمام معا... میں نوروز نے خود کو غیر جانبدار ہی ظاہر کیا تھا دل میں اس کی کامیابی پر بہت خوش اور فخر محسوس ہوا۔ عالیہ کے انتخاب پر اسے... کی بابت یہ خبر اس تک بھی پہنچ گئی تھی۔

"شایہ! ماشاء اللہ ہماری Emplys ایک بہترین اثاثہ ہے میرا انتخاب غلط نہیں آج اُس کی کاوش کی وجہ سے ہماری فرم کو... پروجیکٹ ملا ہے very proud of her! بہت ہی سلجھی ہوئی بچی ہے اور ہاں

My child! تم بھی اس کی طرح بننے کی کوشش کرو اپنی ڈگری کو عملی زندگی میں بروئے کار لاؤ آخر یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے تم نے ہی اسے سنبھالنا ہے۔" آخر میں انہوں نے عالیہ کو مخاطب کرتے نصیحت کی جو پہلے ہی اس کی تعریف پر خائف تھی اور اب اس طرح اپنے پاپا کی نصیحت پر اس کا منہ سوا نیزے پر تھا مگر اُس نے بظاہر مسکراتے ہوئے اتنا ہی کہا۔

"پاپا! آپ مجھے اس لوئر مڈل کلاس لڑکی سے کمپیئر کررہے ہیں اتنی محنت و جدوجہد کر اس کی مجبوری ہے کہ وہ اسی حد تک سوچ سکتی ہے وہ اپنی زندگی کے حالات کو کچھ بہتر بنا سکتی ہے مگر مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے لیمن جوس پیتے نخوت سے جواب دیا۔

"مگر My Child" کمال صاحب نے ناصحانہ انداز میں کچھ سمجھانا چاہا لیکن مسز کمال کی بروقت مداخلت پر خاموش ہوگئے۔

"اوہو! آپ بھی صبح صبح کیا باتیں لیکر بیٹھ گئے صحیح تو کہہ رہی ہے یہ سب کچھ اسی کا تو ہے کیا ضرورت ہے اسے صبح سویرے اٹھ کر اپنی نیند خراب کرنے کی اور اپنا دماغ کھپانے کی؟ وہ لڑکی تو Emply ہے اگر اس نے ہماری فرم کو کامیابی دی ہے تو اس کے بدلے اسے بیڈسم معاوضہ و دیگر مراعات بھی تو مل رہا ہے" انہوں نے تنفر سے عالیہ کی حمایت کی بات سے اس کے تپتے دل کو ٹھنڈک پہنچی اس کے بعد کمال صاحب نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ بہرحال وہ اپنی چہیتی اکلوتی منظور نظر کو ناراض نہیں کرسکتے تھے۔

✦✦✦

اس کی فیملی بہت خوش تھی۔ اس کا فائنل کا رزلٹ بھی آچکا تھا حسب معمول اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں سیکنڈ پوزیشن لی تھی اپنے ہاتھ میں آرکیٹیکچر کی ڈگری دیکھ کر اس کی آنکھیں فرط انبساط سے نم ہوگئی۔ اس نے آسمان کی طرف تشکر سے دیکھتے ہوئے اب رب کا شکر ادا کیا۔ اپنی کامیابی کو سلیبریٹ کرنے وہ اپنے بہن بھائی کی خواہش پر شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں آئی تھی جہاں کا ماحول اور Menu دیکھ کر اس کی بہن بہت ایکسائیٹڈ ہورہی تھی۔

"ارے واہ آپی! یہاں تو فل AC ہے اور میں تو چھری کانٹے سے چائنیز کھانا کھاتی ہے ڈراموں میں خرامانی کھاتی ہے۔"

"اُف ایک تم اور تمہاری وہ خرامانی..... ڈراموں کی دنیا سے نکل کر آپی کی طرح پڑھائی میں دل لگاؤ تاکہ تم بھی ان کی طرح اس مقام تک پہنچو۔" اس کے بھائی نے حسب معمول اسے لتاڑا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"اور ہاں ذرا تمیز سے بیٹھو سب لوگ تمہاری طرف متوجہ ہے جیسے پہلی بار آئے ہو" اس کے کلاس لینے پر وہ پھر ایک بار شروع ہوگئی۔

"ہاں تو پہلی بار ہی آئے ہیں اور تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے خود بہت ایسے ہینگے ریسٹورنٹ میں آتے رہتے ہو" نازش نے اس کا مذاق بناتے کہا۔ اُس سے پہلے ان کی لڑائی طول پکڑتی شایہ نے ہی مداخلت کرکے انہیں روکا۔

"اچھا بس! تم لوگ یہاں میری کامیابی سلیبریٹ کرنے آئے ہو اور اسطرح بحث کر کے سارا مزہ خراب کررہے ہو، وہ دیکھو ویٹر بھی ہماری طرف ہی آرہا ہے۔" شایہ کے اشارہ نے پر موقع کی نزاکت کا احساس کرکے وہ دونوں خاموش ہوگئے خوشگوار ماحول میں ہنسی مذاق کے دوران کھانا تناول کیا گیا۔ اسی دوران

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

گلاس ڈور دھکیل کر اپنی دوستوں کے ساتھ اندر داخل ہوتی عالیہ کی اس پر نظر پڑی۔ تو غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"چلو یہاں سے" اس نے اپنی دوستوں سے کہا۔

"ارے ہم تو یہاں فائزہ کی Birth day سلیبریٹ کرنے آئے تھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔" اس کی ایک دوست کے انکار پر اس نے شانیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو اپنی فیملی کے ساتھ کتنا خوش نظر آ رہی ہے اسی لئے میں یہاں سے جا رہی ہوں تمہیں معلوم ہے مجھے یہ سخت ناپسند ہے You Kow میرے پاپا کے آفس میں نوکر ہوں بدولت اسے جاب کیا مل گئی خوش قسمتی سے پروموشن بھی ہو گئی تو خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی ہے"

"اوہ اتو یہ بات ہے لیکن یار تم کیوں یہاں سے جاؤ گی؟ جانا تو اسے چاہیے" فائزہ نے معنی خیزی سے کہا۔

"مطلب" عالیہ نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ مالی لوگ اس کے پاس چلتے ہیں اور اس کو اوقات یاد دلاتے ہیں اس بار دوسری دوستوں نے بھی اسے ورغلایا"۔

"او کے! چلو پھر چلتے ہیں"۔ اس نے اپنی دوستوں کی بات سمجھتے ہوئے مسکرا کر کہا اور ان کی طرف بڑھنے لگیں۔

"ہیلو شانیہ! کیسی ہو!" عالیہ نے پہل کی۔ شانیہ عالیہ اور اس کی دوستوں کی ٹولی کو دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ ان کا اس طرح آنا کوئی خیر سگالی کا پیغام نہیں۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل؟" شانیہ نے بھی مجبوراً مسکرا کر پوچھا۔

"Nothing special، know مجھے دوسروں کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے تم سناؤ ہے تمہاری پروموشن ہو گئی ہے ایک بات تمہیں لوگوں کو متاثر کرنا خوب آتا ہے" عالیہ نے اپنی دوستوں کی طرف مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

"پہلے تو روز اور پھر میرے پاپا کو اپنے شعبہ میں اتار لیا۔ میرے پاپا جن کی میں اکلوتی لاڈلی بیٹی ہوں جن کے لئے میرا کہا حرف آخر ہوتا ہے وہ اب تمہیں مجھ سے کمپیئر کرنے لگے ہیں جبکہ وہ یہ بھی جانتے کہ تم ایک لوئر مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھنے والی احساس کمتری کی ماری لڑکی ہو جسے ہماری برابری کرنے کا بہت شوق ہے مگر یاد رکھنا، چند مہنگے برانڈڈ سوٹ یا مہنگے ہوٹل میں ایک بار عیاشی کرنے سے تمہاری اوقات نہیں بدل جائے گی۔ رہو گی تو تم وہی ایک معمولی مزدور کی بیٹی جو ایک تاریک بوسیدہ گندے علاقے میں شانیہ قدیر کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔" عالیہ کے زہر میں ڈوبے الفاظ پر اب شانیہ کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اس کی بہن نازش بھی غصے سے اس الٹرا ماڈرن خود سر امیر زادی کو زہر اگلتا دیکھ رہی تھی۔ شکر ہے اس کا بھائی کسی ضروری کام کی وجہ سے جلد وہاں سے روانہ ہو گیا تھا ورنہ وہ اپنی بہن کی اتنی بے عزتی برداشت نہیں کرتا۔

"بات سنو عالیہ! پہلی بات مجھے اپنے باپ کے مزدور ہونے پر کوئی احساس کمتری نہیں بلکہ فخر ہے انہوں نے اتنی تنگ دستی کے باوجود ہماری بہترین تربیت کی ہمیں تعلیم کے زیور سے

روشناس کرایا۔ میرے اندر اعلیٰ اخلاق اور اچھے، برے میں پرکھ کا شعور ہے جس کی تمہارے پاس شدید کمی ہے" اس کے اتنے اطمینان بھرے انداز پر اتنا حقیقت پسندانہ جواب دینے پر عالیہ بوکھلا کر رہ گئی۔

"اور دوسری بات مجھے جاب میری قابلیت اور ذہانت کے بل بوتے پر ملی ہے اور ہاں جس دولت و امارت پر تمہیں اتنا غرور ہے ناں! وہ ہم بھی دو کروڑ کی اسکالرشپ محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے یہ اتنی بڑی عمارت جس کے تم جیسے لوگ ملکیت کے دعوے دار ہو اس کی سنگ بنیاد مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی ہے اگر آج ہم نہ ہوتے تو تم بھی یہاں اپنی دولت کا بلاوجہ رعب جمانے کے قابل نہیں رہتی۔ تمہارا اس اپنے باپ کی دولت کے علاوہ اور ایسی کوئی خوبی ہے کیا؟ اگر اسے نکال دو تو تمہاری شخصیت Zero ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے اتنے شاندار مارکس تمہاری محنت سے نہیں بلکہ یونیورسٹی کو تمہاری پاپا کی طرف سے دیئے گئے بھاری بھرکم Donation کی مرہون منت ہے۔"

شانیہ کے ٹھنڈے ٹھہرے انداز میں حقیقت کا آئینہ دکھانے پر وہ غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔ باقی رہی آخری بات پر تو وہ اپنی دوستوں کے سامنے حقیقتاً ندامت محسوس کرنے لگی جبکہ اس کی دوستیں خاموش تماشائی بنی اس کی معصومیت کا لطف اٹھا رہی تھی جسے بہکانے پر وہ شانیہ کو اس کی اوقات یاد دلانے آئی تھی۔ اس کی بہن نے اپنی پر اعتماد اور ذہین و فطین اپنی بہن کو خوشی سے دیکھا۔

"واہ! آپی نے اس ماڈرن نواب زادی کو مزہ چکھایا"۔ جبکہ عالیہ کو اس سے اتنی دیدہ دلیری کی امید نہیں تھی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اس کے پاپا کے آفس میں ملازمت کی وجہ سے اس سے دبی رہے گی۔

"ہونہہ I'll see you!" لاجواب ہوتے اتنا کہہ کر وہ اپنی دوستوں کے ساتھ تن فن کرتے وہاں سے جانے لگی۔ اس کے جانے کے بعد شانیہ کو اطمینان ہوا۔ وہ خود اپنی جرات مندی پر حیران تھی پھر وہ ہل پے کر کے مسکراتے ہوئے اپنی بہن سے ہم وصول کرتے وہاں سے روانہ ہو گئی۔

✦✦✦

دن اسی طرح آگے پیچھے پر لگا کر اڑتے رہے تھے اس کے بھائی کا انٹر میں اچھے مارکس سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد نامور یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا تھا اس کی بہن بھی F.A کے پارٹ ٹو میں آ گئی تھی وہ بھی شانیہ کے منع کرنے کے باوجود اب بچوں کو ہوم ٹیوشن دینے لگی تھی۔

"آپی دو گھنٹے ٹیوشن پڑھانے سے میری اسٹڈی کا کوئی حرج نہیں ہوگا مجھے یاد ہے آپ اپنی آرٹیکلشپ کی ٹف پڑھائی کے باوجود بچوں کو ہی ٹیوشن دیتی تھی میں تو پھر گھر پر ہی پڑھ رہی ہوں گی کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں؟ مجھے نکما سمجھتی ہیں" اس نے آنکھیں پٹپٹا کر کچھ اس طرح اُسے قائل کیا کہ شانیہ کو اس کو اجازت دینی ہی پڑی۔

"ہماری بلی بہت سمجھدار اور چالاک ہو گئی ہے اپنی بات منوانا خوب آ گیا ہے" اس نے نازش کی ناک دباتے کہا۔

"آخر بہن کس کی ہے؟" اُس نے بھی دوبدو جواب دیا تو اس کی بات پر وہ ہنسنے لگی وہ اللہ کی دل سے مشکور تھی کہ اس نے اپنے بہن بھائی کو بہتر مقام تک پہنچانے کا خود سے جو عزم کیا تھا وہ اس میں کامیاب ہوئی تھی اس کے والدین بھی وقت اس کے لئے ڈھیروں دعائیں

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کرتے تھے۔ جو اس کی زندگی کا قیمتی سرمایہ اور زندگی کی سختیوں میں آگے بڑھنے کے لئے زادِ راہ ہے۔ ان کی دعاؤں کی بدولت وہ اب قدرے بہتر علاقے میں تین کمروں کے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو گئے تھے۔

✦✦✦

آج صبح سے موسم ابر آلود تھا محکمہ موسمیات نے آندھی کی پیش گوئی کی تھی لیکن بجلی کا بل جمع کروانے کی یہ آخری تاریخ تھی دانیال کی پڑھائی میں مصروفیت بڑھ جانے کی وجہ سے اب یہ ذمہ داری شانیہ نے لے لی تھی۔ مگر پچھلے دنوں آفس میں حد سے زیادہ مصروفیت کی وجہ سے اس کے ذہن سے یہ بات بالکل فراموش ہو گئی۔ لہٰذا اس کے والد نے ناشتے کے بعد خود ہی جمع کروانے کا فیصلہ کیا اس کی والدہ کے منع کرنے کے باوجود وہ دو اسٹاپ کے فاصلے پر واقع بینک چلے گئے۔ آخری تاریخ کی وجہ سے کافی رش تھا مگر ان کی بزرگی کا خیال کرتے جلدی ہی ان کو فارغ کر دیا گیا تھا۔ واپسی میں کالی گھٹائیں اور پھر گرد آلود ہوائیں چلنے لگی اندھیرے کی وجہ سے ان کے لئے چلنا دشوار ہو رہا تھا سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی وہ کچھ دیر آرام کی غرض سے وہیں قریب بس اسٹینڈ پر بیٹھ گئے اسی وقت ان کے سامنے پی ایم ڈبلیو آ کر رُکی۔

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ محل شانیہ کے والد ہیں؟" نوروز نے تصدیق چاہی۔ انہوں نے نوروز کی طرف دیکھا۔

"جی بیٹا! مگر آپ شانیہ کو کیسے جانتے ہیں؟" انہوں نے سوال کیا۔

"دراصل انکل، مس شانیہ ہماری فرم میں جاب کرتی ہیں کافی محنتی اور ذہین ہیں چلیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں" اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور تفتیش کرتے نوروز نے ان کو سہارا دے کر اٹھانے کی آفر کی۔ پھر ان کے منع کرنے کے باوجود نہ صرف ان کو چھوڑنے گھر تک آیا بلکہ کچھ ہی دیر میں اپنی بے تکلفی اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے ان کو اپنا گرویدہ بنا چکا تھا۔ الوداعی کلمات ادا کرنے تک وہ دانیال اور نازش کا بڑا بھائی بن چکا تھا اور نازش کے ہاتھ کی چائے کی اس نے دل کھول کر تعریف کی تھی۔ جس پر وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ نوروز نے اجنبیت کی یہ دیوار صرف اور صرف شانیہ کی محبت میں گرائی تھی ابھی نہ جانے اور کتنے عشق کے امتحان سے گزرنا تھا وہ اپنی سوچ پر خود مسکرا دیا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ بیٹھ کر وہ گیا تھا۔

"اُف اللہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا، شانیہ آپی کے پاس اور ہمارے غریب خانے پر کتنے ملنسار اور خوش اخلاق ہیں اتنی شاندار گاڑی، قیمتی لباس اور شاندار شخصیت کے باوجود بالکل بھی غرور نہیں کتنی جلدی ہم سب میں گھل مل گئے نازش نے تعریف کی تو دانیال بھی آج پہلی بار اس کی کسی بات سے متفق ہوا۔

"بابا! جب میں دروازہ کھولنے گیا تو آپ کو پتہ ہے آس پاس کے لوگ اتنی حیرانی سے آپ کو گاڑی سے اترتے دیکھ رہے تھے اور بچے رشک بھرے انداز میں اتنی شاندار گاڑی کو تک رہے تھے۔" دانیال نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا اس کے والدین صرف مسکرا رہے تھے۔

"ہاں واقعی بہت ہی بھلا مانس بچہ ہے اس کے والدین نے بچے کو بہت ہی بہترین تربیت کی ہے۔" بابا نے بھی تائید کی۔

"اسلام علیکم بابا! اتنے زور و شور سے کس کی شان میں قصیدہ ہو رہی ہے اور دانی اور نازش

آج ایک ساتھ کیسے بیٹھے مسکرا رہے ہیں کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی، سب خیریت تو ہے۔" شانیہ نے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ان کی آخری بات سُن کر مزاحیہ انداز میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں بیٹا! بس آج ایک بہت ہی مہربان اور نیک دل نوجوان سے ملاقات ہو گئی جو نہ صرف مجھے گھر تک چھوڑ کر گیا بلکہ اپنی سادہ طبیعت اور خوش مزاجی کی وجہ سے ہمارا دل بھی جیت لیا، اللہ اس کو ہمیشہ خوش و آباد رکھے۔" شانیہ جو پانی پیتے ہوئے ان کی بات غور سے سُن رہی تھی۔ نازش کی بات پر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو پتہ ہے آپی وہ کوئی اور نہیں بلکہ آپ کے باس نوروز بھائی تھے۔" نازش نے اپنے طور پر سنسنی پھیلاتے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بھائی..... نوروز! آخر یہ ماجرہ کیا ہے؟" اب حیران ہوتے بھائی سے پوچھا تو ابا نے اس کے سامنے سارا قصہ گوش گزار کر دیا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے" شانیہ نے کوئی بھی تاثر ظاہر کیے صرف اتنا کہا اس سے پہلے نازش پھر ان کی شان میں قصیدہ گوئی کرتی اُس نے اسے ٹوکتے ہوئے حکم دیا۔

"جاؤ دانیال اور میرے لئے کھانا گرم کرو اس کو اکیڈمی سے لینے دیر ہو رہی ہے جب تک میں چینج کر کے آتی ہوں۔" نازش اس کے حتمی انداز پر منہ بنا کر رہ گئی جبکہ دانیال نے حسب عادت اس کو دیکھ کر منہ چڑھایا جس پر اس نے مزید تپ کر کچن کا رُخ کیا۔

✦✦✦

وہ ساری رات نوروز کے بارے میں ہی سوچتی رہی بظاہر اتنا مغرور Reserve نظر آنے والا شخص غریبوں کے لئے اتنا ہمدرد اور مہربان ہو سکتا ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی جبکہ وہ کئی بار اس کی اس خوبی کا ذکر کر چکی تھی۔ نوروز کی شخصیت اس کے لئے ایک پہیلی تھی جسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بوجھنا چاہتی تھی اگلے دن وہ وقت سے پہلے آفس کیلئے نکل گئی۔ آفس پہنچ کر بھی اس کی بے چین نگاہیں گھڑی کی طرف تھی بالآخر ساڑھے نو بجے پیون نے اس کی آمد کے بابت پتہ چلایا تو وہ کچھ سوچ کر اس کے آفس کی طرف چلی آئی جو دوسرے پورشن میں تھا۔

"مے آئی کم اِن سر!" اُس نے دروازہ کھول کر اندر آنے کی اجازت مانگی جبکہ شانیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر نوروز کو ایک خوشگوار احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بے خودی میں اس کے بے داغ حسن کو دیکھے گیا۔

"سر کیا میں اندر آسکتی ہوں" اس نے ایک بار پھر اجازت چاہی۔

"Yes! جی مس شانیہ؟" اُس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے عام سے لہجے میں آنے کا مقصد پوچھا۔

"سر دراصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی کل آپ نے جس طرح میرے والد کی مدد کی" اس نے اپنے پچھلے رویے کی وجہ سے کچھ ہچکچاتے ہوئے اپنا آنے کا مدعا بیان کیا۔

"Its ok! یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں بابائی داوے مجھے تو لگ رہا تھا کہ کہیں آپ مجھے آکر یہ کہیں گی کہ شاید میں نے آپ کی وجہ سے ان کو ڈراپ دیا ہے۔ خیر آپ کی فیملی سے مل کر مجھے خوشی ہوئی کافی سادہ اور ملنسار لوگ ہیں۔" صرف اس کو اپنے سامنے زیادہ دیر تک روکنے کی غرض سے بات برائے بات کی۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

Thank you Sir!" اور اپنے کہے روپے پر میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں دراصل....."

"دراصل آپ کے نزدیک تمام امیر زادے عالیہ کی طرح مغرور، خود پرست اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں کو کمتر و حقیر سمجھنے والے ہوتے ہیں۔" نوروز نے پیپر ویٹ گھماتے بظاہر سنجیدگی سے اس کی بات قطع کرتے جواب دیا۔

"جی..... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" شانیہ پہلی بار واقعی نوروز کے سامنے اس سچائی پر شپٹا گئی تھی۔

"بہرحال آپ کا جو بھی مطلب تھا لیکن میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا بلکہ صرف یہ احساس دلانا تھا ضروری نہیں جو ظاہری طور پر جیسا نظر آتا ہو وہ اندر سے بھی ویسا ہو۔ بحیثیت اس کمپنی کے Owner اپنے Employ سے reserve رہنا میری ڈیوٹی کا حصہ ہے۔ لہٰذا آئندہ تمام لوگوں کو ایک ہی ترازو میں مت تولیے گا۔"

"جی" شانیہ نے صرف اتنا ہی جواب دیا آج پہلی بار اپنی خود اعتمادی کے باوجود وہ کسی کے سامنے لاجواب ہوئی تھی اس کو لوگوں کو پرکھنے کی کسوٹی کا دعویٰ غلط ثابت ہوا تھا۔ دوسری طرف اس کے جانے کے بعد نوروز کھل کا ہنسا۔

"Oh my god! سنجیدہ بنے ایکٹنگ کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ مگر مجھے یہ جان کر اچھا لگا کہ تمہاری فیملی کی خوشی تمہاری کمزوری ہے۔ لہٰذا تمہارے دل تک رسائی کے لئے پہلے ان سے دوستی کرنا کوئی مہنگا سودا نہیں آج کے فعل نے تمہارے دل میں پہلی نرم جونک تو لگا دی ہے مس شانیہ! وہ وقت دور نہیں جب تم خود سے بڑھ کر مجھ پر اعتبار کرو گی۔" نوروز نے شوخ سی دھن گنگناتے ہوئے لیپ ٹاپ آن کیا۔

اس کے بعد تقریباً روز ہی نوروز ان کے گھر آ جاتا تھا سب کے منع کرنے کے باوجود ہمیشہ دانیال اور نازش کے لئے گفٹ ضرور لاتا۔ اب ان کے ساتھ گپ شپ لگانا اُسے اچھا لگتا تھا وہ چند دن میں ان کی فیملی کا حصہ بن گیا تھا کہ اب ماموں طریقے سے شانیہ کی پسند و ناپسند اور عادات وغیرہ کے بارے میں کافی کچھ جان چکا تھا۔ مگر اس نے شانیہ کی فیملی کو اس کے آنے کی بات بتانے سے فی الحال منع کیا تھا۔

"انکل! مس شانیہ بہت ہی خود دار اور reserve مزاج رکھتی ہیں اس طرح ان کو میرا اپنا آنا آپ لوگوں سے گھلنا ملنا ناگوار نہ گزرے پلیز آپ لوگ اسے صیغۂ راز میں رکھیے گا۔" اس کے اصرار پر اور اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے وہ لوگ مان گئے تھے۔

✦✦✦

آج پھر ناشتے کی ٹیبل پر اس کے پاپا اور ماما میں اس کی شادی سے متعلق بحث چل رہی تھی۔

"رمضو بابا پلیز میرے لئے فریش جوس لیکر آئیں" نوروز نے جوگنگ سے واپسی پر ہدایت دی۔

"Good Morning!" اس نے ماما کی سامنے والی نشست سنبھالتے ہوئے خوشدلی سے کہا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"لگتا ہے آج مادام کا موڈ خاصا برہم ہے، پاپا نے تو میرا مارننگ وش کا بھی نہیں کیا؟" نوروز نے جوس کا گلاس لیتے ہوئے کہا۔

"ارے ہماری یہ مجال؟ برخوردار ہمیں تو معاف ہی رکھو۔" خاور نے ڈرنے کی ایکٹنگ

کرتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر!" اب اس نے استفہامیہ انداز میں جواب دیا۔

"تمہاری شادی کو لیکر سیریس ہے۔ تم نے کچھ عرصے کی مہلت مانگی تھی مگر اب تو اس بات کو گزرے 2 سال ہو گئے لہٰذا اب وہ وقت تمام ہوا، اب تمہاری چوائس ہے۔"

"اوہ اچھا یہ بات ہے اگر میں کہوں میں شادی کے لئے تیار ہوں"۔ اس نے لہجے کو سرسری بنانے کی بھرپور اور کامیاب سے مہارت کے ساتھ بوائل انڈے کھاتے کہا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو" اب اس کی ماما کی خاموشی ٹوٹی تھی۔

"جی بالکل، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بیٹا جو کہتا ہے وہ کر کے بھی دکھاتا ہے"

"اس کا مطلب تم نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے، کون ہے وہ؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا نام ہے؟ خاندان کیسا ہے؟ پلیز مجھے تفصیل بتاؤ" اس کی ماما نے پرجوش ہو کر ایک ساتھ سارے سوالات کر ڈالے۔

"اوہو ماما! دھیرج، سب کچھ بتاؤں گا"۔

"ارے تم اب بھی صبر کی بات کر رہے ہو میرا بس چل رہا ابھی تمہارا پرپوزل لیکر پہنچ جاؤں۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے کہا۔ ان کی بے قراری دیکھ کر خاور صاحب بھی مسکرا رہے تھے۔

"ہاں بھئی برخوردار اب بتا بھی چکو!" انہوں نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے پوچھا۔

"ڈیڈ آپ نہ صرف اسے اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ وہ آپکی گڈ بک میں ہے" نوروز نے ابھی بھی سسپنس پھیلاتے جواب دیا۔

"کون؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

انہوں نے الٹا اُس سے حیرانگی سے پوچھا

"ڈیڈ! میں مس شانیہ کی بات کر رہا ہوں میرا مطلب ہے میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں" اس نے بالآخر سنجیدگی سے اصل انداز میں جواب دیا۔

کیا.....؟ Are you Serious!

دیکھو وہ بہت ہی خود دار اور سلجھی ہوئی بچی ہے تمہارے اور اس کے مزاج اور Status میں زمین و آسمان کا فرق ہے تم ایڈجسٹ کر لو گے؟" اب انہوں نے جانچتی نظر سے پوچھا۔

"اور کیا وہ بھی تم میں انٹرسٹڈ ہے؟"

"ارے نہیں پاپا وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی ایک سیلف میڈ لڑکی ہے اس کے تو فرشتے کو بھی میری پسندیدگی کا نہیں معلوم" اس نے جلدی سے شانیہ کی وکالت کی تو اس کے پاپا مسکرانے لگے۔

"ہوں لگتا ہے صاحبزادے عشق میں واقعی گوڈے ڈوبے ہوئے ہیں جو ابھی سے اس کی طرفداری کر رہے ہیں۔" اب انہوں نے تھوڑا زیلکس موڈ میں اسے چھیڑا۔

"ارے کوئی مجھے بھی بتائے گا یا آپ باپ بیٹے خود ہی ساری باتیں کلیئر کر لیں گے۔"

"ارے بیگم! آپ بس شادی کی تیاری کریں آپ کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ جو ہونے والی بہو انتہائی قابل، ذہین اور سمجھدار بچی ہے بس جلد آپ رشتہ لے جانے کی تیاری کریں" ان کے پاپا کے بتانے پر وہ خوشی سے مسکرانے لگی۔

"اللہ کا شکر ہے میرے گھر میں بھی رونق ہوگی وہ مسز حمیشد کیسے ہر وقت اپنی بہو کی تعریف اور خوبصورتی کے گن گاتی رہتی ہیں۔ اب میں بھی اپنی بہو کا تعارف فخر سے کرواؤں گی" ان کی اس بات پر دونوں باپ بیٹے کھل کر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ہنسنے لگے۔ آج نوروز کافی خوش تھا۔

+++

اتوار کی وجہ سے سب گھر پر ہی موجود تھے۔ ناشتے کے بعد سب لان میں بیٹھے کپ شپ لگا رہے تھے دونوں بہن بھائی کیوٹ جھوک جاری تھی۔ شایہ دوپہر کے کھانے کے لئے آج ان دونوں کی فرمائش پر بیف پلاؤ، شامی کباب اور کھیر بنانے کی تیاری کر رہی تھی جبکہ اس کے ابا اخبار کے مطالعے میں مصروف تھے اسکے کزنز پر رکھے پی ٹی سی ایل کے بجتے پر دانیال کو جانا پڑا۔

"اسلام علیکم نوروز بھائی! کیسے ہیں آپ! کافی دنوں سے گھر بھی نہیں آئے ہم سب آپ کو مس کر رہے تھے۔" اس کی بات سن کر شایہ نے اچھنبے سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا نوروز اس دن کے بعد بھی گھر آچکا ہے، مگر مجھے کسی نے بتایا نہیں"۔ اسی الجھن میں اُسے بابا کی آواز سنائی دی۔

"بیٹا آج نوروز آرہا ہے تم کھانے میں کچھ اور ڈشز کا بھی اہتمام کرلو۔" وہ اپنے والد کی ہدایت پر کچھ پوچھنے کی خواہش کو دبائے صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

+++

کھیر کا ارادہ ترک کے اس نے فروٹ سیلڈ اور چاکلیٹس بنانے کا ارادہ کیا کیونکہ اُس نے نوروز کو کچ آور میں عالیہ کے ساتھ اکثر انہی ڈشز کا آرڈر دیتے دیکھا تھا بہرحال اس کے کئی احسانات تھے جس کی وجہ سے وہ اس کی بہترین مہمان نوازی کرنا چاہتی تھی۔

تقریباً دو بجے ان کی آمد ہوئی شایہ اُسی وقت شاور لیکر اپنے بالوں کو ڈرائر کرتے آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ اُس نے موسم کی سوٹ زیب تن کیا تھا اور اب بالوں کو فائنل ٹچ دے کر باہر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسی وقت نوروز کو معمول سے زیادہ چہکتے ہوئے اس کے میں دھاڑتا سنا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آج نوروز بھائی فیملی لنچ پر آئی ہے۔"

"اچھا، تو اس میں اتنا ایکسائٹمنٹ والی بات ہے؟" اس نے سرسری سا جواب دیتے اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے جواب دیا۔

"ایکسائٹمنٹ کی تو بات ہے کیونکہ وہ اپنے بیٹے کی عمر قید میں آپ کو دینا چاہتے ہیں۔" اب اس نے گلے میں بازو حمائل کرتے خوشی سے بتایا۔

"کیا مطلب" واقعی اب حیرانگی سے اس نے پوچھا۔

دیکھا بھی نہ سن کر حیران رہ گئی ناں اُف آئی نوروز بھائی کی ماما اتنی گریس فل اور ویل ایجوکیٹڈ ہیں اور وہ بھی نوروز بھائی کی طرح ملنسار و خوش اخلاق ہیں کمال نہیں کہ وہ اتنے بڑے بزنس مین کی وائف اور بیٹے کی ماں ہیں۔ جن کے گھر دولت کی ریل پیل ہے۔ ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود اُن میں غرور نام کو نہیں سچ میں تو ان سے بہت مرعوب ہوں اور اب تو آپ بھی اس ویل مینرڈ اور ویل آف فیملی کا حصہ بننے والی ہیں جب میں اپنی دوستوں سے آپ کا تعارف شاہ بلڈرز کی بہو بطور نوروز کے طور پر کرواؤں گی۔ سچ میں سب رشک کریں گی قسم سے آپی آپ ایسے ہی باوقار، مہذب اور خوش مزاج لوگوں کے ساتھ ہی جچتی ہیں" نازش نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

"بس کرو، چپ ہو جاؤ ہمارے اور ان

کے Status میں زمین آسمان کا فرق ہے مجھے نہیں سمجھ آرہی کہ نوروز نے مجھ سے ذکر کئے بغیر خود ہی اتنا بڑا قدم کیسے اٹھالیا؟ ماما کہ میں ان کی Employ ہوں مگر میری ذاتیات یا میری زندگی کے فیصلے کرنے کا ان کا کوئی حق نہیں" اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا تو نازش کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"وہ ہماری مہمان ہیں ان کی خاطر مدارات اچھی میزبانی میں شامل ہے اس لئے تم چلو میں آتی ہوں"۔ گویا اس نے بات ہی ختم کر دی۔ پھر نازش کے جانے کے بعد اس نے اپنا حلیہ سنبھال کیا اور وہ ان سے بالکل نارمل انداز میں ملی۔ جبکہ مسز عالیہ اُس سے بہت اپنائیت اور پیار سے ملیں جانے ہوا کیا ہے اور اس کے بہن بھائی کو زبردستی کیش دیتیں ان کی اپنائیت و خلوص دیکھ کر وہ انکار نہیں کر سکی۔ پھر رات بھر وہ بے چین رہی اس کی اماں نے ان کی آمد کا مقصد اس کے گوش گزار کر دیا تھا اور اس کے بابا نے فیصلہ کا اختیار اُسے سونپا تھا۔ فی الحال وہ خاموش تھی۔ اگلے دن وہ معمول کے مطابق ناشتے کے بعد آفس کی تیاری کرنے لگی۔ نازش اس کا بغور جائزہ لے رہی تھی اُسے اپنا یہ ذہین فطین اور محبت کے خمیر سے گوندھی بہن بہت عزیز تھی۔ اسے اندازہ تھا جب تک وہ خود نہ چاہے کوئی ان سے حال دل نہیں اگلوا سکتا۔ نازش نے دل میں اس کے لئے بہترین فیصلہ کرنے اور دائمی خوشیوں کی دعا مانگی۔ اس کا آفس کے کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ دماغ میں نوروز کے پرپوزل کے بارے میں الجھے خیالات و وسوسے جنم لے رہے تھے جسے نوروز سے بات کر کے ہی دور کیا جا سکتا تھا۔

جیسے ہی نوروز کے آنے کی خبر ہوئی، وہ کچھ سوچ کر خود اعتمادی کے ساتھ اس کے آفس میں چلی آئی۔

"May I come in!" نوروز نے بھی معمول کے مطابق اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اس کے چہرے پر کل اس کے گھر آمد کے حوالے سے کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔

"جی مس شایہ کیا آپ کو کوئی کام ہے؟" بالآخر نوروز نے ہی اس کی مشکل آسان کی۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے" اس نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کہیے! میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اب نوروز نے مسکرا کر اس کی طرف توجہ سے دیکھا ستواں ناک میں جگمگاتی نوز پن اسے سنجیدگی، متانت والے چہرے پر خوب جچ رہی تھی۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں یہاں کس حوالے سے بات کرنے آئی ہوں" شایہ نے تھوڑا دل میں زچ ہوتے بظاہر سکون سے جواب دیا۔

"نہیں مس شایہ! مجھے کوئی الہام نہیں ہوتا، نہ ہی مجھے غیب کا علم ہے اور نہ ہی آپ میرے حسین خواب میں آکر اپنے دل کی کوئی بات بتا کر گئی تھیں جو مجھے علم ہوتا۔" اب نوروز نے بھی بظاہر بے نیازی سے جواب دیا۔ جس پر شایہ کا خون کھول گیا لیکن اس نے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"آپ نے میرے گھر پرپوزل کیوں بھیجا؟" اس بار اس نے صاف گوئی سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟ ایک لڑکی کے گھر پرپوزل کیوں بھیجا جاتا ہے؟" نوروز نے الٹا اُس سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے شادی کے لئے" خود ہی جواب

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کرنا چاہا۔

"میرا مطلب ہے، میری اجازت کے بغیر آپ کیسے اس طرح اپنے والدین کو میرے گھر بھیج سکتے ہیں؟"

"دیکھیں مس شانیہ! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ اتنی ہائپر کیوں ہو رہی ہیں، مجھے آپ پسند ہیں جو خوبیاں مجھے اپنی لائف پارٹنر کے لئے چاہیے آپ اس کے معیار پر پورا اترتی ہیں اور زمانہ کے دستور کے مطابق میں نے مہذب طریقے سے اپنے والدین کے توسط رشتہ بھیجا تو اس میں غلط کیا ہے؟ رہی بات آپ سے معلوم کرنے کی تو اگر میں ڈائریکٹ آپ کو پرپوز کرتا تو کیا آپ اسے قبول کر لیتیں؟ نہیں..... بلکہ آپ ہمیشہ کی طرح اسے بھی میری کوئی پلاننگ یا چال سمجھتی لہٰذا میں نے پورے خلوص نیت کے ساتھ اپنے والدین کو آپ کے بڑوں سے بات کرنے کے لئے بھیجنا مناسب سمجھا اور اب رہی بات آپ کی اجازت کی، تو آپ کو پورا حق ہے آپ اس پرپوزل کو ریجیکٹ کر دیں مگر انکار کی کوئی معقول وجہ ضرور ہونی چاہیے کیونکہ اگر آپ کو اپنی خودداری عزیز ہے تو مجھے بھی اپنی ذات دانا پر زعم ہے۔ I think اب مزید کسی بات کی گنجائش نہیں بچتی آپ کے سامنے صاف صاف ہر بات کھول کر اتار کر چکا وہ پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ میں کوئی دل پھینک یا فلرٹ نہیں ہوں مانا کہ میرا تعلق امیر گھرانے سے ہے یعنی میرا خاندان مہذب اور میں اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتا ہوں ضروری نہیں کہ ہر امیر گھرانے کا چشم و چراغ بگڑا ہوا امیر زادہ ہو اگر ایسا ہوتا تو میں آج میں آپ کو اس پوسٹ پر اتنی کامیابیاں سمیٹتے نظر نہیں آ رہا ہوتا اس کے بجائے کسی تھرڈ سرخی بنے نظر آتا۔ پھر رات گئے کئی نائٹ کلب سے نشے میں دھت لڑکے کی خبر گردش کرتی۔ اسٹاف عرصے سے آپ یہاں جاب کر رہی ہیں کیا کبھی نے میرے اسٹاف سے میرے Loose Character ہونے کی رپورٹ پیش کی سنی؟" آخر میں اس نے شانیہ سے اپنے کردار کی گواہی چاہی جس پر وہ لاجواب ہو گئی اور بغیر کچھ کہے خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

"I'm sorry! اگر آپ میری کسی بات سے ہرٹ ہوئے ہو میرے ذہن و دل میں کے حوالے سے ایسی کوئی غلط سوچ نہیں تھی آپ کو ایسا لگتی تو یہاں میں آپ کے یقین دہانی پر دوبارہ جاب کرنے نظر نہیں آتی مانا کہ ہماری اتفاقی ناگوار ملاقات کی وجہ سے کچھ غلط فہمیاں تھیں مگر دل آپ کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ یہاں تک پرپوزل پر اعتراض کی بات ہے تو آپ اور میرے Status میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چاہے ہم کتنے ہی برابر مائنڈڈ بن جائیں لیکن یہ معاشرہ سب سے پہلے شرافت کے بجائے Status پر ہی فوکس کرتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں مگر نور روز کی آواز سن کر اس کے دروازے کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

"تو میری بھی ایک بات سنتی جا کہ میں کسی حسب نسب اور معاشرے کے اصولوں کا پابند نہیں ہوں میرے لئے صرف اپنی خوشی اور اپنے والدین کی رائے کی اہمیت ہے اور وہ اس رشتے سے بہت خوش تھے اسی لئے وہ اپنی رضا سے آپ کے گھر باعزت طریقے سے آپ کا ہاتھ مانگنے آئے مگر پھر بھی آپ اپنے فیصلے میں آزاد ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف

ہو گیا تو شانیہ بھی وہاں سے پلٹ آئی مگر اب اس کا ذہن پرسکون تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ نور روز اسے پسند کرتا ہے عزت و مان کے ساتھ اپنانا چاہتا ہے۔ فیصلہ ہو چکا تھا سچے اور مخلص انسان کے ٹھکرانے سے انکار اب کفران نعمت ہوتا لہٰذا اگلے ہی لمحے نازش کے توسط اپنے والدین تک اپنی پسندیدگی کا عندیہ پہنچا دیا تھا۔ جس پر وہ سب خوش تھے اور ان کو خوش دیکھ کر شانیہ کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا اسے لگا اس کی ساری زندگی کی تکان کا ثمر اسے نور روز کی محبت کی صورت میں مل گیا ہے۔ اس کے دل میں بھی اب نور روز کی محبت کا پرندہ پر پھیلانے لگا تھا۔ اس کے بارے میں سوچنا اچھا لگتا تھا۔ اُسے اپنا آپ بہت قیمتی اور معتبر لگنے لگا۔ حمیرا کو معلوم ہوا تو وہ بھاگی چلی آئی۔

"چھی رستم! اتنی بڑی خبر اور مجھے ابھی تک بے خبر رکھا بھلا ہو نازش کا جس نے مجھے یہ خوشخبری سنائی" اُس نے شکوہ کرتے پیار سے گلے لگایا۔ اور اب سمجھ آیا کہ یونیورسٹی میں میرے ساتھ ملاقات کے بہانے نور روز دراصل تمہارا دیدار کرنے آتا تھا اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی خیر اس سے بھی نبٹ لونگی"

"وہ میں تمہیں بتانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ....."

"کہ تمہیں شرم آنے لگی۔ مشرقی لڑکی جو ٹھہری۔" حمیرا نے اس کی بات قطع کرتے کہا۔

"ہاہاہا" حمیرا کے ساتھ نازش کا قہقہہ بھی بے ساختہ تھا جس پر اس نے پہلے کشن اٹھا کر مارا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ ہنستی چلی گئی۔ وہ بہت خوبصورت لگنے لگی تھی اس کی زندگی میں اپنی فیملی کے علاوہ اب کوئی اور بھی شامل ہو گیا تھا۔ دوسری طرف نور روز بھی اپنے اقرار کا ثمر نہ صرف حیران بلکہ بہت خوش تھا۔

"اُف شکر اللہ کا! محبت کے امتحان میں بھی ہر امتحان کی طرح سرخرو ہوا ویسے ماننا پڑے گا تعلیمی اور پروفیشنل چیلنج سے زیادہ کٹھن یہ محبت کے K2 کو سر کرنا ہے۔" نور روز نے اپنے فرمی دوست کے ساتھ اپنی خوشی شیئر کرنے کا جس پر اس کا دوست بھی مسکرانے لگا۔ شام میں حمیرا کی مبارکباد کی کال آئی۔

"ویسے میری دوست کوئی معمولی لڑکی نہیں اس کا دل جیتنا اتنا آسان نہیں تھا۔ دعا دو جو تمہاری بے جا تعریف اور حمایت کر کے تمہارے لئے ہر راستہ سہل بنایا ورنہ وہ عالیہ تک پہنچ جاتی تمہارے مٹھے ماری جاتی، ویسے میں سوچ رہی ہوں عالیہ کو جب تم دونوں کے رشتے کے بابت پتہ چلے گا تو اس کا کیا ردعمل ہوگا؟ وہ تو ایک طوفان کھڑا کر دے گی۔" حمیرا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"کیوں؟ وہ ایسا کیوں کرے گی؟ میری کوئی اس سے کمٹمنٹ نہیں تھی جیسے تم اور باقی لوگ میرے دوست ہیں وہ بھی میری بیسٹ فرینڈ ہے۔" نور روز نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ تو تم پر صرف اپنا حق سمجھتی ہے ناں؟" "اس کی اپنی غلط فہمی ہے اگر وہ ایسا کچھ سوچتی ہے تو یہ اس کی اپنی رائے ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں میں کوئی اس کے پاپا کی جاگیر نہیں جسے وہ اپنی بے جا ضد اور خواہش سے خرید لے گی اگر اس کے پاپا ہمارے بزنس پارٹنر ہے تو ہم بھی برابر کے شراکت دار ہیں I hope انکل اور آنٹی اسے ہینڈل کر لیں گے۔" نور روز نے اطمینان سے عام انداز میں جواب دیا۔

PAKHLO.COM
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

Let See, Ok!" ابھی تو تم انجوائے کرو اور شایہ کے سنگت میں سہانے سپنے دیکھو، میں بھی آفس کے لئے نکلتی ہوں"۔ یہ کہہ کر حمیرا نے فون رکھ دیا تو نوروز بھی شایہ کے خیال سے مسکرانے لگا۔ شایہ کے والدین کی طرف سے مثبت عندیہ ملتے ہی نوروز کی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے انہیں شایہ دل سے پسند آئی تھی۔ وہ سلجھے لہجے میں گفتگو کرتی اپنی سادگی و خوبصورتی کے ساتھ وہ پہلی نظر میں ان کے دل کو بھا گئی تھی۔ انہیں اپنے بیٹے کی پسند پر فخر محسوس ہوا۔ رات کے کھانے کے بعد خاور صاحب کو مطالعہ کی عادت تھی ابھی بھی وہ کسی کتب بینی کے ارادے سے اپنے بستر میں نیم دراز ہوئے تھے کہ مسز خاور کی بات پر انہیں مجبوراً ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا" ہر وقت بس باپ اور بیٹا مصروف دکھائی دیتے ہیں میری بات سننے کے لئے تو کسی کے پاس وقت نہیں ہزار بار کا شکوہ ایک بار پھر انہوں نے کیا۔

"ارے بیگم ساری زندگی آپ کی ہی تو سنتے آئے ہیں، فرمایئے ہم سماعت گوش ہیں"۔ انہوں نے ہلکے پھلکے پر مزاح انداز میں جواب دیا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگلے جمعے مبارک دن یہ نیک کام کیوں نہ انجام ہونا چاہئے کیا پتہ نوروز کا ارادہ کب بدل جائے اتنی مشکل سے تو قابو میں آیا ہے"۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ارے آپ تو ابھی پر سرہوں جمانے لگیں۔ بے فکر رہیں اب وہ رسی تڑوا کر کہیں نہیں بھاگنے والا کیونکہ اب معاملہ دل کا ہے محبت کا جذبہ بہت ہی زور آور ہوتا ہے۔ اس نے ہمارے نوروز کو بھی بے بس کر دیا ہے اب وہ تا زندگی اس کے آگے خوشی سے ہاتھ باندھے کھڑا رہے گا" انہوں نے مزاحیہ انداز میں ان کی تسلی کروائی۔

"پھر بھی مجھے اپنی بہو کو جلد از جلد اس گھر کی روشنی بنانا ہے کوئی تو ہو جو میرے ساتھ وقت گزارے۔ سارا دن بس دیواروں کو تکتی رہتی ہوں اب تو ان پارٹیز میں اکیلے جا کر بھی بوریت ہونے لگی ہے اب شایہ کی کمپنی میں جایا کروں گی۔" انہوں نے اپنا پلان بتایا۔

"او کے As you Wish! ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ نوروز سے مشاورت کے بعد کوئی تاریخ رکھ لیں۔" انہوں نے دوبارہ کتاب کھولتے جواب دیا جبکہ مسز خاور ہینڈ فری لگائے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگیں۔

✦✦

عالیہ دو ہفتے اپنی پھوپھو کے پاس کینیڈا گئی ہوئی تھی واپسی اس کی کزن کے ساتھ ہوئی جو کہ اسی کی طرح مغرور، الٹرا ماڈرن اور پوائنٹ ٹو پوائنٹ کا تھا کلب میں روز نت نئی لڑکیوں کی بانہوں میں راتیں گزارنا اور دن چڑھے تک شراب کے نشے میں پڑے رہنا اس کا مشغلہ تھا۔

"ہائے ماما!" عالیہ نے آنے کے ساتھ ہی مسز کمال کو Hug کیا۔

"Oh my Darling! میں نے تمہیں بہت مس کیا تم تو پھوپھو کے گھر جا کر ہمیں بھول ہی گئی"۔ انہوں نے پیار بھرا شکوہ کیا۔ "سنائیں تم کیسے ہو؟" مسز کمال نے اب اس کی طرف توجہ دی انہیں اپنے شوہر کا یہ بگڑا ہوا بھانجا بالکل ناپسند تھا مگر رشتہ داری کی وجہ سے اخلاقیات نبھانا مجبوری تھی۔

"I'm Good اور آپ سنائیں کیسی چل رہی ماموں کا بزنس کیسا جا رہا ہے؟" جمی کے پوچھنے پر اسے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹا پہلے تم فریش ہو جاؤ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" انہوں نے یہ کہہ کر ملازم کو آواز دے کر جمی کو اس کے روم میں لے جانے کی ہدایت دی۔ اس کے جانے کے بعد انہوں نے عالیہ سے کہا۔

"تم کس کو اپنے ساتھ لیکر آ گئی ہو اتم اچھی طرح جانتی ہو مجھے بالکل پسند نہیں"۔

"ارے ماما! اتنی اتنا برا بھی نہیں ہے بچ اس کی کمپنی میں بہت مزہ آیا بالکل بور ہونے نہیں دیا۔ نوروز کی طرح خشک مزاج اور بزنس مائینڈڈ نہیں، ویسے آپ کا یہ بھانجا غائب کہاں ہے؟ کئی فون کئے مگر میرا فون ہی ریسیو نہیں کرتا" اس نے کچھ برہم ہوتے پوچھا۔

"نوروز کو نئی مصروفیت جو مل گئی ہے اب اس کے پاس ہمارے لئے وقت کہاں ہوگا؟" ان کے لہجے میں نوروز کے لئے کچھ ناراضگی تھی۔

"کیا مطلب ماما؟ Every think is ok!" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نوروز نے شادی کے لئے رضامندی دے دی ہے اور....."

oh really mama! یہ تو گڈ نیوز ہے ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے اس نے پرجوش ہوتے جواب دیا کیونکہ اسے قوی یقین تھا کہ نوروز کا نظر انتخاب اس کے علاوہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے وہ اس کے فون کالز کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ شاید وہ سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ ماما کو بھی اس نے نہیں بتایا ہوگا جب ہی وہ ناراض ہیں۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی کہ ماما کی اگلی بات پر خواب کے سارے خواب مسمار ہو گئے اسے ایسا لگا کہ وہ کسی بلند عمارت سے منہ کے بل گری تھی۔

"کک کیا؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"نوروز نے اپنی آفس ورکرز شایہ کا انتخاب کیا ہے"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انکل اور آنٹی بالکل راضی نہیں ہوں گے"۔ عالیہ نے مبہم سی امید کے ساتھ خود کو تسلی دی۔

"تم جانتی ہو وہ جو ٹھان لیتا ہے وہ کر گزرتا ہے اور باجی و بھائی صاحب بھی اس کی کسی بات سے انحراف نہیں کرتے اور یہاں تو معاملہ نوروز کی پوری زندگی کا ہے اور تو اور انہیں بھی وہ دل سے پسند آئی ہے رشتہ طے ہو چکا ہے بس اب تو سمجھو نکاح کی تیاری چل رہی ہے۔" اس کی ماما نے تفصیل بتائی۔

"اف اتنا کچھ میری غیر موجودگی میں ہو گیا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں میں اس شایہ کی بچی کو نہیں چھوڑوں گی پہلے اس نے یونیورسٹی میں حمیرا کو اپنی چکنی چپڑی باتوں اور معصومیت سے ہمنوا بنایا اور اب ہمارے آفس میں جاب کر کے اب نوروز کو سیڑھی بنا کر ملازمہ سے مالکن بننا چاہتی ہے مگر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔" اس نے میز پر رکھا پیتل کا بھاری گلدان کو تیزی سے سامنے دیوار پر لگے LED پر مارتے جنونی انداز میں کہا۔ اسکرین چکنا چور ہو کر اپنی کم مائیگی کا ماتم کر رہی تھی مگر جو چیز اس کے ہاتھ آتی گئی وہ بے دردی سے اسے برباد کرتی گئی۔

باقی اگلے ماہ

PAKSOCIETY.COM
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

PARHLO.COM.PK

رمشا احمد

کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا، عمر نے پورے خاندان کو لمحہ بھر میں اندر آتے دیکھا، اس کی گرفت شائلہ کے ہاتھ پر نرم ہوئی تھی، جو اس وقت ہاتھ میں چاقو تھامے کھڑی تھی، اس کا دوپٹہ زمین پر تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا تھا، اس کے بکھرے بال متورم آنکھیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی، شائلہ بت بنے ریحان کے پاس گئی سے دوڑ کر آئی اور اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی، عمر کو ایک لمحہ لگا تھا، سمجھنے میں کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اس نے اس ہجوم میں ریحان کو ڈھونڈا چاہا لیکن ریحان کے ایک زوردار مکے نے اسے نیچے گرا دیا، وہ کہنا چاہتا تھا ایسی کوئی بات نہیں جیسا کہ وہ سمجھ رہا ہے لیکن ریحان کے تابڑ توڑ مکوں نے اس سے بولنے کی سکت چھین لی۔

"ریحان میرا کوئی قصور نہیں، جیسا تم سمجھ رہے ہو، خدا کی قسم میں وہ سب کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، تم پوچھ لو شائلہ بھابھی سے، یہ اپنے ہاتھ کی نس کاٹ رہی تھی، میں تو صرف انہیں روک رہا تھا، تم پوچھ لو بے شک۔" وہ اس کے تھپڑ اور گھونسوں سے بمشکل بول پایا تھا، ریحان نے نظریں شائلہ پر جمالی، اس کے جواب نے عمر کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیا۔

"نہیں ریحان جھوٹ بول رہا ہے یہ کمینہ کم ظرف شخص میں بھلا کیوں خودکشی کروں گی، یہ چھری میں نے اپنی نس کاٹنے کے لئے لی تھی کیونکہ اس کی نیت خراب ہو گئی تھی اور مجھے اپنا بچاؤ کرنا تھا، تم ٹھیک وقت پر آ گئے ریحان ورنہ یہ شاید۔" وہ روتے روتے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔

"ذلیل کمینے انسان اتنی ہوس بھری ہوئی تیرے اندر۔" ریحان پر تو جیسے جنون سوار ہو

مکمل ناول

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

گیا تھا۔

"بے غیرت کندے خون نے اپنا اثر تو دکھانا تھا۔" ریحان کے جو منہ میں آ رہا تھا وہ بولے جا رہا تھا، ماما سکتے کے عالم میں کھڑی یہ سب ہوتا دیکھ رہی تھی عمر ایسا کر سکتا ہے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں لیکن شائلہ جھوٹ کیوں بولے گی کوئی بھی عورت اتنا گھٹیا اور رسکی الزام خود پر نہیں لگا سکتی، چاہے وہ زبان کی کتنی بھی بری اور کڑوی کیوں نہ ہو، بالآخر انہیں شائلہ پر یقین کرنا پڑا۔

"زندہ تو تم بچ کر نکلو گے نہیں عمر یہ تو طے ہے۔" ریحان نے اس کی پیٹ میں لات ماری وہ کراہ اٹھا، آنسو تواتر اس کی آنکھوں سے جاری تھے، لیکن کوئی اس کی فریاد سننے والا نہیں تھا، اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونا شروع ہو رہی تھیں، بند ہوتی آنکھوں سے اس نے اپنی ریحاب کو تلاشنا چاہا اور وہ نظر آ بھی گئی، اس کی آنکھوں میں صرف بے یقینی ہی بے یقینی تھی، بند ہوتی آنکھوں سے اس نے ریحاب کو فرش پر گرے دیکھا، وہ اس کو پکارنا چاہتا تھا لیکن زبان کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی، لمحوں میں وہ دنیا و مافیا سے بے خبر ہو گیا، عمر بھی اپنی آنکھیں موند چکا تھا۔

☆☆☆

عمر کو ریحان نے سرونٹ کوارٹر کے ساتھ مل کر باہر پھینک دیا تھا، وہ تو اسے جان سے ہی مار دینے کے در پر تھا، لیکن شائلہ اور ماما نے مل کر بیچ بچاؤ کروایا۔

"ریحان اسے مار کر آپ اپنے ہاتھ گندے مت کریں، یہ تو ہے ہی گند، لیکن پلیز آپ تو کنٹرول کریں، یہ شکر ہے میرے مولا کا میرے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوا، ورنہ اس شخص کو میں اپنے ہاتھوں سے مار دیتی۔" شائلہ نے حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

ریحاب نے ماں کی طرف بے بسی سے دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، لیکن زبان بالکل خاموش تھی، وہ کیا کہہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی، جس پر اندھا اعتماد وہ اس کا شوہر تھا جس سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی اور وہ محبت اس سے کہہ رہی تھی وہ انسان نہیں کر سکتا، دو سال کا ساتھ دھوکا نہیں ہو سکتا، سال کا عرصہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے یا پھر وہ دھوکے میں زندگی گزار رہی تھی، کیا وہ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی پھر عمر سچا ہے تو کیا بھابھی جھوٹ بول رہی ہیں بھابھی کو جھوٹ بول کر کیا ملے گا، وہ تو اس سے بہت محبت کرتی ہیں پھر وہ یہ سب کیوں کریں گی کیا ہم سب نظر کے دھوکے نے غلط دیکھا کیا کرے کرے وہ کس کا اعتبار کرے اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، اگر یہ سچ ہے تب بھی نقصان تھا اور اگر جھوٹ اور بہتان تھا تب بھی اس کی یقینی تھی یہ بات تو جان چکی تھی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" ریحان ہوا آواز پر وہ سوچوں سے باہر آئی۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" اسے اپنی کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"یہ ہی کہہ رہا ہوں میرے منع کرنے باوجود تم نے اس خبیث لڑکے سے شادی کی نہ ماں تھی اور نہ باپ کا پتہ، مگر تمہاری خاطر ہم نے تمہاری شادی اس دی اور اسے دل سے قبول کر لیا اور اسے دی مگر ریحاب یہ گندگی گندگی ہی رہتی اس نے بھی یہی کیا، ہم نے اسے عزت دیا، مگر اس نے ہماری پھر بھی پرواہ نہ

اپنی کمینگی فطرت وہ زیادہ دن ہم سے چھپا ہی نہ سکا، اس گھٹیا شخص نے اپنا گھٹیا پن دکھا دیا، تمہاری بھابھی نے مجھ سے پہلے بھی شکایت کی تھی مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے چپ کروا دیا۔" وہ غصے میں مٹھیاں بھینچنے لگے۔

"خدا کی قسم زندہ نہیں بچتا، اگر ماما اپنی قسم دے کر مجھے نہ روکتی۔" انہوں نے ایک بار پھر سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

وہ کہہ ہی نہ سکی "اس کی تو آپ نے سنی ہی نہیں، بھابھی نے بھی مجرم کو اپنی صفائی کا موقع دیتی ہے اور آپ نے بنا کچھ سنے صرف اس کو سزا سنا دی۔" اس نے اپنے سر کو جھکا لیا، آنسو قطرہ قطرہ کر کے اس کے دامن کو تر کر رہے تھے۔

"کچھ بول کیوں نہیں رہی تم ریحاب۔" بھابھی کو اس کی چپ کھل رہی تھی پچھلے ایک گھنٹے میں کوئی چوتھی بار وہ یہ کہہ چکی تھی۔

"بولنے کے لئے اب کچھ باقی ہی نہیں رہا کیا کہوں میں، ویسے بھی فیصلہ تو ہو گیا ہے۔" اس کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں بیٹا یہ سب کرنا تمہارے لئے آسان نہیں ہے مگر میری طرف سے تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے یہ تمہاری زندگی ہے تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہے تب بھی اور نہیں رہنا تب بھی مجھے تمہارا فیصلہ منظور ہوگا، مگر اس کی سچائی جان کر بھی تم اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے لیکن اس کے بعد تم ہم میں سے کسی سے بھی کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھو گی، یہاں تک اگر خدانہ کرے کہیں یہاں ہم میں سے کسی کو بھی کچھ بھی ہو جاتا ہے تو ہمارے جنازے میں ہماری خوشیوں میں شرکت نہیں کرو گی اور اپنے لئے بھی یہ وصیت کر چکا کہ ہمیں تمہاری موت کی خبر نہ دی جائے۔" بھائی کے دوٹوک انداز پر وہ بس انہیں دیکھتی رہ گئی لب کہہ ہی نہ سکے اس کا مطلب تو صاف ظاہر ہے۔

"میں نہ جاؤں اگر گئی تو عمر کو تو شاید میں لوں مگر باقی ہر رشتے کو میں کھو دوں گی، کیا میں اتنی خود غرض ہو سکتی ہوں کہ ایک بھائی کا مان توڑ دے ایک مجبور اور بے کس ماں کی ممتا کو تڑپائے خود کو تڑپانا آسان ہے یہ ان سب رشتوں کو، اگر عمر مل گیا تو میں ان کے لئے تڑپوں گی اور میرے لئے اور اگر نہ گئی تو عمر کے لئے تڑپوں گی تو خود کو تڑپا لے ریحاب کا پگلا اگر عمر کے ساتھ بھی چلی تو شاید مجھے زندگی بھر سکون ملے اک ادھورا پن رہے گا ہمیشہ مگر یہاں کچھ ملے یا نہ ملے قبر پر فاتحہ پڑھنے والے اپنے ہوں گے۔"

"مجھے نہیں لگتا ریحاب اس خبیث انسان کے بغیر ایک پل بھی رہ سکتی ہے، اسے آپ کوئی شرط منظور نہیں ہو گی، دیکھ لیجئے گا آپ اس کمینہ کے ساتھ ہی جائے گی، بلکہ مجھے تو لگتا ہے یہ مجھے ہی غلط سمجھ رہی ہے اور اسے سچا بھابھی آپ بلاوجہ ہی سمجھ کب سے بدگمانی پیدا کر رہا ہے آپ کی بہت عزت کرتی ہوں، اس عزت بنائے رکھے ورنہ اگر ایک بار چلی گئی تو پھر اللہ حافظ ہو گا آپ کا اور ایک اور بات اس شخص کا ذ شاید رات سے اب تک میں نے اتنا نہیں کیا ج آپ نے اسے یاد کر لیا ہے اور آپ یہ بھی جا ہیں اس کا حال میرے بھائی نے کیا کیا، مگر میں زبان سے یہ لفظ نہیں نکالوں گا، آپ کو تو اللہ کا شکر کرنے سے فرصت نہیں ملنی چاہیے، اس نے آ کو بچا لیا، جائیے اور کیجئے شکرانے کے نفل اور رکھیے گا ریحاب مر تو جائے گی مگر اپنے بھائی خلاف ہرگز نہیں جائے گی جائیے پھر مدمقابل

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

فاروق کیوں نہ آ جائے۔" وہ بھابھی کے مسلسل تیروں سے چھلنی ہو چکی تھی سو پھٹ پڑی، بھیا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے معاف کر دو ریحاب بیٹا میں نہیں چاہتا، میری وجہ سے تمہیں کوئی بھی دکھ ملے مگر میں کیا کروں بچے اس شخص کو میں برداشت نہیں کر پاؤں گا جس نے عزت دے پاؤں گا اس کو، خدا کی قسم تمہارے آنسو دل پر گر رہے ہیں مگر میں مجبور ہوں ریحاب میری غیرت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہی کہ میں اس کو معاف کر پاؤں، بھائی کی مجبوری سمجھو بچے۔" انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"بھیا!" وہ بلک اٹھی تھی، ریحان کو لگا اس کا دل پھٹ جائے گا اتنی تکلیف تھی اس کے بھیا کے کہنے پر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

مسز ہاشم نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں بچوں کو سینے میں چھپا لیا۔

"پتہ نہیں میرے ہنستے بستے گھر کو کس کی نظر لگ گئی۔"

☆☆☆

صبح چھ بجے فجر کی اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اسے جگا رہا تھا، سائیڈ ٹیبل پر اس نے چائے کی ٹرے رکھی اور کھڑکی کے پردے کھسکاتے سورج کی چمکیلی روشنی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"اٹھ جائیے میڈم بندہ ناچیز آپ کی خدمت میں چائے لے کر حاضر ہے۔" وہ اس سے اتنے پیار سے مخاطب تھا، ریحاب نے شرمندگی سے اس کی طرف اور ساتھ ہی ایک ہاتھ سے اپنے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا، آنکھوں کو مسلتی عمر کو وہ بہت کیوٹ لگی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے جگا دیا کریں عمر۔" وہ غنودگی سے اٹھتے ہوئے بستر میں لیٹے لیٹے بولی۔

"اچھا بابا آئندہ ضرور آپ کو یہ موقع دے دوں گا، فی الحال تو اٹھیں چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" عمر نے ٹرے سے اس کے اوپر سے لحاف اتار کر اسے کھڑا کر دیا۔

"او کے جا رہی ہوں، ذرا صبر تو کریں۔" پاؤں میں سلیپر ڈال کر اس نے عمر کو گھورتے ہوئے کپ بیڈ پر گرا دیا اور مسکراتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی اس کے لبوں پر بہت ہی دلفریب مسکراہٹ تھی، مسلسل بجتی فون کی بیل نے اس کے خوبصورت خیال کے تسلسل کو توڑا تھا، اس نے اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے اشک پونچھے، فون مسلسل بج رہا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا، سکرین پر مائی لونگ ہسبینڈ لکھا دیکھ کر جان نکل گئی، عمر کا فون وہ بے تاب ہو کر لیس کا بٹن پش کرنے ہی لگی تھی کہ کانوں میں بھیا کی آواز گونج اٹھی۔

"اس خبیث سے کوئی تعلق رکھا تو ہم سے رشتہ ختم۔" اس نے بے بسی سے کال کاٹ دی اور فون کو خود سے دور پھینک دیا، چاہتے ہوئے بھی وہ موبائل آف نہ کر سکی، میسج باپ کی آواز اس نے تڑپ کر موبائل اٹھایا، میسج عمر کا تھا۔

"میری بات سنے بغیر تم مجھے مجرم نہیں بنا سکتی، یہ سب تمہاری بھابھی کی گھٹیا سوچ ہے، ایک بار کم از کم میری بات سن لو بیوی ریحاب ریحاب یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے مجھے اپنے سچے رب کی قسم میں ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔" میسج پڑھ کر وہ رو پڑی تھی۔

"یہ کیا مشکل ہے میرے اللہ میں کیا کروں، کس پر یقین کروں وہ سچے رب کی قسم اٹھا رہا ہے اور شائلہ بھابھی سچے کلام کی، قرآن بھی تیرا سچا کلام ہے اور اللہ تو بھی سچا، میرا یقین

اعتبار کروں، جواب دو، قرآن کو قرآن ہی رہنے دو، یہ ہمارے لئے ہدایت کا راستہ ہے، کلام الٰہی ہے اسے ان چیزوں کے لئے نہ یوز کرو اور اگر ہم بھی تمہاری بھابھی قرآن پاک اٹھانے کی بات کریں تو اسے کہنا وضو کر کے اٹھالیں مجھے یقین ہے وہ نہیں قسم کھائیں گی، کیونکہ وہ جھوٹی ہے اور وہ سچے کلام کی جھوٹی قسم نہیں کھائے گی، پھر تمہیں ثبوت مل جائے گا مگر پھر شاید ہمارے رشتے میں وہ بات نہ رہے، جانتی ہو ریحاب میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس سب نے مجھے اتنی تکلیف نہیں دی جتنی تم نے دے دی یہ تھا تمہارا اعتماد جس کا تم دعوا کیا کرتی تھی اور یہ تمہاری محبت تھی، میری سچائی تو وقت ثابت کر دے گا اور مجھے انتظار رہے گا اس وقت کا اور تمہاری کال کا اور تمہارے فیصلے کا بھی۔" فون بند ہو چکا تھا، وہ دم سادھے سن رہی تھی، عمر کا یقین، اس کا دماغ الجھا رہا تھا کیا بھابھی قرآن پاک کی قسم اٹھائیں گی اس نے خود سے سوال کیا تو جواب نجانے کیوں نا میں آیا، یہ تو آنے والا وقت بتائے گا اس کی ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی۔

☆☆☆

ظہر کی نماز کے بعد بھابھی نے سب کی موجودگی میں قرآن ہاتھ میں لے کر بول دیا تھا اور اس سچ نے ایک بار پھر ریحاب کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی، اسے تو یقین ہو گیا تھا، بھابھی کہہ دے گی عمر سچا ہے مگر ان کے الفاظ تو اس کے کانوں میں اب تک گونج رہے تھے۔

"میرے ہاتھ میں یہ قرآن پاک موجود ہے اور میں جو کہہ رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے عمر نے میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی، مجھے داغدار کرنا چاہا۔" وہ رو رہی تھی، ریحان نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے قرآن تھاما اور اس

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کے آنسو پونچھے۔

"فکر مت کرو شائلہ مجھے تم پر اعتبار تھا مگر یہ سب کرنا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ مجھے کسی اور کو بھی اعتبار دلانا تھا۔" انہوں نے ریحاب اور ماما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عمر تم نے کہا تھا وہ قسم نہیں اٹھائے گی انہوں نے قسم اٹھالی وہ سچی ہے وہ ثابت کر چکی ہے۔" وہ ایک پل کے لئے رکی، کم بخت یہ آنسو بھی نا اس نے اپنے آنسو پونچھے جواب بھی اس کے لئے بہہ رہے تھے۔

"تمہارے اور میرے درمیان اب بے اعتباری کی دیوار کھڑی ہو چکی ہے ریحاب خدا سے دعا ہے اب ہمارا سامنا کبھی نہ ہو، کیونکہ تم سے بے انتہا محبت کی ہے اور تمہاری آنکھوں میں بھی اپنے لئے صرف عزت اور محبت دیکھی ہے، اب شاید یہ آنکھیں بے اعتباری نہ دیکھ پائیں۔" وہ ایک پل کو سانس لینے کے لئے رکا۔

"ریحاب تم میری زندگی تھی اور مرتے دم تک رہو گی، مگر تمہاری نظر میں میری کوئی حیثیت وقعت نہیں تھی، تبھی تم نے مجھ سے ثبوت مانگا اور اس عورت کی بات پر اعتبار کیا، یہ تکلیف میرے لئے بہت اذیت ناک ہے، دعا کرنا عمر فاروق مر جائے کیونکہ اب میں زندگی سے لڑنے کی تاب نہیں ہے۔" اس کی دلگرفتی سے کہنے پر ریحاب کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"میری سنو عمر، عمر پلیز۔" لیکن عمر فون کاٹ چکا تھا، ٹوں ٹوں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی، اس نے بے بسی سے فون سائیڈ پر رکھ دیا۔

"نہیں کہہ سکتے بیٹا کہ عمر میں کتنی اذیت میں ہوں میں تو گھٹ گھٹ کر مر رہی ہوں، جو میرے دل میں ہے وہ تو کوئی بھی نہیں جان پا رہا ہے، میں کتنی مشکل میں کاش یہ بات تم سمجھ پاتے تم ریحاب کتنی اذیت میں ہے۔" اس نے ہتھیلیوں میں سر دے لیا تھا۔

نجانے کتنی دیر پوزیشن میں بیٹھے اسے گزر چکی تھی، اسے اپنے سر پر دست شفقت محسوس ہوا تھا، اس نے چونک کر گردن اٹھائی، کل کے ملگجے کپڑے جن پر سلوٹیں نمایاں تھیں، سرخ آنکھیں جو رو رو کر اپنی خاصی خوبصورتی کھو چکی تھیں، جہاں آراء بیگم برداشت نہ کر پائی، وہ تو اسے دلاسہ دینے آئی تھی لیکن اس کی حالت دیکھ کر فوراً ہی بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی، اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے پرسکون کرنا چاہا۔

"ماما وہ ایسا نہیں تھا میرا دل کہہ رہا ہے، وہ محبت جھوٹی تھی جو اسے مجھ سے تھی، آپ سچی ہے نا اس کی آنکھوں میں اس کے ہر انداز میں مجھے محبت چھلکتی تھی، اس کی تو سبھی گرل فرینڈز بھی مل کر پھر اتنی بڑی بات بھلا کیسے اس پر اتنا گھناؤنا الزام لگا سکتی ہے، ماما کیا وہ یہ سب کر سکتا ہے، وہ اپنا دکھ بیان کر رہی تھی، دھیرے دھیرے اس کے ہچکیاں جہاں آراء بیگم کی انگلیاں ایک پل کو رکی تھیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے شائلہ جھوٹ بول رہی ہے، عمر پر بہتان لگا رہی ہے، اللہ کو حاضر ناظر جان کر جھوٹی قسم کھائیں گی۔"

"نہیں ماما میں ایسا نہیں کہہ رہی بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ سب ایک غلط فہمی ہو، غلط فہمی تو کسی کو بھی ہو سکتی ہے نا ماما شاید یہ بھی کو بھی غلط ہی لگا ہو۔" وہ یکدم اٹھ کر بیٹھی تھی اور ایک آس سے پوچھا تھا۔

"ریحاب نے مجھے کہا ہے میں تمہاری کیفیت سمجھ رہی ہوں بیٹا تم عمر کو غلط سمجھنا ہی نہیں چاہتی کیونکہ شاید تم اب بھی اس سے محبت کرتی ہو، مگر

میں کچھ بھی شائلہ کہہ رہی ہے اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تمہاری نسلی کے لئے وہ قسم کھا چکی ہے، شائلہ تھوڑی کڑوی زبان کی ہے، بے لگ شائلہ تھوڑی کڑوی زبان کی ہے، مگر وہ جھوٹی نہیں ہے، کوئی بھی لڑکی اتنی بھی تیز ہے مگر وہ جھوٹی نہیں ہے، کوئی بھی عورت خود پر الزام نہیں لگا سکتی اور وہ بھی اتنا گھناؤنا الزام کیا اسے یہ سب کر کے، کہیں نہ کہیں قصوروار ہے کیونکہ دھواں وہیں اٹھتا ہے جہاں آگ لگی ہو، بظاہر شریف دیکھنے والے اس شخص کے اندر آخر کیا تھا ہمیں کیا معلوم، اس شخص نے نہ صرف عمر کی زندگی برباد کی بلکہ تمہارے بھائی کی بھی زندگی خراب کرنے کی کوشش کی، دکھ اس بات کا ہے کہ ہم اسے سمجھ نہ سکے، یہ شکر ہے خدا کا کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا جس کی تلافی ناممکن ہو، ورنہ میرے دونوں بچوں کی زندگیاں تو داؤ پر لگی تھیں۔"

"میری زندگی تو اب بھی داؤ پر لگ گئی ہے ماما، میں کہاں جاؤں۔" وہ بلک اٹھی۔

کل رات سے جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کا ذہن ماؤف کرنے کے لئے کافی تھا، ایک طرف اسے عمر بے قصور نظر آ رہا تھا، دوسری طرف شائلہ بھی معصوم، وہ کرے تو کیا کرے، وہ قسم پر اعتبار کرنا چاہتی تھی لیکن قسم تو دونوں دے رہے تھے۔

"آپ سب عمر کو مجرم مان سکتے ہیں لیکن میرے لئے یہ ماننا اتنا آسان نہیں ہے، اس نے ایسا کیوں کیا ہوگا ماما کیا محبت میں کوئی کمی تھی۔" وہ سراپا سوال بنی ہوئی تھی۔

"اس کیوں کا جواب تو ہم سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے ریحاب بس اتنا جان لو وہ تمہیں ڈیزرو نہیں کرتا اور نہ تمہارے آنسو اتنے بے مول ہیں کہ تم اس کے لئے انہیں بہاؤ۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے خود بھی رو رہی تھیں۔

"تو کیا میں ایسے شخص کا ساتھ ڈیزرو کرتی تھی جس کا کریکٹر اتنا خراب ہو جو اپنے ہی گھر میں نقب لگائے۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

"تبھی ہے ماما مجھے خود سے شرم آتی ہے، اگر میں خود کو باور کروا بھی دوں کہ عمر بے قصور ہے تو میں کیسے بھیا کا سامنا کروں گی کیسے بھابھی کی چبھتی نظریں برداشت کروں گی مجھے لگتا ہے وہ تمسخر اڑا رہی ہوں گی میں ایسے شخص کے لئے اپنے گھر والوں سے لڑتی تھی جسے میں نے محبت کی، اسے میں نے خود سے بڑھ کر چاہا، اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی یہ کم بخت دل اسے یاد کرتا ہے، اسے بے قصور مانتا ہے، یہ محبت بہت بے درد ہوتی ہے، ماما مار دیتی ہے انسان کو، محبوب چاہے کیچڑ میں کیوں نہ لتھڑ کر آ جائے مگر محبوب ہی رہتا ہے۔" اس کے اس طرح ہارے ہوئے انداز پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"کسی سے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے شرمندہ ہونے کی، تمہاری اس میں کوئی غلطی نہیں جو ہو گیا ہے ہم بدل نہیں سکتے، مگر خود کو سنبھال کر اس کو بھولنے کی کوشش کرو، کل رات سے اس گھر میں سوگواریت چھائی ہوئی ہے، جیسے کوئی مر گیا ہو، ریحاب تم اور تمہارا بھائی دونوں زندہ ہیں میری دنیا اجڑی نہیں ہے صرف بکھری ہے، مجھے اسے سمیٹنا ہے اور اس کے لئے مجھے تم دونوں کا ساتھ چاہیے، میں نہیں چاہتی کہ کل رات کی تاریکی میرے گھر میں بسیرہ کر لے، اس رات کی تاریکی کو تم دونوں نے ختم کرنا ہے ایک دوسرے سے نظریں چرانے کے بجائے ایک دوسرے کی ہمت اور ڈھال بنو، تم تو اپنا دکھ مجھ سے کہہ رہی ہو اور وہ کمرے میں بند ہے، لیکن میرا دکھ کوئی سمجھ نہیں رہا، میں کس سے جا کر اپنا درد بانٹوں میں کیسے بتاؤں مجھ پر کیا قیامت گزر رہی ہے، میری

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ہنستی بستی بنی اجڑ گئی میری بہو کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا اور کوئی اور نہیں میرا داماد تھا، میں کس سے کہوں دل پر بوجھ بڑھتا جا رہا ہے، بہت تکلیف ہو رہی ہے، سمجھ نہیں آ رہا میں اب تک زندہ کیوں ہوں۔" ان کے لہجے کی تڑپ ریحاب بھی تڑپا گئی۔

"پلیز ہمیں آپ کی ضرورت ہے آپ ایسا مت کریں۔ وہ اپنا دکھ بھول کر انہیں سنبھال رہی تھی، یہ سچ تھا وہ اپنی تکلیف میں وہ انہیں تو یکسر بھول چکی تھی۔

"آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی پلیز ایسے مت کریں۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"اب تو کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، ریحاب! طبیعت خراب ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے، جو کچھ بھی ہو رہا ہے کیا یہ ٹھیک ہے، نہیں یہ سب غلط ہے، تمہارے ساتھ ریحان کے ساتھ شائلہ کے ساتھ میرے ساتھ سب کے ساتھ غلط ہو رہا ہے، یا اللہ میں کون ہوتی ہوں تجھ سے کچھ بھی کہنے والی مگر اے اللہ اس ماں پر کیا بیت رہی ہے تجھ سے کہاں چھپا ہے، تو اس گناہ گار کو عبرت بنا دیں تاکہ پھر کوئی شخص اتنا گھٹیا کام نہ کر سکے۔" ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے، ریحاب نے انہیں خفگی سے دیکھا تو انہوں نے آنکھیں موند لیں کیونکہ وہ جانتی تھی وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

بارش بہت تیز اور طوفانی تھی، ریحاب اپنی دوست ارم کے ساتھ یونیورسٹی میں تھی، موسم کے تیور دیکھ کر جلدی جلدی نکلنے کی سوچی لیکن ان کے نکلنے سے پہلے ہی بارش تیز ہو چکی تھی، ڈرائیور ان کے ساتھ نہیں تھا اس لئے ریحاب کی پریشانی مزید بڑھ رہی تھی، بھیا بھی شہر سے باہر گئے ہوئے تھے، ورنہ کال کر کے انہیں بلا لیتی، ڈرائیور کو فون وہ کر چکی تھی، لیکن تا حال اس کا پتہ نہیں تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا ڈرائیور کے ساتھ چلے ہیں، لیکن اس وقت جلدی اتنی تھی کہ ڈرائیور کا ویٹ بھی نہ کر سکی، اب دیکھ لو جلدی کا انجام پھنس گئے ہم اس طوفانی بارش میں۔" ارم سے تو اچھا تھا یونیورسٹی میں رہتے ہمارا حال تو ہوتا نہیں گھر کے گھاٹ کے۔" ریحاب کے اس طرح کہنے پر ارم نے اسے بغور دیکھا جو مسلسل بول رہی تھی۔

"یعنی در پردہ تم خود کو مجھے کتا کہہ رہی ہو۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے ارم نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا تو ریحاب نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اس سیریس سچویشن میں بھی مسخرہ پن سوجھ رہا ہے۔" ریحاب تو تپ ہی اٹھی اس کی حالت دیکھ کر۔

"یعنی کوئی فکر ہی نہیں جناب کو بارش اسے انجوائے ہو رہی ہے جیسے اپنے گھر کے ٹیرس پر ہو۔" وہ نروٹھے پن سے کہتی اس کے سائیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

"اور آپ شہزادی صاحبہ اپنے آبائی پارک میں بیٹھ کر برسات انجوائے کر رہی ہے۔" ارم نے اس کے بیٹھنے کے انداز پر طنز کیا جو الٹی پالتی مار کر سڑک پر بیٹھ چکی تھی۔

"پیدل چلتے ہیں کیا خیال ہے، یہاں فضول میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کیونکہ یہاں ٹیکسی تو ملنے سے رہی اور ڈرائیور کے آنے کے امکانات بھی تقریباً ختم ہی سمجھو۔" ارم نے مشورہ دیتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھنے میں ہیلپ دی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔" وہ کھڑی ہو چکی تھی، برستی بارش میں جیسے تیسے انہوں نے چلنا

شروع کیا، بارش ایسے ہو رہی تھی جیسے آج کے بعد دوبارہ پھر کبھی نہیں برسے گی، کبھی کار کے ٹائر ان کے بہت قریب ہی چھ چھاتے اڑاتے نکلتے اور چلانے والے کو انتہائی غصے سے دیکھا اور کھا جانے والے انداز میں مخاطب ہوئی۔

"اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا دو انسان اسی سڑک پر چلتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے۔" غصہ تو پہلے ہی بہت آ رہا تھا اوپر سے یہ فضول ڈرائیونگ تو جیسے اس پر چڑھ دوڑی۔

"ایم ساری گرلز لیکن آپ کے نزدیک گاڑی روکنے کا ہرگز آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا بلکہ آپ کی ہیلپ کرنا تھا، اتنی تیز بارش میں دو لڑکیاں سنسان سڑک پر چلی جا رہی ہوں تو کوئی بھی شریف انسان مدد کرنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے، بس اسی ارادے کے تحت آپ کے پاس گاڑی روکی۔" وہ جو کوئی بھی تھا انتہائی شائستگی سے مخاطب تھا۔

"یعنی آپ کہہ رہے ہیں آپ ہمیں لفٹ دے رہے ہیں۔" ارم کے سوال پر اس نے مسکرا کر گردن ہاں میں ہلائی۔

"ایم ساری ابھی جو کچھ بھی میں نے آپ کو غصے میں منہ سے نکل گیا، آپ کو تو پتہ ہے غصے میں انسان ہمیشہ بغیر سوچے سمجھے بولتا ہے، ریحاب اپنا کام ہو گیا اللہ نے مدد بھیج دی ورنہ اتنی دور پیدل چلنا پڑتا۔" ارم کے اس طرح کہنے پر ریحاب نے اسے خاموش کیا۔

"ہیلو مسٹر آپ کا بہت شکریہ ہم خود چلے جائیں گے۔" شائستگی سے معذرت کرتی ارم کا ہاتھ تھام کر چلنے لگی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو ریحاب مدد مل رہی ہے بارش کتنی تیز ہے کیسے پہنچے گے ہم گھر اور آج کل کے حالات کا تمہیں پتہ ہے۔" ارم نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور اسے سمجھانے لگی۔

"دیکھ لیں میڈم یہاں آپ کو ٹیکسی یا رکشہ تو ملنے سے رہا، میں صرف انسانیت کے ناطے یہاں رکا ہوا ہوں، ورنہ مجھے کیا آپ جو چاہے فیصلہ کریں مگر موسم مزید خراب بھی ہو سکتا ہے اور آپ کے گھر والے بھی پریشان ہو رہے ہوں گے، میری امی کہتی تھی دوسروں کی مدد کرنے والے کی مدد اللہ خود کرتا ہے، یہی سوچ کر آپ کو آفر دی، میں بحفاظت آپ کو آپ کے گھر پہنچاؤں گا اس بات کی گارنٹی ہے۔" اس نے کار کے دروازے کھول دیئے۔

"ہم آپ پر کیسے اعتبار کر لیں۔" ریحاب کے کہنے پر ارم کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"ویل اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، بس اتنا جان لیں اگر ایسا ویسا شخص ہوتا تو دس منٹ بہت ہوتے ہیں کچھ بھی کرنے کے لئے اور یہاں میرے علاوہ ابھی تک کوئی نہیں گزرا، سو گفتگو کرنے کے بجائے میں آپ لوگوں کو زبردستی اپنی کار میں بٹھا کر جہاں دل چاہتا لے جا سکتا تھا، اس لئے بھروسہ کریں میں قطعی آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" تنجیدگی سے کہتے سوالیہ نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"ریحاب یہ اتنا برا نہیں لگ رہا مجھے اچھی فیملی سے لگ رہا ہے ہم اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔" سرگوشیانہ انداز میں ارم نے اس کے کان میں کہا۔

"دیر ہو رہی ہے پلیز۔" ارم کے منت بھرے انداز پر وہ خاموشی سے کار میں بیٹھ گئی، ارم نے اسے گھر کا راستہ سمجھایا، اور باقی کا راستہ تقریباً خاموشی سے گزرا، گھر آ چکا تھا گاڑی روک گئی ارم نے اس کا شکریہ ادا کیا مجبوراً ریحاب کو بھی شکریہ ادا کرنا پڑا، کیونکہ یہ سچ تھا اس نے ان

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کافی مدد کی تھی۔

☆☆☆

"دیکھا ہو گیا نا زکام۔" چھی کی آواز پر ماما
، اسے اطلاع دی۔

"ماما میرے ساتھ تو یہ مسئلہ سارا سال چلتا
، دیکھئے نا میرے ساتھ یہ ارم بھی مسلسل بھیگ
تھی، لیکن مجال ہے جو اس کو ذرا سی چھینک بھی
جائے، پتہ نہیں یہ سارے مسئلے میرے ساتھ
ں ہوتے ہیں۔" ان کی گود میں سر رکھ کر وہ
سے لاڈ اٹھوا رہی تھی۔

"اس لئے جناب آپ کا پورا سسٹم ہی
ہے۔" ارم کی آواز پر وہ ماما کی گود میں سر
کھے لیٹی ہوئی ایکدم اٹھ بیٹھی۔

"طبیعت خراب ہے جناب لیٹی رہیں،
زکام کے ساتھ ساتھ بخار کا الزام بھی معصوم
ں پر عائد ہو جائے گا۔" جوشاندہ کا کپ اس
طرف بڑھاتے ہوئے وہ
کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"ارم بیٹا تم کیوں لے آئی رضیہ کو کہہ دیتی یا
شائلہ کو بیٹا تم بھی تو بارش میں بھیگی ہو۔" ماما
ارم کو ہلکی سے سرزنش کی۔

"ایسا کرو تم دونوں اب آرام کرو، شام تک
ں بھی رک جائے گی اور ریحان بھی آ جائے گا
وہ تمہیں گھر چھوڑ آئے گا مگر اس سے پہلے اپنی
کو کال کر کے اپنی خیریت بتا دو۔" ماما نے اسے
پنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا وہ انہیں ریحاب
طرح ہی پیاری تھی۔

"میرا مسئلہ نہیں ہے ماما کون سا گھر میں
اویٹ کر رہی ہوں گی، وہ تو بزی ہوں گی
پنے سوشل ورک میں اور جناب کے لئے کرنا
ہے یہ سب ویسے ماما یہ اتنی ضدی کیوں ہے
شریف آدمی ہمیں ڈراپ کرنے کی آفر کر رہا
تھا مگر جناب کے نخرے آسمان کو چھو رہے تھے،
بڑی مشکل سے اسے رضامند کیا ورنہ نمونیا تو پکا
تھا۔" اس کے قریب لیٹتے ہوئے، ارم نے
شکایت لگائی۔ ریحاب نے اس کی طرف دیکھ کر
منہ چڑایا، تو ماما کھلکھلا کر ہنس دی اور اس ہنسی میں
ارم کا قہقہہ سب سے بلند تھا۔

☆☆☆

وہ بہت گہری نیند میں تھا، کسی غیر مرئی
طاقت کے زیر اثر اس کی نیند ٹوٹ گئی، کسی
خدشے کے پیش نظر اس نے سرہانے کے قریب
رکھا سیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھا تو ایک جھٹکے سے
اٹھ بیٹھا وہ مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پندرہ منٹ
لیٹ تھا، اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے اور جا کر
ولید کم بخت کا منہ پھاڑ دے۔

"ولید کے بچے تیری اب خیر نہیں۔" ایک
جھٹکے سے کمبل خود پر سے ہٹا کر تن فن کرتا اس کے
کمرے میں تھا، بیڈ پر آرام سے خواب خرگوش
کے مزے لیتے ولید کو دیکھ کر اس کی تیوری چڑھ
گئی، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پاس پڑے جگ کا پانی
کر اس پر انڈیل دیا، ولید ایکدم ہڑبڑا کر اٹھا تھا
مگر سامنے عمر کو دیکھ کر دوبارہ گیلے بستر پر
گر پڑا۔

"کیا مصیبت ہے عمر سونے دو کیا ہوا۔" عمر
نے چادر اس پر سے کھینچی، تو وہ بیٹھتے ہوئے
کسلمندی سے پوچھنے لگا۔

"سورج مشرق سے نہیں مغرب سے نکلا
ہے۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر
طنزیہ لہجے میں مخاطب ہوا، ولید کے حواس پوری
طرح بیدار نہیں ہوئے تھے، عمر کی بات پر آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے ولید میں تیرا سر توڑ
دوں، پورے ایک گھنٹہ پندرہ منٹ آل ریڈی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید ذبذب کا شکار تھی۔

"پلیز ریحاب میں ایک دفعہ آپ کو آپ کے گھر بخیریت چھوڑ کر آ رہا ہوں آپ کو کم از کم پھر سے کنوینس نہ کرنا پڑے۔" وہ اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ چکا تھا۔

"میں..... وہ۔" ریحاب کو سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

"آئیے۔" وہ دروازہ کھول کر اس کا منتظر تھا، وہ خلاف توقع بنا کچھ کہے خاموشی سے بیٹھ چکی تھی۔

"آپ کیا کرتے ہیں۔" گاڑی کی خاموشی کو اس کی آواز نے للکارا تھا۔

"پہلے تعلیم مکمل کر رہا تھا اور اب الحمدللہ ایک نیشنل کمپنی میں بطور انجینئر کی پوسٹ پر ہوں۔" اس نے ریحاب کی طرف دیکھتے ہوئے نجانے کیوں تفصیل بتائی۔

"میڈیکل فائنل ایئر میں اسٹڈی ٹور پر باہر کے منظر کو دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"آپ کو دیکھ کر آپ میڈیکل اسٹوڈنٹ ہی لگتی ہیں۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کا خواہش مند تھا۔

"اور آپ کبھی کبھی کار کی پوسٹ پر ہیں۔" ریحاب نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"لگتا ہے آپ کو میری باتیں یاد رہی ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں مجھے بھی آپ کی طرح بھولنے کی عادت ہے۔" ریحاب نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"ایم سوری میم اگر آپ کو برا لگا، ایکچوئلی مجھے لگا ہے میں کچھ زیادہ ہی فرینک ہو گیا۔" ایم ساری۔" وہ اس سے مخاطب ہوا۔

کسی انجان لڑکی سے اتنی فرینک گفتگو وہ پہلی بار کر رہا تھا۔

"اٹس اوکے میرا گھر آ گیا ہے۔" اسے روکنے کا اشارہ کیا۔

"تھینکس آپ نے واقعی میری مدد کی آئیے میں آپ کو اپنی ماما سے ملواتی ہوں۔"

"اٹس اوکے مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے کام آ سکا اور آپ کی ماما سے پھر کبھی ملیں گے انشاء اللہ چائے بھی آپ کے ہاتھ کی پیوں گا لیکن ابھی مجھے جانا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے منع کر رہا تھا۔

"آپ کی مرضی، ادھار رہی آپ کی چائے میری طرف۔" وہ چڑی تھی۔

"ہاں جی یہ ادھار رہی آپ..... اب تقریر جب چاہے گی یہ ادھار چکتا کر دیجئے گا۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

☆☆☆

اسے یقین نہیں آ رہا تھا، اس کے اتنے اچھے مارکس آئے تھے یہ خوش خبری سب سے پہلے عارم نے اسے سنائی تھی، جب سے وہ دونوں کے درمیان فاصلے ڈالنے میں مصروف تھی، ماما کی خوشی کا تعلق رکھتی تھی، آج ان کا برسوں کا خواب پورا ہوا تھا، ریحان بھائی کی طرف سے انعام کی آفر تھی، بھابھی نے بھی اسے ساتھ ہی سلیبریشن تو بنتا ہے یہ کس نے بھیجا ہوگا ایک بار سمل لا کر دیا تو الٹ پلٹ

کیا یا تم نے۔" ارم کے تابڑ توڑ سوالات پر وہ بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

"اس دن جب میری گاڑی....." وہ شروع ہو چکی تھی اور ارم کا انہماک دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

☆☆☆

"یا اللہ کس جرم کی سزا کے طور پر اس بے وقوف اور کم عقل لڑکی کو میرا بھائی بنایا اور میرا سب سے اہم دوست بھی اسی کو ہی بنایا۔" عمر نے بے بسی اور لاچاری کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھ کر بآواز بلند کہا، جبکہ ولید کے تیور دیکھنے سے تعلق رکھتے وہ برا مانتے ہوئے غصے سے واک آؤٹ کر چکا تھا۔

"اچھا نا میرے باپ سوری کر تو رہا ہے، غصے سے نکل گیا میرے منہ سے ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" عمر اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر فی الحال اس کا ماننے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"مجھ جیسے حسین اور جمیل آدمی کو بے وقوف اور کم عقل کہتے ہوئے تمہیں ذرا شرم نہ آئی، کیا کہا تھا میں نے جو گلا پھاڑ پھاڑ کے ہنس رہے تھے تم، بس یہ ہی تو کہا تھا میں کتنا ہینڈسم اور چارمنگ لگ رہا ہوں۔" ولید کے انداز میں اب بھی خفگی واضح تھی۔

"ہینڈسم بوائے نہیں کہا تھا، میرے امریکن بھائی دل نشین کہا تھا اور میری ہنسی اس لئے نکل گئی کیونکہ ہمارے یہاں یہ لفظ صنف نازک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔" اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، اب یہ کیا نیا لفظ ہے، ولید کی اردو امریکہ میں رہنے کی وجہ سے اتنی اچھی نہیں تھی، اس لئے ایک اور نیا لفظ سن کر وہ الجھ گیا، عمر کو سمجھ نہیں آیا اب وہ کیا کہے۔

ارم سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا جناب کھول کر دیکھتے ہیں۔"

اس پارسل کو لے کر کافی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی، کھولتے ہی ریحاب کے لبوں پر دھیمی سی مسکان آ گئی، گفٹ پر ارم نے جھپٹا مارا جبکہ وہ ہاتھ میں پکڑے دھیمے سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"گفٹ دیکھنے کے بعد اس نے بھیجا ہے۔" گفٹ دیکھنے کے بعد اس نے بھیجا ہے۔" کوشش تھی کارڈ پر لکھے نام جاننے کی، اب اس کی

"عمر فاروق!" کارڈ اسے تھما کر آہستگی سے اس نے بتایا۔

"یہ عمر فاروق کون ہے اور کہانی یہاں تک پہنچی۔" ارم کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"عمر فاروق وہی جس نے ہمیں پارٹی دی تھی اس دن ڈراپ کیا تھا اور کہانی کا تو پتہ نہیں لیکن بدلے میں پتھر تو خاص ہے۔" وہ آنکھوں میں چمک لئے اس کا ذکر کر رہی تھی، ارم نے بغور اس کی طرف دیکھا آنکھوں کی چمک لبوں کی مسکان اور اس کا کھویا کھویا انداز کچھ اور بھی کہانی سنا رہا تھا۔

"تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

"بتانے کے لئے اب کچھ نہیں تھا۔" بیڈ پر دھپ سے گرتے ہوئے وہ بجھے موڈ میں تھی جواب ارم کے سوال پر ریحاب نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور گردن ہاں میں ہلا دی۔

"چل پھر اسٹارٹ ہو جا کب کب اور کہاں کہاں تو اس سے میرے بغیر ملی اور کب تجھے پتہ چلا تجھے اس سے محبت ہو گئی، پہلے اس نے اقرار

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"عورت کو کہتے ہیں بدھو، اب پلیز بدھو مطلب نہ پوچھنے بیٹھ جانا، تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں تم عالی کے بیٹے ہو، اٹھ جاؤ مووی کے ٹکٹ جو میرے لئے وہ بے کار چلے جائے گے، چلو یار اب اٹھ بھی جاؤ۔" عمر اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"مجھے دیکھ کر کوئی کہے نہ کہے تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تم عالی آنٹی کے بیٹے ہو تمہیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں عالی ہم سے دور ہے لگتا ہے یہیں آس پاس ہے بلکہ کبھی کبھی لگتا ہے عالی تم میں زندہ ہے۔" اس کے تبصرے پر چونک کر ان کی آواز بھرا گئی۔

"ایم ساری ولید۔" عمر کی بھی آنسو نکل گئے تھے، عالی کے ذکر پر وہ دونوں ہمیشہ ہی حساس ہو جاتے تھے۔

"سوری کو چھوڑ یار بھابھی سے ملوا میں اتنی دور سے صرف ان سے ملنے آیا ہوں مگر مجھے فرصت ہی نہیں کہ مجھے ان سے ملوا دے، اکیلے اکیلے خود ہی مل آتے ہو۔" ولید کے شرارت سے کہنے پر عمر نے اسے مکا دکھایا۔

☆☆☆

عالی انہوں پر کبھی کبھی کچھ لوگ اس ادا سے ملتے ہیں کہ ان سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا، وہ انجان راستے انجان ہونے کے باوجود جانے پہچانے لگنے لگتے ہیں اور وہ لوگ جن سے صرف ایک دو ملاقات کے بعد اپنائیت کا احساس جاگ جاتا ہے، وہ دن بہ دن ختم ہونے کے بجائے بڑھنے لگتا ہے، ایسے لگتا ہے برسوں کی شناسائی ہو، جسموں کا نہیں روح کا رشتہ ہو، ریحاب کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، دو انجان لوگ انجان راہوں پر ملے اور دیکھتے ہی دیکھتے کب ایک دوسرے کی جان بن گئے پتہ ہی نہیں چلا، یہ دوستی محبت میں کب بدلی یہ احساس جب ریحاب کو ہوا تو وہ خود سے نظریں چرا گئی عمر نے جب اسے اپنے بارے میں بتایا تھا اس کی نظر میں اس کا مقام اور عزت اور بھی بڑھ گئی، عمر کی خواہش تھی پہلے وہ اچھی طرح سیٹ ہو جائے پھر اس کے گھر آئے گا، اس نے بھی اس کی بات مان لی تھی، اسے بھی کوئی جلدی نہیں تھی ابھی ہاؤس جاب ہے اور اس کی طرف سے بھی کوئی شادی کا زور نہیں تھا، وہ دھیرے دھیرے ہی چین لکھ رہا تھا۔

☆☆☆

"آپ کو نہیں معلوم مام وہ ریحان کی لاڈلی اور اکلوتی بہن ہے، اس کی زبان سے نکلا ہر لفظ حکم ہوتا ہے، اگر وہ آدھی رات کو بھی ریحان کو جگا کر آئسکریم کا کہتی ہے تو ریحان جن کے جن کی طرح حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور مام کی تو بات ہی نا کریں، ان کا دن ریحاب سے شروع ہوتا ہے اور ریحاب پر شام ختم ہوتی ہے، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں تو اس گھر کی بس ملازمہ ہوں، محبت تو صرف اس ریحاب کی چہیتی ہے، مجھے نہ مام سے کوئی شکوہ ہے اور نہ ریحان سے گلا ہے تو بس ریحاب سے کیا سوچنا چاہیے، اس کے بھائی کی اپنی بھی کوئی لائف ہے کوئی پرائیویسی ہوتی ہے، پہلے مجھے لگتا تھا اس کی شادی ہو جائے گی تو شاید یہ بات اس کی سمجھ میں بھی آجائے گی مگر نہیں مام یہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔" شائلہ کے لہجے میں ریحاب کے لئے نفرت ہی نفرت تھی اور نفرت کی آگ اتنی طاقتور تھی کہ سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی۔

☆☆☆

"یعنی وہ تم سے محبت کرتا ہے۔" مام نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال

کیا میں بھی ان سے اتنی ہی محبت کرتی "مام میں بھی ان سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں۔" انگلیوں کو چٹخاتی وہ اپنے دل بدلا بیان کر رہی تھی۔

"کرتا کیا ہے؟" مام نے نگاہیں اس کے چہرے پر جمادی تھیں، جہاں جب ہی دھنک کے رنگ بکھرے تھے۔

"ایک پرائیویٹ کمپنی میں منیجر ہے۔"

"کتنا کما لیتا ہے؟" سوال ایک بار پھر ہوا

"مام پلیز میں نے اس سے یہ بات کبھی نہیں پوچھی۔" وہ جھنجھلا گئی تھی۔

"ماں باپ کیا کرتے ہیں اس کے؟" مام نے شاید اس کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا تھا تبھی اگلا سوال کیا تھا، وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی پھر اسے سمجھ نہیں آیا اس بات کا کیا جواب دے۔

"مام ان کا انتقال عمر کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔"

"اوہ ویری سیڈ۔" جہاں آرا بیگم نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا جو ابھی کافی حد تک ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"تو کیا رشتہ داروں کے پاس رہتا ہے۔"

"نہیں مام وہ اکیلی عمر کے والد کے صرف ایک بھائی تھے، جنہوں نے ان کی وفات کے بعد کبھی عمر سے کوئی ہمدردی نہیں دکھائی وہ نہیں بوجھ لگتا تھا اس لئے اس کے تایا نے اسے یتیم خانے چھوڑ آئے، عمر نے اپنا بچپن وہیں گزارا ہے۔" بات مکمل کر کے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جن کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا۔

"یعنی میرے بیٹی جس لڑکے پر مر مٹی ہے وہ یتیم خانے میں پلا بڑھا ہے۔" بہت ہی چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"نہیں مام ایسا نہیں ہے، وہ بس کچھ عرصہ وہاں رہا ہے، پھر اس کی ماما کی فرینڈ عالی آنٹی اسے اپنے ساتھ لے گئی انہوں نے ہی اس کی تربیت کی ہے مام عمر واقعی بہت اچھا انسان ہے، بلیو می کیا فرق پڑتا ہے وہ یتیم خانے میں رہا، یا پھر اس کی تربیت کسی انجان نے کی، پوائنٹ تو یہ ہے کہ وہ ایک اچھا اور سلجھا ہوا انسان ہے، کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ تو لائف میں کسی بھی انسان کے ساتھ ہو سکتا ہے، آپ ایک بار مل تو لیں پھر کوئی رائے یا فیصلہ کیجئے گا۔" وہ ان کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ کر بہت امید سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ریحاب فرق پڑتا ہے، ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں ان سب باتوں سے بہت فرق پڑتا ہے اور پھر تمہارا بھائی بھی نہیں مانے گا، بلکہ بھائی کیا مجھے خود عمر تمہارے لئے بہتر نہیں لگ رہا ہم آسائشوں میں پلی بڑھی ہو تمہیں نہیں معلوم بہت مشکل ہوتا ہے ایسی لائف گزارنا جس میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے انسان کو ترسنا پڑتا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بہت محبت سے سمجھایا تھا۔

"ماما میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اگر آپ اس سے ایک بار مل لے گی تو اس کی گرویدہ ہو جائیں گی۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر گرمجوشی سے کہہ رہی تھی، انہوں نے اس کی چمکتی آنکھوں میں جھانکا، جہاں اس انجانی شخص کے لئے محبت ہی محبت مار رہی تھی، اس کی ہر بات پوری کرنے والی ماں سوچ میں پڑ گئی، وہ جان گئی ان کی بیٹی کے لئے عمر کیا حیثیت رکھتا ہے۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"او کے تو پھر تمہیں بھی میری ایک بات ماننا پڑے گی، اگر وہ مجھے تمہارے لئے مناسب لگا تو ہم اسے او کے کریں گے ورنہ تمہیں اس شخص کو بھولنا ہوگا اور اس کا خیال دل سے نکال کر لائف میں آگے بڑھنا ہوگا۔" وہ اس کی ماں تھی اس کے دل کا حال جان گئی تھی، مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو صرف بیٹی کی خوشی نہیں بلکہ اس کی زندگی بھر کی خوشیوں کی ضمانت چاہتا تھا۔

"آپ یقین کریں وہ آپ اور بھیا کو پسند آئے گا۔" ان کی دونوں ہتھیلیوں کو سر رکھ کر وہ چہکتے ہوئے انہیں یقین دلا رہی تھی۔

☆☆☆

رات کافی گہری ہو چکی تھی سارا عالم خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا مگر ان کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔

"ماما آپ سے ملنا چاہتی ہے اور کل کی ملاقات ڈن ہے پلیز کل ٹائم سے آ جایئے گا کیونکہ ماما ٹائم کی سخت پابند ہے۔" ریحاب دوسری بار یہ ہدایات جاری کر رہی تھی۔

"جو حکم میرے سرکار اور کچھ۔" وہ شرارت سے بھرپور انداز میں کہہ گیا، ریحاب نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روکی تھی۔

"نہیں اور کچھ نہیں بس ماما کو آپ پسند آ جائیں پھر اللہ اللہ خیر سلا۔"

"یو ڈونٹ وری میم میں اب اتنا بھی برا نہیں ہوں لگتا ہے کافی لائک کیا آپ نے۔" عمر شرارت سے بولا۔

"اوہ نہیں بس تھوڑی سی پریشان ہوں کل کی ملاقات کو لے کر۔" بیڈ پر اوندھا لیٹا عمر ایکدم اٹھ بیٹھا، وہ اسے پریشان تو کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس وقت ریحاب کے انداز سے پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

"ریحاب اللہ نے ہمیں ایک دوسرے کے لئے ملایا ہے، تو انشاء اللہ، اللہ ہمارے مقدر کو ہمارے ساتھ بھی ضرور لکھے گا، بس دعا کرو ہے یہ ساتھ ہمیشگی ہو۔" اس کے محبت سے ریحاب کھل کر مسکرائی تھی، یہ ہی ادا تو اسے پسند تھی جو ہر حال میں پوزیٹو سوچ رکھتا تھا۔

شام کو وہ مقررہ وقت پر ریحاب کے گھر کی ہلکی پھلکی باتوں کے بات عمر لے رہا تھا۔ کے سامنے اپنا پرپوزل رکھا۔

"یعنی تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے ریحاب کو پسند کرتے ہو اور اسے اپنانا ہو۔" جہاں آراء بیگم کے کہنے پر عمر نے نظر سامنے دیکھا۔

"جی۔" تھوک نگلتے ہوئے عمر نے آ ہے جواب دیا وہ چاہ کر بھی نظر نہیں اٹھا سکا بلا کا اتنا مضبوط لہجہ اس نے بہت کم خوا میں دیکھا تھا۔

"کہاں ملے تھے پہلی بار۔" نہ لہجہ بدلا انداز۔

"سڑک پر۔" وہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ گیا تھا، وہ کنفیوز ہونا نہیں چاہتا تھا رعب اور دبدبے سے وہ واقعی کنفیوز ہو رہا

"مستقبل کیا ہے تمہارا جانتے بھی ریحاب کا تعلق کس گھرانے سے ہے اور وہ آسائشوں میں پلی بڑھی ہے، کیا پورا کر پاؤ گے اس کے اخراجات یا پھر دو دن کے بعد محبت بھوت اتر جائے گا۔"

"اللہ کے فضل و کرم سے آمدنی اچھی جاب پر ہوں اور مستقبل بھی روشن ہے، باقی جو اللہ کی مرضی، میرے پاس اتنا بھروسہ ہے کہ آسائشوں بھری زندگی نہ دے سکوں مگر خوشیوں بھری زندگی ضرور دے سکتا ہوں، کیونکہ خوشیاں پیسے کی محتاج نہیں

دونوں منمنائی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اپنی نشست چھوڑ چکا تھا، چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی ریحاب نے تیکھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

جہاں آراء بیگم نے بغور عمر کی طرف دیکھا جس طرح انہوں نے اس سے گفتگو کی اور... اور جس طرح وہ ان کی بیٹی کے آنے پر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوا تھا اور جب تک اس کی آنکھوں اور چہرے پر اسے دیکھ کر آئی خوشی کی وہ ستارے تھی وہ اس سے محبت ہی نہیں بلکہ عزت بھی کرتا ہے اور اس خوبی کی وجہ سے انہیں عمر پسند آیا تھا۔

"بیٹھو تم میں ذرا عصر کی نماز پڑھ آؤں۔" مسکراہٹ دبائی وہ وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

"اب تو ٹریٹ بنتی ہے۔" باہر نکلتے ہوئے ارم کی آواز سن کر ان کے لبوں پر دبی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

☆☆☆

زندگی کس طرح حسین اور خوبصورت لگنے لگتی تھی یہ کوئی ریحاب سے پوچھتا من چاہا جیون ساتھی جب ساتھ ہوتا ہے جیسے ہم ہواؤں میں اڑ رہے ہیں، خوشیاں رقص کرتی نظر آتی ہیں، ریحاب کی زندگی میں عمر بہار بن کر آیا تھا اور اپنی محبت سے چاروں طرف خوشیاں لٹا رہا تھا وہ بھی طرح سے مکمل اور خوشگوار زندگی گزار رہی تھی، شادی کو دو سال ہونے کو آئے تھے اور اس بار اپنی ویڈنگ انیورسری بڑی دھوم دھام سے منانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

اس دن ماما کے پوچھنے پر کہ "خوش ہو ریحاب" تو بولی۔

"ماما کرم ہے اللہ کا بس ایک چیز کی کمی ہے اللہ وہ بھی پوری کر دے تو میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں گی۔" ماما کی طرف دیکھتے ہوئے

"تم کیا سمجھتے ہو تمہاری باتیں سن کر اور تم ہیں ہو کر میں تمہیں ریحاب سونپ دوں چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ان کا لہجہ جتنا نرم تھا الفاظ اتنے ہی سخت۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا، کیونکہ میں ہوں آپ مجھ سے کہیں زیادہ ریحاب سے کرتی ہیں اور اس کے لئے فکر مند بھی آپ کو ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے اور مجھے اپنی لگن یقین اور خدا پر یقین ہے، مجھے لگتا ہے خدا نے ملایا ہے تو لازمی بات ہے ہمارا مقدر بھی ہے۔" اس کے لہجے میں اب وہی بات آ قبل جو اس کی خوبی تھی، جہاں آراء بیگم نے عمر طرف بغور دیکھا، جتنا انہوں نے اسے دیکھا وہ انہیں بہتر ہی لگا، ان کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ آئی تھی۔

"آئی لائک اٹ مگر یہ تو بتاؤ یہ عابی ہے ان۔" اب کی بار لہجہ دوستانہ تھا۔

"عابی میری ماما کی بیسٹ فرینڈ اور میری بھی بہترین دوست سب کچھ، میں نے ان ہی ہے شیئر کیا ہوتے ہیں اور انہیں کس طرح کیا ہے انہوں نے مجھے وہ واقعی بے مثال خاتون تھیں۔" ان کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لہجے میں محبت اور احترام نمایاں تھا۔

"اندر آ جاؤ ریحاب۔" آہٹ پر کسی کا محسوس ہوا تو انہوں نے ریحاب کو آواز لگائی، ریحاب نے گھبرا کر ارم کی طرف دیکھا، مارے عمر کا چہرہ دیکھ کر عمر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔

"السلام علیکم!" آہستہ سے گردن جھکا کر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔

"عمر کو بچوں کا بہت شوق ہے ماما لیکن اللہ کو پتہ نہیں کیا منظور ہے، اتنے ٹیسٹ کروالئے سب کچھ ٹھیک ہے مگر پھر بھی۔"

"افسردہ مت ہو بیٹا اللہ کو جو منظور، اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، انشاء اللہ تمہاری گود بھی جلد ہی بھر جائے گی۔" ریحاب کے افسردہ لہجے پر ماما نے تسلی دینے لگی۔

☆☆☆

عمر بہت پریشان تھا کمپنی والوں نے اسے جاب سے نکال دیا تھا، وہ حیران تھا اچانک اس کے ساتھ کیا ہوا، وہ تو اپنی ویڈنگ انیورسری پر ریحاب کے لئے بہت بڑا سرپرائز سوچے بیٹھا تھا مگر اس اچانک افتاد پر وہ خود دم بخود تھا کیا کرے کیا نہ کرے جیسے تیسے کرکے وہ ایک بمشکل ایک ماہ گزار پائے تھے، مگر اب حالات خراب ہو رہے تھے، عمر کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ ریحاب سے جاب کے بارے میں کیا کہے اسے کیسے بتائے کہ وہ جاب لیس ہو چکا ہے۔

"عمر اس بار میں سوچ رہی فنکشن کسی پر کسی جگہ میں شہر سے باہر کیا جائے۔" گرین کی ورائٹی گروانی کرتے عمر کو دیکھتے ہوئے ریحاب نے کہا، اس نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

"کیا بات ہے مجھے تم پریشان دکھائی دے رہے ہو کچھ دنوں سے دیکھ رہی ہوں کافی الجھن کا شکار ہو، ماما کی طرف بھی نہیں جانا طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔" اس کا کھویا کھویا انداز دیکھ کر ریحاب سچ میں فکرمند دکھائی دے رہی تھی۔

"سب کچھ ٹھیک ہے مگر شاید اس بار میں تمہاری یہ خواہش پوری نہ کر پاؤں، تمہیں پتہ ہے ریحاب میں جاب لیس ہو گیا ہوں، ایک ماہ سے نئی جاب کے لئے کوشش کر رہا ہوں مگر ہے جیسے تمام نوکریاں ختم ہو چکی ہیں۔" ہمت کرکے وہ بہت افسردگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہم نے مجھ سے چھپایا یہ سب کیوں؟" ریحاب کے لہجے میں یقینی تھی۔

"ایم سوری ریحاب مگر میری جان تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا سوچا تھا کچھ بندوبست ہو جائے گا مگر نہیں ہو سکا سوری۔" اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

ریحاب کے آج سے پہلے اس کو اتنا نہیں دیکھا تھا اس کے دل کو ایک پل کے کچھ ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں عمر ایسا ہو جاتا ہے، فکر نہیں تمہارے ساتھ ہیں بلکہ میں تو کافی سے ہاسپٹل جوائن کرنے کا سوچ رہی تھی دن ہو گئے چھٹی پہ، چھ ماہ کی چھٹی لی تھی مگر سال ہو گیا ہے جاب کرتے ہوئے سوچ ہوں ڈاکٹر اقبال کہیں تو بات کر آئے مجھے تمہارا کیا خیال ہے۔" اس کے لہجے پر کے بجائے سکون تھا، عمر نے آنکھیں کھول کر کی طرف دیکھا۔

"یعنی تمہارا مطلب ہے اب میں تمہاری کمائی کھاؤں۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ ریحاب تڑپ اٹھی۔

"نہیں عمر ہاسپٹل جوائن کرنا میرا شوق اور تم تھوڑی ہمیشہ بے روزگار رہو گے جب ملے گی تو تم کر دو گے نا، بولو ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ گے اور نہ میں تمہیں تنہا چھوڑ دوں گی، اتنی محنت کرکے ڈگری لی تو اسے کام میں لانے دو، اگر تمہیں اچھا لگتا ہے میں اس قابل نہیں

کی تمہاری کوئی مدد کر سکوں تو الگ بات ہے۔"

اس کے انداز میں مایوسی تھی۔

"نہیں ریحاب ایسا نہیں ہے، اللہ دے گا کچھ نہ کچھ وقت گزر جائے گا اور میں تمہیں تمہاری خوشی سے نہیں روک رہا بلکہ اگر یہ تمہاری خوشی ہے تو آج ہی ڈاکٹر اقبال کو کہہ دو کہ میں ہاسپٹل جوائن کر رہی ہوں مگر تمہیں میری خوشی کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔" اس کا ہاتھ تھام کر وہ تھوڑا سا جھکا جبکہ ریحاب اسے پیچھے دھکیل کر ہنستے ہوئے اس کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

"ریحاب کی بچی۔" عمر اسے کے پیچھے ہی لپکا تھا۔

☆☆☆

"آپ کو نہیں معلوم نا پہلے تو صرف ریحاب جان کا خواب بنی ہوئی تھی شادی ہو کر بھی وہ یہاں سے نہیں گئی، روز کسی نہ کسی بہانے چکر لگ جاتا تھا اور اب تو جب سے ریحان کو پتہ چلا تھا کہ وہ دو ماہ سے عمر جاب لیس ہے اور ریحاب کراچی سے گزر رہی ہے وہ ان دونوں کو اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں، شکل سے دونوں معصوم لگتے ہیں مگر حرکتیں توبہ توبہ مجھے تو لگتا ہے ماما کو بھی کوئی نہ کوئی فراڈ کیا ہوگا ورنہ بیٹھے بیٹھے کوئی نوکری سے نکال دیتا ہے اور تو اور اسے ابھی تک کوئی اور جاب بھی نہیں مل رہی، ماما مجھے تو لگتا ہے چلتی ہی ریحان اسے کمپنی جوائن کرنے کا کہہ دے گا، ان کو کچھ نظر نہیں آتا کیسے بن معصوم بن کر سب کچھ کھو رہی ہے اور وہ لٹائے جا رہے ہیں۔"

"شائلہ تمہیں عقل کرنی چاہیے، ریحان کو کہو یہ کیا طریقہ ہے، بیٹیاں شادی کے بعد اپنے سسرال میں اچھی لگتی ہیں، کبھی کبھی حالات ہمارے بس میں نہیں رہتے لیکن یہ کیا کہ تنگ حالات میں شوہر کا ساتھ دینے کے بجائے اسے ماں کے گھر لے آئے، بلکہ مجھے لگتا ہے تمہیں کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ یہ دونوں خود ہی چلے جائیں۔" دوسری طرح شائلہ کی ماں کے لہجے میں بھی کڑواہٹ تھی۔

"اب تو مجھے بھی لگتا ہے ماما کچھ ایسا ہی کرنا پڑے گا، سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، بس ماما یہ دعا کریں کہ یہ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلی جائے، حسد کی آگ کس طرح انسان کو اندھا کر دیتی ہے یہ شائلہ کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

"بھابھی مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے۔" وہ کچن میں مصروف تھی جب اچانک عمر نے آکر ان سے فرمائش کی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں تم جا کر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھو میں وہیں لے آتی ہوں۔" لبوں پر مسکان سجائے انہوں نے بہت محبت سے کہا۔

"نہیں میں وہاں جا کر کیا کروں گا، آپ چائے بنائیں جب تک میں آپ کے ساتھ گپ شپ لگا لیتا ہوں کیونکہ ماما سو رہی ہے اور ریحاب ہاسپٹل گئی ہے، بھیجا آفس میں ہے اور میں اکیلے بیٹھا بیٹھا کافی بور ہو چکا ہوں۔" وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ چکا تھا۔

"یعنی آپ بور ہو رہے ہیں۔" چائے کا کپ اس کے پاس رکھتے ہوئے وہ مسکرائے ہوئے مخاطب ہوئی۔

"جی کیا کر سکتے ہیں، جب بندہ کسی کام کا نہ رہے اور اس کے پاس کرنے کو کوئی کام بھی نہ ہو تو بور ہونے کے علاوہ ناچیز کیا کر سکتا ہے، بس دعا کیا کریں کہ مجھے جاب مل جائے تو ساری پریشانی خود بخود دور ہو جائے گی، مجھے بالکل اچھا

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نہیں لگتا یہاں اس طرح رہنا، حالانکہ میں نے ریحان بھائی کو بہت منع کیا تھا مگر انہوں نے میری ایک نہیں سنی بہت لاچار محسوس کرتا ہوں خود کو۔" افسردگی اس کے لہجے میں عیاں تھی۔

"پریشان مت ہو عمر تم ہم پر کوئی بوجھ نہیں ہو ریحان ریحاب سے بہت پیار کرتے ہیں اور اس لحاظ سے تم بھی ہمیں اتنے ہی پیارے ہو جتنی ریحاب ہے لئے ریحان جو کچھ بھی تمہارے لئے کرتے تم شرمندہ مت ہوا کرو بلکہ خوش رہا کرو۔" اس کا ہاتھ تھپک کر انہوں نے بہت پر انداز میں تسلی دی تھی۔

☆☆☆

"تھینکس بھابھی!"

وہ اس کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا، اس کے بالوں میں اپنی نرم انگلیوں سے سر کو سہلاتی اسے آنکھیں موندیں رہنے پر مجبور کر رہی تھی، ریحاب کو اس پل عمر ایک معصوم سا بچہ لگا، اس کے لبوں پر ایک مسکان آ کر ٹھہر سی گئی، ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے کر کے اس نے اپنے لب اس کے ماتھے پر رکھ دیے، عمر نے ایکدم آنکھیں کھولیں۔

"رومانٹک ہو رہے ہے جناب۔" شرارت اس کے لہجے میں عیاں تھی، بھابھی کا اچانک اقدام پر ریحاب بوکھلا کر پیچھے ہٹی تھی، لیکن فوراً ایک جاندار قہقہے کے ساتھ اس کے پیچھے لپکا تھا، تیزی سے باہر نکلتے ہوئے عمر شائلہ بھابھی سے ٹکرایا جو شاید چائے کی ٹرے ہاتھ میں لئے آ رہی تھی، چھناک کی آواز پر ریحاب کے مسکراتے لب خاموش ہو گئے، جبکہ عمر کے قدم بھی زمین میں گڑ چکے تھے۔

"دیکھ کر عمر کچھ تو لحاظ رکھنا چاہیے اور ریحاب تم، کچھ چیزیں کمرے کے اندر ہی اچھی لگتی ہیں۔" بھابھی کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ عمر کا بس چلتا تو زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"سوری بھابھی۔" کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا جبکہ ریحاب پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

"ایسا بھی کیا ہو گیا بھابھی جو آپ اتنے روڈ انداز میں ہم سے مخاطب ہوئیں۔" وہ شائلہ کے سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"میں کچھ بولتی نہیں ہوں ریحاب تو اس کا ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مجھے کچھ برا نہیں لگتا اور اگر آج میں نے کچھ کہا ہے تو اپنی حرکتیں سدھار لو نہیں کیوں کی بھی۔" وہ زہر خند لہجے میں کہتی نخوت سے گردن کو جھٹکتی چل دی۔

ریحاب نے حیرانگی سے شائلہ بھابھی کی طرف دیکھا، اسے ان کا انداز کچھ عجیب سا لگا۔

"میں مر کیوں گی ہمیں یہاں سے شفٹ کر جانا چاہیے، شاید بھابھی کو عمر کا یہاں رہنا پسند نہیں۔" وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

عمر کو جاب مل گئی تھی یہ خبر آشیانہ ہاؤس میں ایک خوشی کی لہر لائی تھی، بھیا کے اصرار پر ریحاب کی برتھ ڈے کے بعد وہ یہاں سے شفٹ کرنا چاہتے تھے، بھیا نے اسے کار گفٹ کی تھی، ریحاب تو لینے سے ہچکچا رہی تھی مگر بھیا کے اصرار پر اسے لینی ہی پڑی۔

"میری برتھ ڈے پر تو ایک گولڈ کا سیٹ دلایا گیا اور بہن پر پیسہ لٹایا جا رہا ہے، یہ واقعی بے انصافی کی نظر میں، کروڑوں کا بزنس ہے مگر صرف ان ماں بیٹی کے لئے میرے لئے تو شاید ہزاروں بھی نہ نکلے، میری فرمائشیں فضول خرچی لگتی ہیں اور دعوا کرتا ہے مجھ سے محبت کا

اس لئے میری معصوم بہن یہاں سے چلی جائے۔" وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر چکا تھا۔

"ریحان پلیز بات....."

"خبردار میرا نام بھی لیا اپنی گندی زبان سے، ایک بار کہا ہوتا تمہیں اس کا رہنا پسند نہیں ہے بھائی کہ تو ہوتا اگر وہ تمہیں یہاں دوبارہ نظر آتی پھر بھی تم نے اس کو چھوڑا جاتی میری بہن کو اپنی بے جا شک کی وجہ سے زندہ لاش بنا دیا، میں تمہیں طلاق۔" وہ چیخ رہا تھا وہ کیا کہہ رہا تھا سکتے کی کیفیت میں بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"نہیں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔" اس نے غصے سے کہہ کر الماری کھولی تھی، شائلہ یک دم پر سکون ہوئی تھی وہ جانتی تھی وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے اسے نہیں چھوڑ سکتا، میں اسے منا لوں گی دل میں ایک امید جاگی، مگر دوسرے ہی پل اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹی کیا یہ مجھے قتل کرے گا، پہلا خیال ہی اس کے دل میں آیا تھا، اسے پیچھے ہوتا دیکھ کر وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔

"کیوں ڈر لگ رہا ہے شائلہ، اس وقت ڈر نہیں لگا اس خدا سے جس کی پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر حلف دیا تھا، اس وقت دل میں خوف خدا نہیں آیا جب کہ ایک معصوم پر بدکردار کے الزام لگایا تھا، اس وقت تمہیں یہ خیال نہیں آیا تم رب کا سامنا کیسے کرو گی، کیا سوچ کر تم نے اس سے اتنی نفرت دل میں پالی کہ اس کو تباہ کرنے کی قسم اٹھا لی اس وقت تمہیں رونا یاد نہیں آیا جو آج رو رہی ہو۔" اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر وہ دہاڑا تھا۔

"بے فکر رہو شائلہ تمہیں قتل نہیں کروں گا، یہ آسان موت تمہیں نہیں ملے گی، لیکن خدا کی

"انان۔"

ریحاب سے حسد کی آگ نے اس کے دل میں صرف اور صرف نفرت بھر دی تھی، اب اس کی باتیں بھی بری لگنے لگی تھیں اور ان پر ریحان کی، انسان جب کسی سے حد سے زیادہ نفرت کرنے لگتا ہے تو پھر اس کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور وہ اب اس موڑ پر کھڑی تھی، وہاں صحیح غلط کی پہچان نہیں ہوتی ہے اور اپنے دل کی تسکین چاہے ہوتی ہے اور یہ تسکین اس نے اپنی خوشی حاصل کرنی تھی اور یہ خوشی اسے تب ملتی جب ریحاب یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلی جاتی جو وہ چاہ رہی تھی وہ..... کر چکی تھی مگر اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ اطمینان نہیں ہو سکی تھی یہ بے چینی اسے اب اکثر بے چین کر دیتی تھی۔

☆☆☆

"آپ کو نہیں معلوم ماما اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ ریحاب یہاں سے نہیں گئی، عمر کی نوکری اگر اسے نہ دیکھوں تو میں مر جاؤں گی، ریحان کی بات ہی نہ کریں پہلے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں اس کا، عمر پر جھوٹا الزام لگا کر سوچا تھا دونوں میں غلط فہمیاں ہو جائیں گی دونوں یہاں سے مگر میری امید تھی کہ....."

"چٹاخ۔" گال پر ریحانہ کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو چکے تھے، فون جا کر گر چکا تھا، اس اچانک اقدام پر وہ بوکھلا گئی، اپنے ہی ہاتھ سے وہ خود کو جلا بیٹھی تھی۔

"بے غیرتی کی انتہا کر دی تم نے انتہا رکیک الزام خود پر لگایا، اپنی ذات پر انگلی اٹھائی صرف

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

قسم شائلہ میں مر جاؤں گا اس بوجھ کے سہارے میں جی نہیں سکتا میں نے ایک بے گناہ کو گناہ گار کہہ کر دھتکار دیا اس بہن نے میری خوشی کی خاطر اس شخص سے کنارہ کر لیا جو اس کی زندگی تھا، تمہیں خدا نے اولاد پتہ ہے کیوں نہیں دی تم اس قابل نہیں ہو تمہاری سوچ اور ذہنیت اتنی گندی ہے یہ مجھے معلوم نہیں تھا، ورنہ تم جیسی عورت سے شاید محبت تو کیا شادی بھی نہ کرتا اب میں کیا کہوں گا اس معصوم کو جانے میں غلط تھا اور وہ ٹھیک، ایک حاسد عورت نے اس کا گھر اجاڑ دیا ایک ڈائن اس کی خوشیوں کو کھا گئی جواب دو ہے تمہارے پاس اس بات کا کوئی جواب۔" وہ ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ چکا تھا، شائلہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"پیچھے ہٹ جاؤ اور خدارا کسی کو نہ بلاؤ، میرا تماشہ مزید مت لگواؤ، میں ان نظروں میں اپنے لئے شکایت نہیں دیکھ پاؤں گا جہاں صرف محبت اور غیرت دیکھی ہے، تم نے دولت کے لئے یہ کچھ کیا خود کو اور ریحاب کو برباد کیا۔"

"نہیں۔" وہ ایک پل کے لئے رکا تھا۔

"خود تو نے کیسی ریحاب کو برباد کیا، اب یہ آشیانہ ہاؤس تمہارا ہے میں نہیں۔" وہ ریوالور چلا چکا تھا اور وہ سکتے کی حالت میں بیٹھی چلی گئی، یہ کیا ہو گیا ایسا تو نہیں چاہا تھا اس نے دروازے میں تیزی سے داخل ہوتی ریحاب کو دیکھ کر پریشان خون میں لت پت دیکھا تو وہ تیورا کر گر پڑی تھی جب اسے ہوش آیا تو سر سے بھائی کی محبت اور ممتا کا آنچل دونوں ہی اٹھ چکے تھے، ایک عورت کی حسد کی آگ نے اس کو جلا دیا تھا، اسے اس عورت سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی اسے سمجھ نہیں آیا وہ کس چیز پر ماتم کرے، بھیا کی موت پر مان کے چلے جانے پر یا وہ محبت پر جو اس نے کھو دی تھی۔

☆☆☆

"تمہارے دوست کو تمہاری ضرورت ہے۔" اپنے غم میں وہ ولید کو یکسر بھول گیا تھا، اس کا میسج دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

"ابھی خیر۔" وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"خیریت ولید ٹھیک ہو تم۔" پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"ہیلو بات کر رہے ہیں آپ۔" نسوانی آواز سن کر عمر حیران ہوا تھا، جہاں تک اس کے علم میں تھا وہ اپنی بیوی کو ڈیورس کر چکا ہے۔

"جی مگر آپ کون؟"

"ولید کی ایکس وائف اصل میں اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور حالت بھی کافی کریٹیکل ہے، اس کے موبائل میں آپ کا نمبر تھا اس لئے میں نے آپ کو میسج کیا ہے، کوشش کریں آپ جلد از جلد یہاں پہنچ سکیں۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا عمر کو لگا اس کی سانس اٹک گئی ہے یہ کیا خبر دے رہی تھی وہ۔

"میں جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرتا ہوں مگر تب تک آپ پلیز اس کا خیال رکھیئے گا پلیز۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"اوکے۔"

فون بند کرتے ہی اس نے حساب لگانا شروع کیا اس کے پاس تو ٹکٹ کے پیسے بھی نہیں تھے، ہاں لیکن اس نے اپنے اور ریحاب کے گھر

کے لئے کچھ پیسے جمع کیے تھے وہ بینک میں جمع کے لئے کچھ پیسے جمع کیے تھے وہ بینک میں جمع

ہے، جب ریحاب نہیں رہی تو پیسے کیسا، ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی، اسے جلد از جلد امریکہ پہنچنا تھا جہاں اس کا عزیز دوست زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا، مگر اسے پہنچنے میں کافی دیر ہو چکی تھی، اس کے جانے سے پہلے ہی ولید احسان اس دنیا سے جا چکا تھا، عمر دران تھا قدرت نے اس کے ساتھ کیسا بھیانک کھیل کھیلا تھا، وہ تڑپ اٹھا، محبت سے تو اعتبار اٹھ چکا تھا اب وہ زندگی سے بھی ناراض تھا۔

"کیوں کیا میرے ساتھ اے اللہ کیوں؟" وہ سکان کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا وہ تین سال کی بچی اس کے رونے پر سہم کر خود بھی رونے لگی۔

☆☆☆

آج چار سال بعد وہ اس کے سامنے تھا جیسے وہ چار برسوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو چکی تھی، وہ حیران تھی قدرت کے یوں مہربان ہونے پر اب تو وہ یہ امید بھی کھو چکی تھی کہ کبھی وہ اس شخص سے مل بھی پائے گی، مگر اس کی دعائیں رائیگاں نہیں گئی تھیں، رب کو اس پر رحم آ گیا تھا، وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، جو پہلے سے بھی زیادہ وجیہہ دکھائی دے رہا تھا، وقت نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے تھے، وہ نہیں جانتی تھی وہ اس وقت ہاسپٹل میں کھڑی ہے اور اس کے اردگرد کھڑے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

"ڈاکٹر ریحاب آپ ٹھیک ہیں۔" کاریڈور سے گزرتی نرس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر متوجہ کیا تھا۔

"ہوں۔" اسے اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی

"آپ رو رہی ہیں۔" نرس کے سوال پر اس نے حیرانگی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے، کیا وہ سچ میں رو رہی تھی، وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی وہ تیزی سے عمر کی طرف بڑھی تھی، شاید اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"عمر۔" جانی پہچانی آواز پر عمر یکدم پیچھے مڑا تھا۔

اور اسے سامنے دیکھ کر بھی وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا وہ سامنے ہے، وقت نے اس پر کوئی اثر نہیں چھوڑا تھا بکھرے بال جو ہمیشہ کے شانوں پر پڑے رہتے تھے، اب سٹ کر باندھ لئے گئے تھے، خود سے ہمیشہ لاپرواہ رہنے والی لڑکی بہت ہی ڈیسنٹ اور سوبر لگ رہی تھی، چار برسوں بعد اسے لگا کہ وہ زندہ ہے اور زندگی اس کے اندر سانس لے رہی ہے، پلکیں جھپکائیں وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا جسے کبھی نہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی۔

"کیسے ہو؟" بالآخر اس خاموشی کو ریحاب نے توڑا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں۔" الٹا سوال ہوا تھا، ریحاب نظریں چرا گئی۔

"تمہاری بیٹی۔" معصوم سی بچی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے سوال کیا تھا اور اس بار لہجہ میں ایک حق تھا، شاید یہ آگے بڑھ گیا ہو اور اگر اس کی بیوی ساتھ ہوئی تو ان دیکھا اندیشہ اور وہم اسے اچانک ستانے لگا وہ بے چین نظر آ رہی تھی۔

"ہاں۔" اس کے جواب پر ریحاب کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا تھا، تو کیا واقعی یہ آگے بڑھ گیا، نم ہوتی آنکھیں مزید نم ہو گئیں۔

"ولید کی بیٹی ہے چار سال پہلے اس کا انتقال ہو گیا تھا جب سے میرے ساتھ ہے تو

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میری بیٹی ہی ہوئی نا۔" وہ اس کو آج بھی پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"جانتی ہو ریحاب میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ میرا دل باغی ہے اور جب یہ باغی ہو جائے تو پھر کسی کی نہیں سنتا اور میرے لئے میری زندگی اب یہ ہے۔" اس نے مسکان کی طرف اشارہ کیا۔ ریحاب مسکرائی اور عمر کو اس کی مسکراہٹ مضمحل لگی۔

"کیوٹ ہے۔" اس نے اسے پیار کیا اور عمر نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے کیا آپ شام میں مجھے اپنا ٹائم دے سکتے ہیں۔" ہمت جمع کر کے وہ اسے ملنے کا عندیہ دے رہی تھی۔

وہ اس سے ٹائم مانگ رہی تھی جس کے لئے اگر وقت نہ ہوتا تو وہ وقت نکال لیتا، اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"کتنے بجے۔" مسکان کو گود میں اٹھاتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"جب آپ کہیں۔" ہچکچاہٹ واضح تھی۔

"میں شام میں تمہارا ویٹ کروں۔"

"آؤں گی۔" وہ ایک امید سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وقت نے ان کے درمیان کتنے فاصلے کھڑے کر دیئے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"آؤں گی عمر فاروق خود کو تم سے آزاد کرنے کے لئے ضرور آؤں گی، چاہے اس کا انتظار ہے اب اگر وہ انتظار ختم ہوا ہے تو یہ کبھی موقع نہ ہواؤں گی نہیں۔"

☆☆☆

"میں اگر پیچھے مڑ کر دیکھوں تو احساس ہوتا ہے میں نے اپنی زندگی کو خود کٹھن بنایا ہے، یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی بھیانک خواب ہو جو ختم ہی نہیں ہو رہا، ڈراؤنے خواب کا دورانیہ بڑھتا جا رہا ہے روز روز وقت گزر رہا تھا لیکن میں تو اس میں مقید ہو کر رہ گئی تھی آپ کو خود سے جدا کر کے۔" اس نے آہستگی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر دونوں بازو شال کے نیچے سینے پر باندھ لئے اس نے آنکھیں موندی ہوئی تھیں اور شاید آنسوؤں لڑھک کر گال پر بہہ رہے تھے وہ آنسو ہی تھے۔

وہ گم صم سا اسے دیکھ کر رہ گیا کہنے کو بہت کچھ اس کے پاس بھی تھا مگر اس وقت وہ صرف اسے سننا چاہتا تھا، اس کو جس کی آواز اس کے کانوں میں رس گھولتی تھی۔

"جیسے لگتا تھا ہر انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے لیکن میں غلط تھی، قسمت تو ہمارا نصیب ہوتی ہے جو ہمارے پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی جاتی ہے، ہاں اپنی قسمت کو بگاڑتے ضرور خود ہیں، جانتے ہو کیسے؟" اس نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور پھر عمر فاروق ان نگاہوں سے نظریں نہ ملا سکا، کیا کچھ نہیں تھا ان نگاہوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں، بے اعتباری کی جدائی اور شاید موت۔

"بے راہ روی کا شکار ہو کر، حسد اور بغض دل میں رکھ کر، شکر کے بجائے ناشکرا پن کر کے کسی کا گل دیکھ کر۔ اپنی جھولی پڑی بری لگنے لگتی ہے ہمیں ایک دوسرے کی خوشیوں سے جلنے لگتے ہیں اور پھر اپنی اور دوسروں کی قسمت بگاڑ دیتے ہیں۔" وہ ہنسی تھی، کتنے کرب کی ہنسی تھی۔

عمر نے بھی جان پایا وہ کتنا دیوانہ تھا اس کی ہنسی کا اور اس کی آنکھوں سے بہتی تو نچائے نہ کیوں اس کی آنکھوں سے بھی آنسو گال کو بھگو گیا تھا، عمر نے چونک کر ہاتھ سے اس گرم پانی کو محسوس کیا وہ رو رہا تھا، اس کے سامنے بیٹھ کر وہ تو ناراض

تذبذب واضح طور پر نظر آ رہا تھا، اس کی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں، وہ کیا چاہتی ہے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا، ہاں مگر اپنے دل کی اس نے ضرور سنی تھی، ایک پل لگا تھا عمر کو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنے میں اور وہ یہ فاصلہ مٹا چکا تھا۔

اور شاید عمر کے اس رویے نے ریحاب کے اندر کچھ پیدا کر دی تھی اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ کر وہ جھجکتے سے کھڑی ہوئی۔

"میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟" والٹ سے پیسے نکال کر اس نے کاؤنٹر کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر کبھی مجھ سے محبت کی ہو تو بلا سوچے سمجھے بغیر کسی سوال کیے میرے ساتھ چلو اگر شرط منظور ہے تو چلو ورنہ۔" اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اگر کبھی محبت کی ہو۔" اس نے اس کے الفاظ کو دہرایا۔

"میں تو لمحہ لمحہ تم سے محبت کرتا رہا، بے اعتباری کا دکھ کے باوجود تم بے انتہا محبت کی، نفرت کرنا چاہی مگر اس دل نے ضد پکڑ لی اور نفرت کو مار دیا، یونہی یہ دل صرف تمہارے لئے دھڑکتا رہا ہے، چار سال کا عرصہ گزرا ہے ہمارے بیچ تمہیں ان چار برسوں میں کبھی کبھی نہیں مگر ہر روز تصور میں تمہیں اپنے قریب پایا ہے، آج جو تمہارے سامنے یوں کھڑا ہوں نا تو اسی محبت کی وجہ سے اور تم کہتی ہو اگر محبت کرتے ہو، عمر فاروق تم سے اتنی محبت کرتا ہے اگر آگ کا دریا بھی آ جائے تو تم تک پہنچ ہی جائے گا بغیر کسی سوال کیے۔" وہ اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

گاڑی آشیانہ ہاؤس میں جا رکی تھی، عمر نے بغور اس کی طرف دیکھا جس کا چہرے کسی بھی جذبات سے عاری تھا، وہ سمجھ نہ سکا وہ اسے یہاں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کیوں لائی ہے۔

"چلو۔" وہ گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھی تھی، جبکہ عمر کے قدم زمین میں دھنس چکے تھے، چار سال پرانا منظر پوری سفاکیت کے ساتھ سامنے تھا، یہی تو اسے مارا جا رہا تھا، اسے ہلکان کر کر کے ہلکان کیا گیا تھا۔

"جاؤ۔" اس کے دکھ کا اندازہ شاید ریحاب کو بھی ہو گیا تھا تبھی آہستگی سے اس کے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"محبت سے کہو میری انی فرمائش نہ لے ریحاب، بہت ہمت چاہیے اس دہلیز کو پار کرنے کے لئے۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

آشیانہ ہاؤس جہاں مسکراہٹوں اور قہقہوں کا راج ہوتا تھا، ویران پڑا تھا، وہ سیدھا لاؤنج میں آئے تھے ریحاب اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے بالکل اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"آپ کو حق ہے مجھے سزا دینے کا اور مجھے آپ کی دی ہوئی ہر سزا قبول ہے مگر اس سے پہلے میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں چار سالوں سے یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہوں اور آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بھی۔" بات وہیں سے شروع ہوئی تھی جہاں ریسٹورنٹ میں ٹوٹتی ہوئی تھی۔

"کہو میں سن رہا ہوں مگر اس سے پہلے اتنا بتا دو یہ گھر اتنا ویران کیوں ہے سب کہاں ہے؟" اس نے اپنے اندر اتنی ہمت جمع کر لی تھی کہ سب کا سامنا کر سکے، کیونکہ وہ جانتا تھا وہ مجرم نہیں ہے اور یہ بھی جان گیا تھا کہ سب جان گئے ہیں وہ بے قصور ہے۔

"یہ گھر تو اسی دن ویران ہو گیا تھا جس دن یہاں بے انصافی کی گئی تھی جب ایک یتیم پر ظلم ڈھایا گیا تھا، اس دن سے رحمت تو انٹھ گئی تھی پھر آشیانہ کیسے آباد رہ سکتا تھا، تمہارے جانے کے چھ ماہ بعد ماما کا انتقال ہو گیا، میری ماما نماز فجر کے بعد یہاں بیٹھیں ہوئی تھیں اور بھیا کے کمرے میں سے زور زور سے چلانے کی آوازیں آنے لگی، وہ آوازیں اتنی تیز ہو گئی میں اپنے کمرے سے اور ماما یہاں سے اٹھ کر بھیا کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں، مگر اس تک بہت دیر ہو چکی تھی، میرے بھائی نے میرے (1) میرے سامنے یہاں خود اپنے آپ کو گولی ماری تھی، میرا جان سے پیارا بھائی خون میں لت پت میرے سامنے پڑا تھا، میری ماں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی وہ بھی چلی گئی اپنے بیٹے کے ساتھ، مجھ سے پیار کا دعوا کرتی تھی مگر محبت بیٹے سے نبھائی، مجھے بھی نہ چھوڑ کر جانے والی ماں ہمیشہ کے لئے تنہا کر گئی، میں نے بہت روکا انہیں منت کی مگر انہوں نے میری سنی اور نہ انہوں نے، میں تنہا رہ گئی عمر بالکل تنہا۔" اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، کپکپاتی آواز اور آنسوؤں میں ڈوبا لہجہ اس کے دکھ کی مکمل عکاسی کر رہا تھا، وہ بلک اٹھی، اپنا غم بتانے کے لئے اس نے اپنے دل کا سارا غبار نکال دیا، جو نجانے کتنے برسوں سے اس کے اندر بیٹھا اس کو کھا رہا تھا، عمر زمین پر بیٹھی ریحاب کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"شش خاموش ریحاب چپ کر جاؤ، اتنا غم تنہا ہی سہہ لیا تم نے، میری جان چپ کر جاؤ، میں تو اپنے درد کو ہی سب سے بڑا سمجھ رہا تھا، مگر یہاں تو تمہاری کائنات لٹ گئی۔" اس نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگایا، عمر ریحاب نے اس کا کالر مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا، اس کی شرٹ آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی، وہ چپ ہو گئی تھی مگر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

شگفتہ شگفتہ رواں دواں
اردو کی آخری کتاب
طنز و مزاح

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی
محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ
اردو بازار لاہور

آنسوؤں کو بہہ جانے دو ریحاب، آج بعد تمہاری آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آئیں گے، میں آ گیا ہوں کہیں نہیں جاؤں گا میں تمہیں چھوڑ کر۔" اس کے چہرے سے بال پیچھے کرتے ہوئے وہ محبت سے کہہ رہا تھا لگ ہی رہا تھا کہ ان کے بیچ چار سال کا عرصہ بھی آیا ہے۔

"نہیں تم چلے جاؤ گے مجھے چھوڑ کے مجھے پتا ہے میں جانتی ہوں تم چلے جاؤ گے۔" وہ بچوں کی طرح مچل رہی تھی، تبھی رضیہ بھاگی چلی آئی تھی۔

"بی بی جی ان کی طبیعت مزید خراب ہو رہی ہے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہی ہے آپ جلدی آئیے۔" رضیہ جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی تیزی سے واپس بھاگی تھی۔

ریحاب نے خود کو عمر سے آزاد کرایا اور اٹھ کر رضیہ کے ساتھ بھاگی تھی، عمر بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"وہ مر رہا ہے اسے بچا لو میرے اللہ اسے معاف کر دو مجھے اللہ اسے بچا لو وہ مر رہا ہے، اس کی گناہ کی سزا اسے مل رہی ہے، میرے گناہ کی سزا تمہیں بھگتنی پڑ رہی تھی اور مسلسل چلائے جا رہی تھی عمر کو انہیں دیکھ کر جھٹکا لگا تھا، وہ کس وہم و گمان میں تھیں تھا شاکلہ کی یہ حالت ہوئی ہے۔

"ان کی یہ کنڈیشن کب سے ہے۔" اسے اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"بھائی کے انتقال کے بعد۔" وہ ناسمجھی سنبھال پا رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو ریحاب اپنے بھائی کو کہو مجھے معاف کر دیں مجھ سے ناراض نہ ہو۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کر اس کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"میں نے کہہ دیا معاف کر دیا سب نے آپ کو معاف کر دیا، غصہ کس بات پر آیا۔" ان کے بال پیچھے کرتی وہ محبت سے ان کا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"وہ آیا تھا کہہ رہا تھا میں تڑپوں گی جلو گی آگ میں آگ بھی آتی تھی مجھے جلانے میں جل رہی تھی میں بلایا تم نہیں آئی، میں اکیلی جلنے لگی مجھے درد ہو رہا تھا بہت زیادہ تم نے نہیں آئی تم کہاں تھی۔" وہ اب پرسکون ہو چکی تھی۔

"میں کہاں تھی خود کو ڈھونڈ رہی تھی شاید۔" وہ ان کا چہرہ صاف کر چکی تھی۔

"یا اللہ تیرے کرشمے تو ہی جانے۔" وہ دیوار سے ٹیک لگائے ان دو عورتوں کو دیکھ رہا تھا، ایک نے حسد میں آ کر دوسری کی ساری خوشیاں چھین لیں، ایسی آگ لگائی ریحاب تو جلی مگر بچا اس کا آشیانہ بھی نہیں اور ایک طرف وہ عورت تھی جو اپنے برباد کرنے والے کو محبت سے کھانا کھلا رہی تھی، وہ ششدر تھا دو عورتوں کا یہ روپ دیکھ کر۔

"انہیں معاف کر دو عمر تمہیں یہاں لانے کی وجہ یہی ہے جب تک تم انہیں معاف نہیں کرو گے انہیں سکون نہیں آئے گا پلیز انہیں معاف کر دو۔"

"کیوں کر رہی ہو ان کے ساتھ یہ ہمدردی یہ اس لائق نہیں ہے بلکہ تمہیں تو چاہیے تھا تم ان کو ان کے گھر چھوڑ کر آتی ڈائن ہے یہ عورت۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"جانتے ہو عمر مجھے ان سے نفرت کیوں محسوس نہیں ہوتی، اس کی بڑی وجہ شاید ان کی یہ حالت ہے، یہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتی تھی اور دیکھو قدرت نے اسے میرے ہی رحم و کرم پہ چھوڑ دیا ہے میں انہیں بدعا نہیں دے سکی کیونکہ یہ تو خود ایک بدعا بن گئی ہے، انہیں بھائی سے [illegible] تھی اور میرے بھائی کو ان سے بہت محبت انہیں کچھ کہہ نہ سکے اور خود کو اس دنیا سے لیا، یہ ابھی تک اس لمحے کی قید میں ہیں [illegible] ان کے خواب میں تو یہ ڈر جاتی ہے، روتی ہے اور پھر تھک ہار کر چپ ہو جاتی ڈاکٹرز کہتے ہیں یہ ٹھیک ہونا نہیں جتنی بھی ہے وہ اسی طرح رہے گی، مجھے ان کی حالت کر بہت دکھ ہوتا ہے۔" وہ اب چھوٹے نوالے بنا کر اس کے منہ میں ڈال رہی تھی۔

"عمر ایک مان لو انہیں معاف کر دو، تمہاری معافی ان کی مشکلات کم کر سکتی ہے۔" دم بخود تھا اس کی طرف کو دیکھ کر اور پھر اپنا ظرف ریحاب جتنا نہیں مگر تھوڑا تھوڑا ضرور لیا تھا۔

"میں نے انہیں معاف کیا، ریحاب میرا اللہ بھی انہیں معاف کرے، مگر تمہارے ظرف نہیں ہے کہ کوئی بھی ہمیں جلا دے اور اسے بچا لوں مگر تمہاری جذبات کی قدر کرتے ہوئے اتنی اجازت دے سکتا ہوں تم ان کی دیکھ بھال جاری رکھو۔" وہ خاموش ہوا تھا۔

تو کیا وہ اسے معافی دے رہا تھا، قسمت اس پر مہربان ہو رہی تھی، وہ دم بخود تھی۔

"اب ہم اپنا آشیانہ بنائیں گے جو واقعی بہت خوبصورت ہوگا اور ہر حاسد کی نگاہ سے دور ہوگا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے یقین دلا رہا تھا۔

☆☆☆

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میٹھی چھری

کنیز باہو

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نظریں سراپا انتظار دروازے کی جانب بار بار اٹھ رہی تھیں اور دل و دماغ پیٹ میں انتڑیوں کے احتجاج سے خاموش جنگ لڑ رہے تھے۔ صبح کی بھوک سے نڈھال شام ڈھلنے پہ تھک ہار کر وہ جلے پیر کی بلی کی طرح صحن میں چکر کاٹنے لگی۔ دروازے کے کھلنے کی ہلکی سی آواز پہ وہ لپکتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف چلی۔

"آج اتنی دیر لگا دی خیریت تو تھی؟"

متفکر انداز میں سوال پوچھتے ہوئے حنا کی نظریں اپنے شوہر کے دھواں دھواں اڑے ہوئے چہرے سے ہوتیں اس کے خالی ہاتھوں سے ٹکرا کے مایوس لوٹ گئیں۔

محسن آج معمول سے زیادہ خوش تھا۔ مزدوری کے ساتھ اسے اضافی کام بھی ملا تھا جس کا معاوضہ مالک نے خوش دلی سے نقد ہی ادا کر دیا اور اس کی محنت و لگن سے متاثر ہو کر کچھ ماہ تک بھی کام کا ٹھیکہ دینے کی ضمانت دی تھی۔ وہ خوشی سے سرشار گھر پہنچا کہ یہ خبر حنا کو سنانے کی عجلت میں یہ بھول گیا کہ حنا صبح کی بھوکی ہے، گھر میں راشن ختم ہے، اس کے لیے راستے سے کچھ کھانے کو لیتا جائے۔ محسن نے جیب ٹٹول کر رقم نکالی اور حنا کی ہتھیلی پہ رکھ دی۔ اس کی شروع سے ہی عادت تھی ساری جمع پونجی حنا کے حوالے کر دیتا اور پھر اپنی ضرورت کے لیے بھی اس سے مانگ کر استعمال کرتا۔

"آج کام زیادہ تھا بلکہ معاوضہ بھی۔ تمہاری دعا سے دیہاڑی اچھی لگ گئی ہے۔"

حنا کا متفکر چہرہ جس پہ خالی شکم کی تپش کے بجائے خوشی کی ٹھنڈی پھوار استقبال کر رہی تھی، وہ کھوجتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم نے یقیناً ابھی تک کچھ نہ کھایا ہوگا؟"

وہ بغیر کسی وضاحت سے سر جھکا گئی۔ اپنے تئیں کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ہر دکھ چھپا جانے والے کو ڈھونڈنے سے بھی اداسی کی کوئی رمق نہ نظر آتی چہرے پر

"تم چائے کا پانی چولہے پہ رکھو میں قریبی ہوٹل سے روٹی سالن لے کر آتا ہوں۔"

محسن انتہائی عجلت سے تیز تیز قدم اٹھاتا گیا۔ اور حنا مٹھی کھولے کسی گہری سوچ میں کھو گئی۔

✦✦✦

اس کے ابا سرکاری ادارے میں کلرک تھے، اس لیے گھر کی سلطنت بھی حسابی کتابی اصولوں پہ استوار تھی۔ گھر کے اخراجات کے لیے ان سے آمدن زیادہ لیکن اسے خرچ کرنے والے ہاتھ کفایت کے شکار تھے۔ اماں کو لگا بندھا خرچ دے کر پائی پائی کا حساب لیا جاتا۔ اماں بیچاری مجبور پاؤں دیکھ کر چادر پھیلاتے پھیلاتے اپنا دم ہی گھٹا لیتی۔ وہ غریب گھرانے کی ہر حال میں کھونٹے سے بندھے چپ سادھے گھر بسانے والی عورت تھی۔

حنا کی حساس طبیعت نے شعور کی سیڑھی پہ پہلا قدم رکھتے ہی ماں کی توہین و ذلت بھری زندگی کو بہت شدت سے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

ماضی کے دریچوں سے یادوں کے جھونکے چلنے لگے۔ آج پھر دل کی زمین کو غم کے بادلوں نے گھیر لیا اور اس کی آنکھوں نے ماں کے دکھ محسوس کرتے ہوئے برسنا شروع کر دیا۔

اس دن جب اماں نے بڑے ماموں کو کھانے پہ مدعو کیا کسی سپیشل اہتمام کی کوشش میں وہ صرف تورے سے ہی بھائی کو دعوت کر گئی۔ ماموں کے جانے کے بعد گھر میں دادی نے عدالت لگائی تھی جس میں اماں مجرم بن کر

اپنی مرضی سے ایک وقت کا کھانا بچانے کی غلطی کی سزا بھگت رہی تھی۔

"جو یہاں تم نے فقیروں کا لنگر خانہ کھول رکھا ہے تمہارا باپ دے جاتا کیا؟"

"میرا بیٹا درخت سے پیسے نہیں توڑ کے لاتا، جو تم یہاں عیاشی سے اسکے خون پسینے کی کمائی اڑا رہی ہو۔"

دادی کے نشتر کی بوچھاڑ شروع ہو گئی جسے اماں نے لبوں پہ چپ کی مہر لگائے نصیب کا لکھا سمجھ کر برداشت کر لیا۔

حنا باورچی خانے کی زمین پہ بیٹھی ماں کی جلے پیلے پاؤں اور آنسوؤں کی پوشی کا منظر چادر کے پلو سے دیکھتے ہوئے بولی: "اماں! ابا نے آپ کی شادی یہاں کیا دیکھ کر کی تھی۔ شادی سے پہلے کی آپ یہاں ہر روز یہ اذیت سہتی ہیں۔ یہی شادی ہوتی ہے تو میں شادی ہی نہیں کروں گی۔"

اس کے معصوم سوال پہ اماں کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ اتنی کم عمری میں بیٹی کا تلخ مشاہدات سے گزرنا اپنے خون کی اسکے شعور میں پرچھائی پڑ جانا نہ دیکھ سکی۔ اماں نے اسکے ہاتھ پکڑ لیے اور انھیں چوم کر دعا کی شکل دے کر کہا:

"اللہ سے عرضی کرو کہ تمہارے نصیب میں باوفا، صالح مخلص شوہر لکھے۔ جو دھوپ میں سایہ بن کر تمہارا ساتھ مخلصی سے تمام عمر نبھائے۔ وہ تمہی دست و داماں ہو کے بھی تمہیں پا کر خود کو دنیا کا خوش نصیب مرد سمجھے۔"

اللہ نہ کرے میرے مقدر کی چھاؤں پڑے تم پہ کبھی۔

میرے باپ نے عروسی چادر کے پلو کے ساتھ گرہ باندھ دی تھی۔۔۔ گرہ ڈالنے تک بیٹیاں گرہ کا بھرم رکھتی ہیں۔۔۔ برداشت محبت کی گٹھی میں ڈالی جاتی ہے۔ میری بیٹی بھی بہت صبروں والی ہے۔۔۔۔ تمہیں گھٹی میں پہاڑوں جیسا حوصلہ ڈالا ہے میں نے۔ میری دعا ہے اللہ سوہنا رنگ لگائے گا تمہیں فکر نہ کیا کر۔

✦✦✦

محسن روٹیاں لا چکا تھا اسے کھویا ہوا دیکھ کر باورچی خانے سے برتنوں میں سجائے ڈرے لیے اس کی جانب بڑھا۔ دائیں ہاتھ کھلا کر اسکے ہاتھ پکڑ لیے اور سر جھکا کہ بولا:

"ایک بات پوچھوں؟"

"میں ایک مزدور بندہ ہوں۔ کبھی حالات تنگ ہوتے کبھی اچھے۔ مانتا ہو تمہیں ہر آسائش نہ دے سکا جس کے لیے شرمندہ بھی ہوں تم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو جسے پا کر رب کا شکر گزار ہوں۔ بس کبھی کبھی ایک خوف ستاتا ہے۔"

حیرت سے اسکے چہرے میں نگاہیں مرکز کر کے پوچھنے لگی۔

"کیسا خوف؟"

"میں تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں۔ اگر کبھی تم حالات سے تنگ آ کر مجھے چھوڑ کے چلی گئی تو؟"

حنا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی ہتھیلی جاں کی طرف دیکھ کہ مسکرا کے بولی:

"عورت کو آسائشوں کی بھوک نہیں ہوتی۔ وفا اور عزت کی بھوکی ہوتی ہے۔ تمہاری مٹھی بھر وفا مجھے صبر و شکر کے ساتھ حالات کے ستم ظریفی کے مقابل پہاڑ بنا دے گی۔"

"مٹھی بھر وفا" صرف۔۔۔

وہ احساس تفاخر سے کسی غیر مرئی نقطے کو کھوجنے لگا تھا۔

✦✦✦

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ادھوری محبت

ماریہ خان

لاہور کی مشہور شاہراہ جو جوڑی اسٹاپ اے جانے والے ٹاؤن کو بھی مڑتی تھی۔ سرخ سگنل کے سامنے پرذین کو گاڑی کی بریک لگانا پڑی چہرے پہ بے زاری کے تاثرات لیے وہ ساتھ بیٹھی اپنی بیوی ماہین سے بے پرواہ سا لگ رہا تھا، ماہین بھی جیسے سوگوار سی خیالوں میں کھوئی ہوئی خود سے بے خبر سی تھی اچانک گاڑی کا شیشہ بجنے پر ذین نے اس جانب دیکھا جہاں ایک بچی اداسی کی تصویر بنے بھیک کی امید سے نظر آئی شیشہ تو بند تھا تاہم اس کے چہرے کے تاثرات تھے وہ مانگ رہی ہے اشارہ کرتے ذین نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور سگنل کھلنے کا ویٹ کرنے لگا بس پندرہ سیکنڈ ہی گئے اچانک ماہین نے بچی پہ نگاہ ڈالی تو وہ یک دم چونک گئی مگر سگنل کھل گیا تھا ذین نے گاڑی آگے بڑھا دی بچی بھی تیزی سے خالہ سمت مڑ گئی۔

"ذین ذین پلیز گاڑی روکو" ماہین جیسے چیخی

ناولٹ

کیا مطلب ہے تمہارا ذین نے غصے میں آتے ہوئے کہا؟

"کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا گاڑی نہیں روک سکتا کتنا کہا ہے میری گاڑی کے پیچھے" ذین نے برہمی سے جواب دیا

"تم گاڑی روکو پلیز مجھے اتار دو بس میں آجاؤں گی روکو گاڑی" ماہین نے چلاتے ہوئے کہا۔ ذین شدید غصے میں آ گیا۔

"تم تم پاگل ہو سائیکو ہو پتا نہیں کیوں میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا مجھے بھی پاگل کر دیا"

"تم گاڑی روکتے ہو یا نہیں میں شور مچا دوں گی" ماہین نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ ماہین کی بات سن کر ذین غصے میں آ کر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

آپے سے باہر ہو گیا اور مجھ سے ناکامی دیکھ کر دی۔

ماہین تیزی سے نیچے اتری اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں رکشے میں آجاؤں گی گھر" یہ کہہ کر وہ بیک سائیڈ پہ تقریباً بھاگتے ہوئے بڑھنے لگی۔ ذین نے جھٹکے سے یہ کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی "جہنم میں جاؤ مت آؤ واپس"

ماہین کی بے چینی بے قراری عروج پر تھی وہ لوگوں کی پرواہ کیے بنا چاروں طرف نم زدہ آنکھوں دکھ و غم کی تصویر بنے ایسے کچھ تلاش کر رہی تھی کہ بس مطلوبہ چیز مل جائے تو اس کی سانس اٹکی ہو مگر ایک چوک تو کیا کتنے چوک اس کے لیے کے بعد بھی ہزاروں لوگوں سے پوچھنے کے باوجود وہ ناکام ہی رہی ہمت جیسے ٹوٹ گئی دوپہر بھی اب اپنے آخری حصے ختم ہونے کو تھا وہ تھک ہار کر کسی بارے ہوئے جواری کی مانند کسی قریبی سائیڈ پہ بنے خالی بنچ پہ بیٹھ گئی جہاں متعدد لوگ بیٹھ کر اپنے اپنے گھر کی طرف جانے والی بس کے روٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ بال لیے گئے بے ترتیب سے ہو گئے تھے چہرہ پریشانی تھکن اور پسینے سے شرابور تھا۔ کئی دیر بعد سوچوں سے نکلنے کے باوجود اس نے رکشہ روکا اور سوگواری گھر لوٹ گئی۔

+++

بیرونی گیٹ پر رکشہ کے بعد وہ کرایہ ادا کرتی اندر داخل ہوئی اور پورچ میں کھڑی ذین کی گاڑی دیکھ کر لان میں ہی بکھری نظر ڈالتے ہوئے جیسے ہی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی وہاں ذین کو صوفے پر ٹی وی دیکھتے مصروف پایا۔ ذین کی نظر جیسے آتی ماہین پر پڑی اس نے ٹی وی کی آواز سلو کی اور یک دم غصے میں بولا

"آ گئی تم عیاشی کر کے کون فکر ہے مجھے جس کی خاطر تم پاگل ہو کر بھاگی ہو تماشا بنا کر"

ماہین نے کوئی جواب نہیں دیا اور صوفے پہ ڈھے سی گئی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے"

ذین غصے میں دھاڑا ذین کی آواز سن کر ماہین کی ملازمہ جو مکمل طور پہ ماہین کے سپرد رکھی ہوئی تھی دیکھ بھال کے لیے ڈرائنگ سے گزرتی مخل ٹی وی لاؤنج میں ماہین کو دیکھ کر ہی آ گئی۔

"چھوٹی بیگم پانی لاؤں"

ماہین نے اثبات میں گردن کو۔

"زہر پلاؤ" ذین نے ٹھوٹ سے جواب کیا

ماہین کچھ بھی کچھ نہ بولی اور ایک پانی کا گلاس پیتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور اوپر والی سائیڈ پر اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے ملازمہ سے بولی۔

"مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے میں آرام کرنے لگی ہوں۔" مطلب تھا کہنے کا میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔

ذین ماہین کی بات سن کر اور خود کو نظر انداز کرنے پر پیچ و تاب کھا گیا دھاڑ کر بولا

"ماہین سن لو یہ سب زیادہ دیر تک نہیں چلے گا تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا ورنہ پھر" یک دم سے چپ ہو گیا۔

+++

ماہین جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی ضبط کے سب بندھن ٹوٹ گئے وہ دروازے کو لاک کر کے اپنی الماری کی طرف بڑھی اور اک البم نکالا اور اس میں بنی تصاویر میں کھو گئی جو اک

شگفتہ شگفتہ رواں دواں
ابن انشا کے سفر نامے
لاہور اکیڈمی
042-37310797, 042-37371890

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔ جمشید احمد بہت آسودہ حال زندگی گزار رہا تھا۔ لاہور کے پوش علاقے ڈیفنس میں بنے بنگلے میں رہتا تھا اور ایک اور بنگلہ جو گلبرگ ٹاؤن میں تھا۔ رینٹ پر دیا ہوا تھا۔ لیبرٹی میں پانچ دکانیں اپنی جن کی بہت اچھی انکم ہوتی تھی اور فوج میں اچھے عہدے پر سے ریٹائرمنٹ لی تھی۔

"میں آج بات کروں گی بابا سے شہریار تم دعا کرنا بہت کچھ غصہ والے ہیں۔"

ماہین نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ شہریار اپنی تعلیم مکمل کر چکا تھا اور جلد جلد کسی اچھی نوکری کے لیے کوشاں تھا وہ ماہین سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ شاید ماہین بھی نہیں جانتی تھی اسے نازک سی پرکشش لمبی گھنی پلکوں والی ماہین جیسے نفیس والی دل میں براجمان تھی۔ شہریار کا مسئلہ نہ تھا اس کی ماں تو چاہتی تھی کب شہریار کے اور ماہین کے گھر ہاتھ مانگنے جاؤں۔

✦✦✦

"ماہین بیٹا دروازہ کھولو کب تک سوتی رہو گی۔"

شمیم بیگم نے ماہین کے بیڈروم کا دروازہ دوسری دفعہ کھٹکھٹایا تھا۔

"اُفف کیا ہے؟"

ماہین نے غنیدں میں ڈوبی اپنی خوبصورت آنکھوں کو ملتے ہوئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"بیٹا جلدی سے فریش ہو کر آؤ تمہاری پھوپھو آرہی ہیں ذین کے ہمراہ۔"

"تو میں کیا کروں؟"

ماہین نے بے زاری سے بیڈ پہ پھر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"اُفف بیٹا آج کسی نیک مقصد کے لیے آرہی ہیں نا"

شمیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بیڈ روم سے ماہین سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کیا مقصد ہے؟ مما کیا نیک مقصد؟"

ماہین نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"اُفف تم بس جلدی سے فریش ہو کر آؤ تمہارے بابا بھی نہیں بلا رہے۔"

یہ کہتے ہوئے شمیم مزید ہدایات دیتی واپس مڑیں ماہین سب سمجھ گئی تھی اور وہ بہت پریشانی کے عالم میں کتنی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ حالات پلٹا یوں کھائیں گے۔ جلد ماہین نے سوچا نہ تھا پھر جیسے ہی اسے وقت کے گزرنے اور ماں کی خفگی کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے فریش ہو کر نیچے جب پہنچی تو ڈرائنگ روم میں اس نے ذین کو پھوپھو زلیخا کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔

"آپ لوگ تیاری ہی باتیں کر رہے تھے۔"

زلیخا نے محبت سے ماہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ماہین کھوئی ہوئی سی بیٹھ گئی پاس جا کر۔ جان میں آج منگنی کی ڈیٹ لے کر ہی جاؤں گی۔ زلیخا نے محبت سے ماہین کے خوبصورت بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو کچھ سوچنے کا موقع دیں آپا"

شمیم نے فارمیلٹی پوری کرتے ہوئے کہا۔

"ارے کیا سوچنا بھی تم لوگوں کے سامنے ذین پلا بڑھا ہے سب جانتے ہو"۔ زلیخا نے مصنوعی خفگی سے جواب دیا۔

"وہ تو بات ٹھیک ہے مگر پھر بھی چند دن بعد میں سوچنے کے بعد جواب دوں گا۔"

جمشید احمد نے کہا سے جواب دیا۔

پھر رسمی باتوں کے بعد زلیخا تو چلی گئی اپنا مدعا بیان کر کے مگر ماہین سخت رنج والم سے گزر رہی تھی۔ اس نے فوراً کر کے لیا آتے ہی شہر

یار کو فون گھما دیا۔

"شہری پلیز اپنی امی کو کل ہی بھیجو ورنہ ساری زندگی پچھتاؤ گے۔"

شہریار اک دم سے سخت پریشان ہو گیا اور بولا۔

"ماہی کب سے کہہ رہا تھا اپنے بابا سے بات کرو مگر تم نے میری ایک نہ سنی میں امی کو کل ہی بھیجتا ہوں مگر اگر انکل نہ مانے تو؟؟؟"

"وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو یہ سب بعد کی باتیں"

ماہین نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

گھر والوں کے سب پلین دھرے کے دھرے رہ گئے جمشید کو جب پتا چلا ماہین شہریار میں دلچسپی رکھتی ہے تو وہ سیخ پا ہو گیا۔ اپنا حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہ زمین اپنی گردش بھی روک لے۔۔۔ ماہین کی شادی ذین سے ہی کریں گا۔ ماہین نے بہت واویلا مچایا۔ بھوک ہڑتال بھی کی مگر جمشید صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے انہوں نے زلیخا کو ہاں کر دی۔

✦✦✦

"ماہین میں مر جاؤں گا نہیں جی سکتا پلیز سمجھاؤ انکل کو"

شہریار نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ماہین سے التجا کی۔

جمشید احمد نے ماہین کی بات سن کر غصے میں چلاتے ہوئے کہا۔

"ماہین سوچا بھی مت تم میری اکلوتی بیٹی ہو میں کبھی بھی تمہاری اس شخص سے شادی نہیں کروں گا جو بالکل نکما ہے۔" ماہین نے بھی قدرے ضد سے کہا۔

"بابا میں شہریار کے علاوہ کسی کو سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے ذین سے شادی نہیں کرنی میری بھی ضد ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو میرا تم سے ہر قسم کا واسطہ ختم ہے۔ جائیداد میں بھی تم حصے دار نہیں ہو گی اور میری وصیت ہو گی تم مرنے کے بعد بھی میری صورت نہیں دیکھو گی۔"

جمشید احمد نے آخری کوشش کرتے ہوئے ماہین کو دھمکی دی۔ مگر ماہین نے ایک نہ سنی اور شہریار سے کورٹ میرج کر لی۔ جب جمشید احمد کو پتا چلا۔ اس نے ماہین اور شمیم کو بھی کہہ دیا کہ

"اگر ماہین گھر میں داخل ہوئی تو وہ سب کو گولی سے اڑا دے گا۔"

شمیم نے بہت منایا، جمشید کو ہاتھ باندھے کہ بیٹی ہے ضد چھوڑ دیں مگر جمشید کا فیصلہ پتھر پہ لکیر تھا اس نے بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ماہین سے دن گزرتے رہے شہریار کو کسی کمپنی میں چھوٹی سی جاب مل گئی وہ دونوں جیسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ سال بعد اللہ نے ماہین کو چاندی بیٹی دی ماہین نے پھر بیٹی کے ہمراہ جا کر باپ کو منانے کی کوشش کی مگر جمشید احمد نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ وہ اکثر تنہائی میں ماہین کے لیے تڑپتا تھا نواسی کو دیکھنے کے لیے بھی بے قرار تھا مگر اصولوں کے آگے ہار رہا۔ شمیم نے بہت بار ہا روٹھ کر منانے کی کوشش کی مگر نہیں مانے۔

دن پر لگا کر گزرتے رہے ماہین کی بیٹی تین سال کی ہو گئی تھی۔ ماہین نے فاطمہ نام رکھا تھا فاطمہ بہت کیوٹ ذہین تھی شہریار کی ماہین کی جان جیسے فاطمہ میں تھی۔ وقت کی دوڑ میں شہریار کی ماں بھی چھوڑ کر ابدی نیند سو گئی۔ شہریار کی محنت کے عوض اس کی ترقی ہوتی رہی۔ ماہین آسودہ زندگی گزار رہی تھی بس اک خلا تھا جو وہ نہیں بھر سکی۔

"شہریار!!" ماہین نے آفس جاتے ہوئے شہریار کو پکارا۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"شام کو جلدی آجانا پلیز! مجھے ماہین کے کچھ کپڑے لینے مارکیٹ جانا ہے۔"

"ارے تم ایسا کرو خود چلی جاؤ نا۔ مجھے آج بہت آفس میں کام نمٹانے ہیں۔"

شہریار نے محبت بھرے انداز میں ماہین سے التجا کی۔

"اچھا ٹھیک ہے مگر جلدی آجانا پلیز!" ماہین نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"اوکے مائی سوئیٹ بیگم"۔ شہریار نے پیار سے جواب دیا۔

+ + +

ماہین نے جلدی جلدی گھر کے کام نمٹائے اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور بازار پہنچ گئی۔ بلا بھگ بارہ کا ٹائم تھا جب شاپنگ پلازہ میں جمشید احمد کی نظر ماہین پر پڑی وہ فوراً سامنے پیڈ پہ چھپ گیا اور چپکے سے برستی آنکھوں سے فاطمہ کو دیکھنے لگا۔ جو ہو بہو ماہین کی فوٹو کاپی تھی ذہین آنکھیں لیے معصوم چہرہ لیے وہ شاید ضد کر رہی تھی کسی کھلونے کی۔ ماہین سنی ان سنی کر رہی تھی۔ جمشید کتنی دیر کھویا کھویا اپنے دل پر قابو پائے بیٹھا رہا پھر جیسے سیل فون کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

ادھر ماہین نے جلدی جلدی ضرورت کی چند چیزیں لے کے جیسے ہی پلازے سے نکل رہی تھی کہ اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی جو شاید گاڑی میں بیٹھنے والا تھا۔

ماہین نے دھڑکتے دل سے بے ساختہ اپنے باپ کو پکارا۔

"بابا جانی"۔

جمشید نے شاید سنا نہیں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ماہین کتنی دیر آواز دیتی رہی اور پیچھے بھی بھاگی اور اس اثنا میں اسے فاطمہ کی بھی خبر نہ رہی۔

مگر جمشید کی گاڑی سپیڈ سے آگے بڑھ چکی جہاں مشیل احمد بھی سراپا سوگوار بنا بیٹھا تھا اگلی آنکھوں میں فاطمہ کا معصوم چہرہ نقش ہو گیا تھا وہ بہت ضبط کر کے بیٹھا تھا۔ آنسو مچل رہے تھے پینے کو دل میں خواہش نے زور پکڑا تھا کہ وہ فاطمہ کو گلے سے لگائے۔ من کی خواہش بڑھ گئی تھی۔

ادھر ماہین بھری آنکھوں سے کتنی دور جاتی ہنڈا گاڑی کو دیکھتی رہی باپ کا لمس اور محبت یک دم سے جیسے دل کی دھڑکنوں کو بے قرار کر گئی۔ چند منٹ یوں ہی کھوئی سی وہ جب واپسی کے لیے پلٹی تو سامنے فاطمہ نظر نہ آئی اک گہری پریشانی دھڑکتی دھڑکنوں سے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ارد گرد فاطمہ کو تلاش کر رہی تھی ہر لمحہ سانس رکتا محسوس ہو رہا تھا اب چہرے پہ گھبراہٹ کے ساتھ گھبراہٹ کی ملی جلی چیخیں نکل رہی تھی لوگ آس پاس کے کچھ حیران ان سے اسے دیکھ رہے تھے اور کچھ وجہ بھی پوچھ رہے تھے ماہین نے کتنے چکر پلازے کے اندر باہر لگائے مگر فاطمہ کا سراغ نہ ملا۔ سیل پر ماہین کا نمبر دیکھ کر شہریار نے کال کی کرتے ہوئے بولا۔

"یس سوئیٹ ہارٹ حکم؟"

مگر اس کے توقع کے برعکس ماہین کی درد میں ڈوبی آواز نے شہریار کے حواس گم کر دیے۔

"کیا کیا ہوا ماہین؟ سب خیریت تو ہے نا تم ٹھیک ہو فاطمہ کدھر ہے؟"

"وہ شہری پلیز جلدی آؤ تم وہ فاطمہ مجھ سے کھو گئی ہے" جواب میں ماہین بلک بلک کے رو رہی تھی۔

"کیا کیا بک رہی ہو تم ہوکہ ہو گئی فاطمہ؟ میں آتا ہوں۔"

جواب میں شہریار نے اپنی سے جگہ پوچھ کر سیل آف کرتے ہوئے بھاگا۔

موجودہ جگہ پہ اسے لوگوں کے ہجوم کے بڑھ حال سی ماہین روتی ہوئی نظر آئی۔ جیسے ہی نظر شہریار پہ پڑی وہ چلتے ہوئے شہریار سے لپٹ گئی۔ نہ وہ پنکا ہوش نہ جوتی کا۔

"شہریار مجھے میری بچی تلاش کر دو میرا سانس بند ہو جائے گا"

"ریلیکس ہو جاؤ ماہی میں کرتا ہوں" آس پاس کے دکانوں نے اور پلازے کے مالک نے جلدی سے پولیس کو کال کر دی تھی اور چند منٹ بعد ہی پولیس تھانے کی تھوڑی سی پوچھ گچھ کے بعد پولیس والوں نے تلاش کا جائزہ لینے کے بعد تھانے بلا لیا۔ رپورٹ درج کروا کے جب تمام صورتحال سننے کے بعد شہریار غصے میں باہر ہوتے ہوئے بولا۔

"تم اپنی اپنے باپ کو دیکھ کر مدہوش تھی کہ تم نے فاطمہ کا بھی دھیان نہیں رکھا۔ تم ذمے دار ہو میری بچی کی۔"

مگر ماہین مسلسل روتی رہی۔ ایس ایچ او نے مکمل انکوائری کے بعد پوچھا۔

"آپ کی دشمنی تو نہیں کسی سے"

"نہیں سر کسی سے نہیں۔"

شہریار جو ادھ موا سا ہو گیا تھا فاطمہ کی وجہ سے بنی کیس کیا گیا جمشید کو بھی کال کر دی گئی۔ جب اسے پتا چلا فاطمہ گم ہو گئی ہے۔ اسی پلازے سے جہاں وہ اپنا [illegible] دیکھ کر آیا تھا تو وہ تڑپ سا گیا۔ اندر جذبہ وہ ماہین کو بھاگا جہاں ماتم کی کیفیت تھی۔ ماہین نہیں رہی تھی باپ کو دیکھ کر وہ چیخ مار کر لپٹ گئی۔

"بابا بابا پلیز میری بچی مجھے لا دیں۔"

وہ منت کرنے کے انداز میں بلکتے ہوئے بولی۔

جمشید بہت دل برداشتہ تھا اس نے ماہین کو کسی حالت میں نہیں دیکھا تھا مگر وہ اسے کیا تسلی دیتا خود زخم خوردہ سا تھا۔

وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا نا جانے فاطمہ کدھر گئی کوئی سراغ نہ مل سکا جمشید نے اپنا اثر و رسوخ بھی بہت استعمال کیا مگر فاطمہ کا پتا نہ چل سکا شہریار میں اور ماہین کے [illegible] فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ شہریار اکثر ماہین سے ایک ہی سوال کرتا کہ تم فاطمہ کی حفاظت نہ کر سکی۔ ماہین یہ سن کر اور بکھرتی جا رہی تھی۔ جمشید ماہین کی حالت کے پیش نظر اسے اپنے گھر لے آیا تھا شہریار اور ماہین کی دوریاں بڑھتی رہی۔ آخر بات طلاق تک جا پہنچی۔ مجھے طلاق چاہیے اک دن سرِ شام ماہین نے شہریار پہ جیسے بم گرا دیا۔

"کیا تم ہوش میں تو ہو؟" شہریار نے دکھ سے پوچھا۔

"ابھی تو ہوش میں آئی ہوں۔" ماہین نے سنگ دلی سے جواب دیا۔

"تمہارا اپنے حواس میں" شہریار جیسے ماہین کے چہرے [illegible] کرنے لگا ہو۔

"مجھ سے میری بیٹی دو سال گئی میں پل پل کانٹوں میں رات دن بسر کر رہا ہوں اور تم مجھ سے خود کو بھی الگ کرنا چاہ رہی ہو۔ اتنا ظلم"

"میں کچھ نہیں جانتی مجھے بس طلاق چاہیے۔" ماہین جیسے کٹھور سی بن گئی۔ لاکھ منت سماجت بھی کام نہ آئی آخر اس نے عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جمشید تو پہلے ہی خلاف تھا شہریار کے۔ اس نے بھرپور ساتھ دیا۔ وہ آج بھی ذہین کی ماہین سے شادی چاہتا تھا آخر وقت نے پلٹا کھایا اور ماہین شہریار میں ملحقہ گی ہو گی۔ شہریار بکھر سا گیا تھا دوہرے صدمے نے گھیر لیا تھا۔ وہ دل برداشتہ ہو کر وہ گھر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ شہر ملک ہی چھوڑ کر چلا گیا۔

ادھر ماہین اپنے ماں باپ کے سامنے مجبور ہو کر ذین کی زندگی میں آ تو گئی مگر وہ محبت پیار ذین کو نہ دے سکی۔ ہر وقت کھوئے رہنا اور کبھی کبھار گھنٹوں کمرے میں بند ہو نا گھومنے کے لیے فوری بہانہ کرنا۔ ان سب چیزوں نے ذین کو بھی بے یقینی کی کیفیت میں ڈال دیا تھا وہ لاہور میں کاروبار کر رہا تھا اور بہت بلندی میں جا رہا تھا۔ ماہین کی خوبصورتی پہلی نظر میں ہی مر مٹا تھا مگر ماہین کے اس بی ہیو نے اسے کئی موقعوں پہ سوچنے پہ مجبور کر دیا کہ وہ غلطی کر گیا ہے۔ ماہین سے شادی کرنے پر دھیرے دھیرے دوریاں بڑھتی جا رہی تھیں ماہین کو پروا نہیں تھی ذین کے آنے کی جانے کی۔ اس دن بھی وہ ڈاکٹر کو چیک کروانے کسی گائناکالوجسٹ کے پاس سے واپسی آ رہا تھا جب ماہین نے یہ صورتحال پیدا کی تھی۔

✦✦✦

"سنیں!" ایک صبح مسز جمشید نے ناشتے کی میز پہ جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو۔"

"وہ میں کہہ رہی تھی کہ میں چند دن کے لیے لاہور ہو آؤں۔ ماہین کے پاپا دل اداس سا ہے۔"

"چلی جاؤ مگر پلیز ماہین کو سمجھاؤ بچہ کو اب زندگی کی طرف لے آئے۔ کل ذین کا فون آیا تھا وہ بہت ڈس ہارٹ تھا ماہین کی طرف سے۔"

"میں کیا کروں ماں ہوں خیر سمجھاؤں گی جا کر۔"

کتنی دیر گزر گئی آنسوؤں کے سیلاب میں اور گزرے دنوں کی یادوں نے پتا نہیں چلنے دیا شام کے سائے بھی گہرے ہو گئے۔ جب بھی موسم بدلتا ہے انسانی فطرت ہے۔ اداسی بلاوجہ ٹھہر سی جاتی ہے اور ماہین تو ہمہ تن وہ من کے زخم خوردہ تھی جلدی سے اٹھتے ہوئے اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔ بالوں کو سمیٹتے ہوئے نیچے اترتے ہوئے بیگماں کو آواز دی چوکیدار کا وقت کے لیے ملازمہ بھی ہوئی تھی۔

"جی بیگم صاحبہ!" بیگماں نے جھٹ سے ماہین کے پاس آ کر حاضری دی۔

"کدھر میں صاحب" ماہین نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"جی بیگم صاحبہ کافی دیر سے نکلے ہوئے ہیں کھانا لگواؤں"

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے بس چائے سٹرونگ سی بنا دو۔" ماہین نے صوفے کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بیگم صاحبہ" بیگماں فرماں برداری سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بس یہی معمول ہو گیا۔ ماہین ہر روز نکل جاتی گھر سے پاگلوں کی طرح شہر کے چوک چوک پھرتی اور شام کو تھک ہار کر نڈھال سی واپس آ جاتی۔ ذین نے ماہین سے بات کرنا ہی بند کر دی تھی اس شام بھی نڈھال صدیوں کی تھکن لیے جب ماہین گھر میں داخل ہوئی تو اس کو فی دی لاؤنج میں ماں کی آواز سنائی دی۔ جو ذین سے بحث و مباحثہ میں مصروف تھی۔

"کیا آپ؟" ماہین خوشی سے ماں سے لپٹ گئی۔

ذین نے ماہین کو دیکھتے ہی وہاں سے نخوت سے اٹھ کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے ماہین کو دیکھنا بھی نہ چاہتا ہوں۔ ماہین کو بھی پروا نہ تھی اس کی۔ وہ بس ماں کے

ماتھے پہ کر خوشی محسوس کر رہی تھی۔

"بیٹا مجھے بات کرنی ہے تم سے" شمیم بیگم نے بہت سے ماہین کو خود سے الگ کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی جی مما بولیں!" ماہین نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"بیٹا! ذین تم سے بہت بدگمان ہوا ہے تم کو بیوفا سمجھ بیٹھا ہے کیوں وقت نہیں دیتی زین کو بیٹا نکل آؤ اپنے خول سے، نہ گھر برباد کرو پھر سے وہ آپ کو ملنا ہو تو مل جاتی اور کراچی میں گم ہوئی تھی یہ لاہور ہے۔"

شمیم نے نم آنکھوں سے ماہین کو حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ماہین نے تڑپ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"نہیں میرا دل کہتا ہے فاطمہ اسی شہر میں ہے میں ڈھونڈ لوں گی۔" ماہین نے بلکتے ہوئے کہا پھر جیسے صوفے پہ ڈھے سی گئی۔

"مما آپ بھی تو ماں ہیں اک ماں کا درد نہیں سمجھتی میں کسی پل سکون میں نہیں ہوں فاطمہ نے تڑپ کر پکارا ہو تے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں میری بچی مگر حقیقت تو تسلیم کرو تمہارے بابا نے کتنی کوشش کی پھر شہریار بھی تو تین سال یہیں بیٹھا وہ تلاش کرتا رہ گیا۔" شمیم نے مزید کہا۔

شہریار کے ذکر پہ ماہین یک دم سے سوگوار ہوئی یادیں بکھرے ہوئے سمندر کی طرح ماہین کو بے چین کر گئی۔ اک احساس دکھ شرمندگی کا اسے اپنی لپیٹ میں لے گیا کہ اس نے اچھا نہیں کیا شہریار کے ساتھ خلع لے کر وہ منت کرتا رہا کہ مجھ سے میرا جہان نہ چھینو مگر ماہین کو نا سمجھ گیا ہوا فاطمہ تو میری غفلت سے گم ہوئی پھر شہریار کو یہ سزا کیوں؟ شرمندگی نے ماہین کو بہت بے چین سا کر دیا تھا۔

✦✦✦

فاطمہ کو لاپتہ ہوئے تقریباً ڈھائی سال ہونے کو آئے تھے ماہین کے گزرے شب و روز میں نہ رنگ نہ امنگ رہی۔ وہ ذین کے ساتھ بھی خود سے جدا ہی رہی ماں باپ کا دل توڑنا اس احساس نے ماہین کو ذین سے شادی پہ مجبور کیا تھا مگر وہ پل بھی شاد نہ رہ سکی۔ شہریار کا دیوانہ پن اور محبت ہی الگ تھی وہ بھلا نہ سکی پھر فاطمہ کا گم ہونا بہت بڑا المیہ تھا کراچی کے سولجر بازار سے گم ہوئی فاطمہ نہ ملی ذین لاہور شفٹ ہو گیا تھا۔ پھر فاطمہ لاہور میں کیسے ملتی۔

وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے ایسے ایسے سبق نقوش چھوڑ جاتا ہے کہ انسان بکھر سا جاتا ہے۔ سمیٹنا اختیار سے باہر ہوتا ہے ہوٹل کے ایک خالی کمرے میں لیٹا شہریار ماضی کے اتھاہ گہرائیوں میں کھویا ہوا تھا وہ تین دن پہلے ہی بیرون ملک سے واپس آیا تھا اور لاہور میں شفٹ ہونے کا کاروبار کا ارادہ تھا، اچانک بے چینی نے شدت اختیار کی وہ اٹھا اور کپڑے بدلنے کے بعد شہر کے مختلف حصوں اور سڑکوں کی خاک چھاننے کے لیے نکل پڑا

✦✦✦

ہاتھ میں فاطمہ کی تصویر اٹھائے بالوں کی لٹیں چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی چادر بھی سر کی بار بار سرک رہی تھی جسے وہ ٹھیک کر رہی تھی اور کسی کسی انجان شخص کو وہ پوچھتی پوچھاتی فاطمہ کی جھلک دکھائی اچانک سڑک پار کرتے ہوئے فٹ پاتھ پہ بنے بینچ پہ بیٹھے لاعلمی میں شہریار کے پاس آ پہنچی۔

"سنیں! اس بچی کو تو نہیں دیکھا یہاں کہیں سڑک پر۔" وہ کرب بے قراری کی آخری حدود

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کو چھو رہی تھی مگر جیسے ہی اس کی نظر شہریار پر پڑی وہ سکتے میں آ گئی۔ پھٹی آنکھوں سے وہ حیرانگی دکھ کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ منجمد سی جیسے ہو گئی ہو۔ بولنے کی قوت بھی جیسے سلب ہو گئی ہو شہریار کرب سے ماہین کے ہاتھ سے فاطمہ کی تصویر لے چکا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ آنسو پلکوں پر ٹھہر سے گئے تھے۔ اس دل کی کائنات اس کے سامنے حادثاتی طور پہ موجود تھی جسے کبھی کی دسترس میں کہاں رہی تھی اور اس کی لخت جگر تھی جو مسکراتی جیسے شکوہ کناں ہو اور کہہ رہی ہو بابا مجھے تلاش کریں میں آپ کے آس پاس ہوں۔

"ماہی تم اِدھر" شہریار جیسے ہوش میں آیا۔

"شہری تم! میرا مطلب ہے شہریار آپ؟"

ماہین پتھرائی آنکھوں سے سوال کرتے ہوئے جیسے خیالی دنیا سے باہر آئی ہوں۔

"ہاں میں چند دن پہلے آیا ہوں ملائشیا سے دل نہ لگا سو چا اپنے وطن جاتا ہوں جہاں یادیں مجھے پکار رہی ہیں۔" شہریار نے گہرے دکھ سے کہا۔

"مگر تم یہاں" شہریار نے پوچھا۔

"وہ میں میں یہاں فاطمہ کو ہر روز آ کر تلاش کرتی ہوں شاید مل جائے۔" نم زدہ آنکھوں سے ماہین نے نظریں جھکاتے کہا۔ شاید شرمندگی کے احساس نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"زین کے ساتھ خوش ہو" اچانک شہریار نے پوچھا۔

پاس پڑے بنچ پر بیٹھتے ہوئے نڈھال سی ماہین جیسے ڈھے گئی ہوں۔

"تم ٹھیک تو ہو ماہی" شہریار نے پریشانی کے عالم میں ماہین کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں" آہستگی سے ماہین نے جیسے ہاتھ چھڑایا ہو۔ اس احساس سے کہ اب اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا شہریار سے، اک گہری سانس لیتے آس پاس کی گاڑیوں کا جائزہ لیتے ہوئے دھیرے سے بولتے ہوئے کہا۔

"میں نے ہمیشہ دعا کی ہے تمہاری خوشیوں کی ماہی!" شہریار نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ماہین خاموش سے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی

"پتا ہے تمہیں میں نے ایک ماہ پہلے یہاں فاطمہ کو دیکھا تھا۔ شہری وہ وہ فاطمہ تھی ننھے پاؤں سڑک پہ بھیک مانگ رہی تھی سگنل پہ۔" ماہین جیسے بلکتے ہوئے بولی۔

"شہری وہ اسی شہر میں ہے میرا دل کہتا ہے۔" اب ماہین نے باقاعدہ بلک بلک کے رونا شروع کر دیا تھا۔

کک کک کیا کیا کہہ رہی ہو ماہی ف ف فاطمہ تم نے اسے پھر کھو کیوں دیا۔" شہریار اک دم سے بے قرار سا ہو گیا۔

میں زین کے ساتھ تھی گاڑی میں سگنل پہ گاڑی رکی تھی جب ماہین نے سب شہریار کو بتایا اور یہ بھی کہ وہ ہر روز اسی طرح سڑکیں کھنگالتی ہے۔ ماہین کی بات سن کر شہریار کو اک امید نے جیسے زندہ سا کر دیا ہو پھر دوسرے ہی لمحے وہ بولا۔

"ماہی یہ بھی تو ہو سکتا ہو کہ وہ فاطمہ نہ ہو۔"

"نہیں وہ فاطمہ تھی اک ماں کی نظر دھوکہ نہیں کھا سکتی وہ فاطمہ تھی۔" دونوں کچھ لمحے کے لیے بھول گئے کہ وہ اب کسی رشتے میں منسلک نہیں رہے مگر پھر بھی فاطمہ کے ذکر پر یوں لگ رہا تھا کی ہمیشہ سے ساتھ ہے جیسے

سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ماہین کیا کہہ رہا ہے زین؟" شمیم نے جیسے تصدیق چاہی ہو۔

ماہین کچھ نہ بولی تو زین کو جیسے شدید غصہ آیا ہو۔

"تم بتاتی کیوں نہیں کدھر سے آ رہی ہو؟"

"وہ بابا فاطمہ کا" ابھی جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ زین نے زور دار تھپڑ ماہین کی گال پہ جڑ دیا ماہین تھپڑ کی شدت سے صوفے پہ گر گئی۔

"زین" بیگم چیختے ہوئے بولی۔

"ہوش میں ہو تم؟ یہ کون سا جاہلوں والا طریقہ ہے بیوی سے بات کرنے کا" شمیم بیگم نے سسکتی ماہین کو سینے سے لگاتے ہوئے غصے میں کہا۔

"نہیں ہے یہ آج کے بعد میری بیوی یہ ابھی بھی شہریار کی ہے اسی کے پاس ہوتی ہے میرے پاس تو شروع سے تھی ہی نہ ہے۔" زین نے غصے میں کہا۔

"کیا بول رہے ہو تم" شمیم نے نم زدہ آنکھوں سے ماہین کا دفاع کیا۔

"میں ابھی سے ماہین تم کو اپنی زندگی سے نکال رہا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جیسے گھر سے نکل گیا زین کے منہ سے کہے گئے جملے جیسے ایٹم بم جو شمیم بیگم سکتے کے عالم میں یک دم چیخی مگر زین کو کہنے سے نہ روک پائی

"یہ سب یہ کیا کہہ گیا زین؟" شمیم جیسے درد کو برداشت نہ کر پا رہی ہو وہ تڑپ رہی تھی مگر شمیم بیگم کے برعکس ماہین سرتاپا خاموشی کی چادر میں گم تھی۔

صورتحال اتنی سنگین بھیانک ہو گئی سوچ کے دائرے میں بھی نہ تھا جمشید احمد کو جب یہ سچ ماہین نے جانے کا جب رستے پکڑا تو التجائیہ لہجے میں بولا۔

"شہریار پلیز! میری بچی مجھے تلاش کر دو۔"

شاید وہی لمحہ تھا جب شہریار نے بے چینی سے ہاتھ کے جوڑے ہوئے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے رہا کر لیا مگر پاس سے گزرتی گاڑی میں زین کی نظر جب ماہین اور شہریار پہ پڑی تو وہ دم بخود رہ گیا۔ اس صورتحال کا نہیں پتا تھا مگر اس نے گاڑی سے دونوں کا منظر کیچ کر لیا کہ کس طرح شہریار ہاتھ تھامے کھڑا تھا ماہین کے۔

"اچھا تو یہ گل ماہین کی روز کی مصروفیات۔"

زین برگر کھا رہا تھا، گھر پہنچ کر وہ بے چینی سے ٹہلتا رہا اور ماہین کا ویٹ کرتا ہوا دل ہی دل میں فیصلہ کر کے پھرتا رہا۔

"کیا بات ہے بیٹا خیریت تو ہے۔" شمیم نے کافی دیر سے جب زین کو اس طرح دیکھا بے قراری سے پوچھ ہی لیا؟

"ممانی ماہین کدھر ہے۔" زین نے غصے میں جیسے پوچھا ہو۔

"بیٹا پتا تو ہے تمہیں وہ اپنی ممتا کی تسکین کے لیے ہر روز یہی نکل جاتی ہے۔" شمیم جیسے وضاحت کی ہو۔

"تسکین یا پھر....." جیسے بولتے بولتے وہ چپ ہو گیا؟

"کیا مطلب ہے تمہارا" شمیم بیگم نے پریشان ہو کر بھی پوچھا تھا کہ قدموں کی آہٹ سے پلٹ کر دیکھا۔ ماہین اندر آ رہی تھی ماہین کو دیکھتے ہی شہریار نے لفظوں کو چباتے ہوئے بولا

"آ گئی آپ کی صاحب زادی، پوچھیں اس سے کس سے مل کر آ رہی ہے۔" زین جیسے دھاڑا۔

شمیم حیرت و دکھ سے کبھی ماہین کو کبھی زین کو

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

حقیقت پتا چلی وہ کراچی سے بھاگم بھاگ آئے مگر جب سب بات پتا چلی تو جیسے ہارے ہوئے جواری کی طرح نڈھال سے ہو گئے۔

"ماہین یہ تم نے کیا کیا تم نے؟" وہ شکوہ کناں تھے۔

"پھر مگر اجڑا ہے کیسے بسے گا؟" وہ تقریباً روتے ہوئے فریاد کر رہے تھے ماہین سے۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی شہریار سے ملنے کی۔ تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں دیا۔" وہ رو رہے تھے فریاد کر رہے تھے۔

ماہین جو اس اچانک واقعے کے بعد سرتاپا چپ تھی یک دم سے پھٹ پڑی۔

"یہ جھوٹ ہے بابا جان وہ بہتان ہے مجھ پر۔ میں نے تو کبھی شہریار کو ان دو سال میں دیکھا بھی نہ تھا۔" روتے روتے اس نے سب بات بتا دی کہ کیسے وہ فاطمہ کو تلاش کرتے کرتے غیر متوقع شہریار سے مل گئی تھی سرراہ۔" حقیقت سن کر جمشید اور شمیم ہکا بکا رہ گئے۔ تکلیف کے احساس نے جیسے دونوں کو نچوڑ لیا ہو کیسے ذہن نے حقیقت جانے بنا اتنا بڑا قدم اٹھا لیا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا اس نے کال کر کے جمشید کو واضح بتا دیا تھا کہ وہ اپنے لیے مستقل اگلی شفٹ ہو رہا ہے اور بھیجے رقم بھی بھاڑ میں گئی طلاق کے ماہین کو۔

صلح کے کوئی امکانات نہ بچے تھے کیا کرتے دونوں ماہین پھر اجڑ گئی تھی۔ مگر ماہین کے نام تھا جو جمشید نے کیا تھا ماہین کو کچھ فرق نہیں پڑا تھا طلاق کا بس اسے اک آس تھی امید تھی کہ فاطمہ مل جائے گی

+++

دن گزر رہے تھے شہریار اپنے جگری دوست ڈی ایس پی کے ساتھ تھانہ کینٹ میں بیٹھا تھا اور اس نے فاطمہ کے گم ہونے کے بعد سے اب کی تمام کہانی معین الدین کو سنا دی تھی۔

"ہمم" معین نے خیالوں میں کھوتے ہوئے کرسی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے شہریار سے سوال کیا۔

"کتنے سال کی تھی فاطمہ جب کراچی کے شہر سے پلازے سے گم ہوئی تھی؟"

"تقریباً پانچ سال کی" شہریار نے جواب دیا۔

"یعنی کہ اب فاطمہ تقریباً سات سال کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری سابقہ بیگم نے واقعی فاطمہ کو ہی دیکھا ہو۔ مجھے ملنا ہے تمہاری سابقہ بیوی سے انکوائری کے سلسلے میں۔"

معین نے جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر کہا اور بولا۔

"کیس کی پانچ سال کی عمر کی پک بھی چاہیے۔"

"ہاں ہاں میرے سیل میں بہت ہیں۔" شہریار نے جلدی سے اپنے سیل میں سے نکال کر دکھانے کے بعد وٹس اپ پر ماہین کے سیل پر جانے پہچانے نمبر کی ٹیون جب ماہین نے دیکھی تو اس نے فوراً کال پک کی۔

"ہیلو جی"

"ہم میں ہوں ماہین شہریار!"

"تم شہریار خیریت تا" ماہین نے سوال کیا۔

"تم تھانہ کینٹ آسکتی ہو کچھ دیر کے لیے اپنی فاطمہ کے سلسلے میں چند سوال پوچھنے ہیں تم سے۔"

"ہاں ہاں میں آتی ہوں۔" فاطمہ نے فوری ہامی بھری اور ایڈریس پوچھ کر مطلوبہ پتے پہ پہنچ کی تمام حقیقت ڈی ایس پی کو گوش گزار کرنے کے بعد وہ پرامید سی ماہین نے کیسے

فاطمہ کو ہیلپ مانگتے دیکھا تھا وہ بھی ہاری چلی۔ ڈی ایس پی معین الدین نے فوری ایکشن لینے کا وعدہ کیا اور تسلی دی ماہین بہت بے قراری دن گزار رہی تھی۔ جمشید اور شمیم بیٹی کے لیے ہی رو رہے تھے۔ دن بہت بے زار سے گزر رہے تھے کہ اک دن سرشام کی چائے پیتے ہوئے لان میں جمشید نے ماہین کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ماہین بیٹا"

"جی بابا" ماہین نے کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"ماہین مجھے معاف کر دو میں تمہارا مقروض ہوں بیٹا" جمشید نے کپ میز پہ رکھتے ہوئے دکھی لہجے میں جواب دیا۔

"ارے بابا پلیز! ایسا مت کہیں بس میرا نصیب جو آج خالی دامن میں دونوں ہاتھ خالی ہیں۔" ماہین نے درد میں ڈوبے لہجے میں جواب دیا۔

ماہین کی بات پہ دونوں تڑپ اٹھے شمیم جلدی سے بولیں۔

"نہیں بیٹا! ایسا نہیں بولتے سلسلہ غفور رحیم ہے انشاء اللہ سب اچھا کرے گا۔" جمشید کو سارا ماہین نے بتایا تھا کہ شہریار نے پھر لاہور تھانہ کینٹ میں لاپتہ فاطمہ کی رپوٹ درج کروائی ہے۔

"کچھ انکوائری کی ہے"

"کیا شہریار کے دوست نے"

"جمشید نے سوال کیا۔

"جی جی بابا کر رہے" ماہین نے اداسی سے جواب دیا۔ جمشید نے اسی لمحے دعا کی دل کی گہرائی سے ماہین کی خوشیوں کی ماہین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بہت دکھی تھا اس کی آنکھوں میں ہلکے پڑ گئے تھے رنگت زرد ہو گئی تھی بکھری بکھری ماہین نے جمشید کو تڑپا دیا وہ باپ کی محبت کا شاید حق نہیں ادا کر سکا تھا آنسو بے چین سے ہو گئے تھے بہنے کے لیے شاید ان اشکوں کو مخفی رکھنے کے لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"وہ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے" یہ کہتے ہوئے وہ چل دیے گئے۔ شمیم جانتی تھی اب ساون کا برستا ساون ہی ہے جمشید بہت کم کمرے میں بند ہوتا تھا مگر آج وہ اپنی بیٹی کے لیے تڑپ سا گیا تھا

+++

جمعرات کی رات تھی ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی سردی کا آغاز ہونے کا۔ سرد ہوائیں پتا دے رہی تھیں شام میں جلد ہی ٹھہرنے کے لیے آ ہی تھیں اور جہاں دکھوں کے ڈیرے ہوں وہاں تو ویسے بھی شام ہی شام لگتی تھی رات کا نا جانے کون پہر تھا ماہین بے قراری کروٹیں بدل رہی تھی کی اچانک بے قراری کو شکست دینے کے لیے وہ اٹھی اور وضو کیا نوافل ادا کرنے کی غرض سے وہ جائے نماز پہ کھڑی ہوئی دوسرے کمرے میں جمشید بھی اللہ کے آگے سجدے میں جھکا ہوا تھا۔ رات بیت رہی تھی مگر باپ بیٹی دونوں اللہ کے آگے ایک دوسرے کی دعا سے بے خبر اللہ کے آگے اشکوں کا نذرانہ دے رہے تھے۔ جمشید اللہ سے اپنی بیٹی کی خوشی اور فاطمہ کے ملنے کے لیے دعا گو تھا وہ رو رہا تھا بلک رہا تھا اپنی بیٹی کے لیے خالق حقیقی کے آگے گڑگڑا رہا تھا آنسو تھم بند توڑ کر بہنے پہ مجبور تھے۔ ادھر ماہین اپنے دامن میں اللہ سے اپنی بیٹی کے لیے سراپا سوال تھی نا جانے کب فجر کی اذان نے ان کو پھوٹنے کا سندیسہ دیا ماہین نے چادر سے اپنے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اشک پونچھے اور نماز فجر ادا کی پھر پتا نہیں کب آنکھ لگ گئی۔

"ماہی بیٹا!" کب سے شمیم دروازہ ناک کر رہی تھی ماہین ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی جلدی سے دروازہ کمرے کا کھولا۔

"جی امی سوری پتا نہیں چلا کب صبح ہوئی۔ ماہین نے جلدی سے ماں کو راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! تم آؤ جلدی فریش ہو ناشتا تیار ہے۔" شمیم نے کہا۔

"جی جی امی آتی ہوں۔" ماہین نے جواب دیا۔ یک دم سے پلٹتے ہوئے شمیم بیگم بولیں۔

"تمہیں پتا ہے رات تمہارے ابا بھی نہیں سوئے ساری رات جاگتے رہے ہیں نوافل ادا کرتے رہے ہیں اور دعا میں تمہارے لیے۔"

ماہین کی باپ کی شفقت پہ، باپ کی دعا اور اللہ کے درمیان تو تمہیں پھر تم ہونے لگی۔ ماہی تم دیکھنا تمہیں ساری خوشیاں ملے گی۔ شمیم بیگم نے پھر پورے یقین سے ماہین کو تسلی دیتے ہوئے کہا

"جی امی! انشاء اللہ!" ماہین نے تشکر سے بھری آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ناشتا خاموشی سے ہوا تھا ماہین کا اور جمشید کا چہرہ گزری ماتم زدہ رات کا قصہ سنا رہا تھا کہ کیسے انہوں نے رب کو پکارا تھا کہ اچانک ماہین کے سیل پر نامعلوم نمبر سے کال آئی ماہین نے چائے کا کپ سائیڈ پہ رکھتے ہوئے ہیلو بولا دوسری طرف مکمل خاموشی تھی ماہین نے دو تین دفعہ ہیلو جب بولا تو جمشید اور شمیم ماہین کے چہرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ کس کا فون ہے کہ اچانک اک سرگوشی سے مانوس سی آواز لہجے میں درد اور کرب چھپائے ابھری۔

"ماما! ماما!"

"ہیلو ہیلو" ماہین یک دم سے پیلی زرد ہوگی "کک کون کون میری فاطمہ!" سانس جیسے رکنے والا تھا اور کانوں میں لہو نہیں والی کیفیت تھی ماہین کی حالت دیکھ کر جلدی سے شمیم اور جمشید اٹھ کھڑے ہوئے

"کیا ہوا کون ہے ماہین خریت"

وہ بہت بے قرار سے ماہین سے پوچھ رہے تھے۔

"جلدی بولو کیا ہوا؟" جبکہ ماہین کی حالت بے چینی سے مرنے والی ہوگئی تھی وہ ماں باپ سے یکسر بے نیاز سیل کی طرف متوجہ تھی جہاں سے آواز ماما کی آرہی تھی۔

"کک کون فاطمہ کدھر ہو تم؟ فاطمہ ہوا میری بچی" ماہین جیسے جینے لگی سیل اس کے ہاتھ میں مضبوطی سے یوں تھما ہوا تھا جیسے وہ اس کے لیے کل جہان ہو اس لمحے ماہین پاگل سی ہو رہی تھی وہ رو رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ ژولیدہ جملے ادا ہو رہے تھے اس کے لبوں سے ماہین کی حالت دیکھ کر جمشید

انہوں نے زبردستی سیل لیا۔ جہاں پر ڈی ایس پی معین الدین آن لائن تھا۔

"ہیلو" جمشید بے تابی سے بولا

"کون"

"دیکھیں سر! میں تھانہ کینٹ سے بول رہا ہوں آپ فوری اپنی بیٹی کے ساتھ تھانے آجائیں۔" بس اس سے آگے جمشید سے نہ سنا گیا۔ جو بیٹی کی طرف مڑا تو ماہین کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی شمیم مسلسل اسے سنبھال رہی۔

"چلو چلو بیٹا! میرے ہاتھ مجھے لگتا ہے

فاطمہ مل گئی ہے" جمشید کا سانس یک دم سے پھول گیا تھا۔ شمیم کی حالت بھی یک دم سے بے قرار ہوگئی تھی۔ ماہین سے صبر نہیں ہو رہا تھا وہ پاگلوں کی طرح بیرونی دروازے کی طرف بڑھی پیچھے پیچھے پیدل ہی بھاگ جائے گی تھانے۔

"رکو بیٹی گاڑی کی چابی کہاں ہے۔" شمیم جلدی سے بھاگتے ہوئے تقریباً چابی اٹھالائی جیسے وقت رک سا گیا تھا ماہین سارے راستے روتی رہی۔

"بابا! جلدی تیز تیز چلائیں گاڑی بابا پلیز دیر ہو جائے گی۔" ماہین یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی دم نہ نکل جائے وہ بھاگم بھاگ جیسے ہی تھانے کی حدود میں پہنچے ماہین دروازہ کھولتے ہی اندر بھاگی ڈی ایس پی کے آفس میں مگر اسے فوراً روک دیا گیا پیچھے جمشید اور شمیم بھی پہنچے تو اندر سے اجازت ملتے ہی وہ جب اندر پہنچی تو سامنے ڈی ایس پی کی چیئر کے رائٹ سائیڈ پر صوفے پر پہلے نظر شہریار پر پڑی پھر بے قراری کے ساتھ اس سے چپکی ایک سات سالہ بچی جو شہریار کے سینے میں منہ چھپائے ہوئے اس طرح تھی کہ چہرہ واضح نہ ہو رہا تھا، ماہین کا وہ حال تھا کہ جیسے ابھی گر پڑے گی چہرہ دھواں دھواں آنسوؤں کے نشان چہرے پر ثبت تھے بھیگی پلکوں کو لیے وہ کانپتے کانپتے شہریار کے ساتھ چپکی بچی کے پاس پہنچی کہ اس کا چہرہ سامنے کرے۔ جہاں شہریار بچی کو بانہوں کی گرفت میں لیے اپنی کل کائنات کو سینے بھری آنکھوں اور محبت سے ماہین کو دیکھ رہا تھا خاموشی یوں ہوگی تھی جیسے ابھی قیامت برپا ہوگی۔ ڈی ایس پی خاموشی سے بھری آنکھوں سے ماں کے ملن کے منظر کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔

"ٹھہری یہ یہ فاطمہ ہے نا؟" ماہین نے قریب آتے ہی فاطمہ کو اپنی طرف کیا اور چہرہ بغور سے دیکھنے لگی وہ فاطمہ ہی تھی اس کی جنت دو سال کی دوری صدیوں کی مسافت کے برابر تھی تڑپتے ہوئے فاطمہ کے چہرے کو اپنی نرم انگلیوں سے چھو رہی تھی رنگت گزرے دنوں کی کہانی سنا رہی تھی۔ ہاتھوں کی نرماہٹ قائم تھی مگر مٹی نے الجھے بالوں کا ریشمی پن ابھی تک قائم تھا۔ ماہین کے آنسو یک دم رک گئے وہ فاطمہ کے ہونے کا خود کو جیسے یقین دلا رہی تھی۔ پھر بس نہ جذبات نہ احساسات قابو میں رہے وہ یک دم چیخ مار کر فاطمہ کو اپنے آغوش میں لینے لگی وہ بلک رہی تھی رو رہی تھی۔ اپنے اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔ فاطمہ بھی گھبرا کر رونے لگی وہ ماں باپ کا کس پہچان گئی تھی شاید وہ بھی خود کو یقین دلا رہی تھی کہ ماں باپ کی دولت اسے مل گئی ہے۔ گندے مندے کپڑوں میں ملبوس وہ بار بار فاطمہ کو سینے سے لگا رہی تھی اسے چوم رہی تھی اس کی یہ حالت دیکھ کر شمیم اور جمشید بھی رو رہے تھے۔ جمشید کو رات کی وہ دعا یاد آنے لگی جب اس نے مدتوں بعد اللہ کو پکارا تھا اور اتنی جلدی قبولیت دعا نے اسے سر تا پا اللہ کے آگے تشکر کرنے والا بنا دیا۔ شہریار بھی رو رہا تھا کہ اچانک معین الدین بولا۔

"بہت خوش قسمت ہیں آپ فاطمہ مل گئی یہ سب اللہ کے حکم اور شہریار کی معاونت سے ہوا۔ بھکاری گینگ اسے خرید کے کراچی سے لاہور اک سال پہلے لایا تھا ہم نے گرفتار کر لیا ہے سب کو اور مطلوبہ بچے بھی بازیاب کروا لیے ہیں ان کو ان کے ماں باپ تک جب تک نہیں پہنچا دیتا میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔" جمشید بولا

"میرے پاس الفاظ ختم ہو گئے ہیں شکریہ

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کے اللہ تعالیٰ سب کو ایسے پولیس والے عطا کرے۔" دل سے مشکور ہوں۔"

فاطمہ ماہین کے پاس لوٹ آئی وہ دونوں میں بدل گئی پہچانتی تو تھی ماں کو مگر حالات نے چپ لگا دی تھی جمشید اور شمیم اور ماہین کی محبت نے اسے پھر سے کھلا کھلا کر دیا۔ ماہین کے روپ کی رونق لوٹ آئی تھی وہ کسی لمحے ماہین کو اکیلا نہ چھوڑتی۔ شہریار ہر روز فاطمہ سے ملنے آتا گھنٹوں کھیلتا ان کے ساتھ پھر واپس چلا جاتا اس دن بھی شام میں جمشید اور شمیم چائے پی رہے تھے۔ لان میں ماہین اور شہریار کھیل رہے تھے فاطمہ کے ساتھ کہ اچانک جمشید بولے

"شمو!"

"جی بولیں" شمیم نے لفظ شمو بہت دن بعد سنا تھا، جمشید کے منہ سے جب جمشید بے حد خوش ہوتے تو شمیم بیگم کو شمو بولتے تھے۔

"دیکھو کتنے خوش ہیں مگر ان کے بیچ اک دیوار ہے شمو" جمشید نے دکھ سے کہا۔

"جی میں بھی یہ ہی سوچ رہی تھی" شمیم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

اچانک شہریار نے جب واپسی کا راستہ لیا تو فاطمہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

"بابا آپ واپس نہیں جاتے ہیں ماما کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟"

معصوم سے سوال نے ماہین اور شہریار کو گھبیر کر رکھ دیا۔

"بس بیٹا! کام ہیں نا بابا کو" شہریار نے فاطمہ کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"بابا میں اتنے دنوں کے بعد آئی ہوں اب آپ ہر روز چلے جاتے ہیں آپ تو گم نہیں ہوں گے نا؟"

معصوم سوال نے شہریار اور ماہین کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے زخمی نظروں سے ماہین کو دیکھا جہاں شکوؤں کا سمندر تھا اور ان گنت سوال تھے۔ ماہین نے نظریں چراتے ہوئے چہرہ جھکا لیا پھر ماہین کو ساتھ لپٹتے ہوئے بولی۔

"بیٹا بابا بڑے ہیں گم نہیں ہوں گے کل پھر آئیں گے نا"

ماہین نے تسلی دی۔

"پھر آ کر پھر واپس چلے جائیں گے نا" فاطمہ نے پھر سوال کر دیا،

شہریار زخم خوردہ سا اٹھ کھڑا ہوا بولا۔

"میری جان چاندنی جب تک زندہ ہوں روز آؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا۔ برستی آنکھوں کا منظر شاید چھپانا چاہتا تھا دونوں کی گفتگو سے شمیم اور جمشید بھی بہت دکھی سے ہو گئے۔ جمشید کو فاطمہ میں ماہین کا پرتو نظر آتا تھا۔ فاطمہ کا ماہین کے ساتھ بہت اٹیچ سے ہو گئی تھی۔ شمیم اور جمشید کی دعا دی سمٹ کر فاطمہ میں آ گئی تھی۔ اس رات فاطمہ کو ساتھ سلائے ماہین گزرے دنوں کے حصار میں محو تھی۔ جب دستک نے دروازے کی طرف اپنی جانب مبذول کیا۔

"جی کون ماما" ماہین کو جیسے اندازہ تھا کہ ہو گی۔ فاطمہ کو پیار کیے بنا سوتی نہیں تھیں مگر شمیم کے ساتھ جمشید کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور بولی۔

"ارے بابا جان آپ خیریت ہے نا"

ماہین نے حیرت کے احساس سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا خیریت سوئی فاطمہ" جمشید نے پوچھا۔

"جی بابا سوئی بھی سوئی ہے" ماہین نے سہولت سے جواب دیا۔ پھر خود ہی کہنے لگی

"اسے سکول کا سوئی دی تھا میں بابا"

کر یک دم سے جمشید نے ماہین کی بات کاٹ دی

"ماہین!"

"جی بابا!" ماہین نے سوالیہ چہرے سے جمشید اور ماں کی طرف دیکھا۔

"بیٹا وہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے"

"جی جی بابا پلیز بولیں نا" ماہین نے فوراً

"دیکھو ماہین ہم آج ہیں کل نہیں سب کے ماں باپ ہمیشہ تو نہیں رہتے نا" جمشید نے نہایت سے آگاہ کیا ہو جیسے۔

"ایسے تو مت کہیں بابا پلیز!" ماہین تڑپی

"مجھے تو زندگی ہی اب ملی ہے۔"

"بیٹا میں چاہتا ہوں یہ زندگی زندگی ہی رہے فاطمہ کو اب کسی محرومی کا احساس نہیں ہونا چاہیے بیٹا تم سمجھ رہی ہو نا"

جمشید نے جیسے التوا سوال کر دیا ہو۔

"میں کبھی نہیں بابا"

"شاید وہ سمجھ بھی گئی تھی"

ماہین نے نظریں جھکا کے کہا۔

"بیٹا میں چاہتا ہوں تم شادی کر لو پلیز"

جمشید نے مشکل سے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا۔

"نہیں بابا پلیز نہیں کبھی نہیں۔ میں فاطمہ پر سوتیلے باپ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی"

ماہین تڑپ کر بولی۔

"ارے پوری بات تو سن لو میری بچی" شمیم نے قلت میں کہا۔

ماہین نے سوالیہ چہرے سے باپ کو پھر دیکھا۔ جمشید اٹھتے ہوئے ماہین کے ساتھ بیٹھ گیا اور فاطمہ پہ چادر ٹھیک کرتے ہوئے بولا

"میری بچی فاطمہ کو بن باپ کے کبھی نا پالنا اس کی دو سال کی محرومی صدیوں کے برابر ہے جو تم اکیلی دور نہیں کر سکتی اسے باپ کے ساتھ مل کر ہی کر سکتی ہو" جمشید نے جیسے سمجھایا میں جھی ماہین بولا ماہین شاید سمجھنا نہ چاہتی ہو پھر اچانک شمیم بولیں۔

"بیٹا جیسے جیتے ہیں تم شہریار سے پھر سے نکاح کر لو جیسے ہی عدت کے دن جو کہ تھوڑے ہیں ختم ہوتے ہی....."

ماہین یک دم سے چپ کر گئی دل کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں اندر دل کے اس کے یہ خواہش دبی تھی۔ جیب سے فاطمہ ملی تھی اور شہریار اس کی محبت بھی تھی ابھی تک دل میں براجمان تھا مگر ماہین چپ رہی۔

"میں تمہاری چپ کو ہاں سمجھوں بیٹا؟"

شمیم نے پوچھا۔

"امی وہ مگر شہریار" جیسے ماہین کو ڈر ہو کہ شہریار نہ انکار کر دے۔ ماہین کے خدشے کو سمجھتے ہوئے جمشید فوری بولا۔

"بیٹا شہریار کی فکر نہ کرو اس نے ہی مجھ سے کہا ہے میرے دل میں تھا مگر اس نے پہل خود کر دی۔" جمشید نے بتایا اور امید بولا۔

"مجھے شہریار کو پرکھنے میں دیر ہوئی مگر واقعی ہیرا ہے" جمشید نے شہریار کی وکالت کرتے ہوئے کہا اور سوالیہ نظروں سے ماہین کی طرف دیکھنے لگا وہ ماہین کی دل کو پڑھ چکا تھا بس اقرار سننا چاہتا تھا بولو بیٹا جمشید نے پھر پوچھا۔

جی بابا ماہین نے نظریں جھکاتے ہوئے دھڑکتے دل سے حامی بھر لی اک وہ وقت تھا جب وہ جمشید کے سامنے شہریار کے لیے کھڑی تھی اک وقت کا پلٹنا ایسا ہوا کہ اب جمشید ماہین سے شہریار کی وکالت کر رہا تھا۔ ماہین کی دبے ہوئے اثبات کے جواب نے دونوں میاں بیوی

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کو سرشار کر دیا۔ اگلے دن ہی یہ نوید شہریار کو جمشید نے دے دی۔ شہریار کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ بھاگتا ہوا ماہین کی طرف پھولوں کے گلدستے لیے پہنچا۔ جہاں ماہین اور فاطمہ بے صبری سے شہریار کا انتظار کر رہی تھیں۔

"وہ آ گئے بابا" فاطمہ بھاگتے ہوئے باپ کے لپٹ گئی ماہین کچھ فاصلے پر کھڑی تھی جمشید کو اندازہ تھا کہ شہریار کے اس لیے اس نے دور سے لان میں داخل ہوتے سے دیکھ لیا تھا وہ لان میں نہیں آیا تا کہ دونوں اپنے دکھ شکوے کر لیں۔

ماہین نظریں جھکائے کھڑی تھی جب شہریار آہستگی سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ماہین کی طرف بڑھا۔

"ماہی!"

"جی!"

ماہین نے جواب دے کر نظر جھکا لی چہرے پہ چھوٹ رہے تھے گلنار چہرہ وہ مدت بعد دیکھ رہا تھا اسے بے ساختہ ماہین پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ بے تاب کے عالم میں بولا۔

"ماہی میری جان ہو نا" پوچھے گئے سوال نے ماہین کو سرشار کر دیا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا" ماہین نے دھڑکنوں پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

"آپ لفظ آپ بولنے نے شہریار کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی۔ محبت سے لبریز لہجے سے بولا۔

"ارے تم بھی ناپلی میں میرا گریڈ بڑھا دیتی ہوں ترقی دے دیتی ہو"۔

"کیا مطلب؟" ماہین نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"ارے میری جان ادھر دیکھو" شہریار نے لان میں پڑی کرسی پہ ماہین کو بیٹھاتے ہوئے پھر ایک نظر فاطمہ کی گال پر پیار کرتے ہوئے بولا

"فاطمہ جانی! ماما کو سے بول جا کر بابا کا پانی پئیں گے اچھی سی اور ساتھ سویٹ بھی" شہریار جیسے فاطمہ کو اس لمحے بھیجنا مناسب سمجھا۔

"سوئٹ وہ کیوں؟" ماہین نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میری ہونے والی دلہن میں بہت خوش ہوں آج" شہریار نے نثار ہوتی نظر ماہین کا بغور جائزہ لیا۔

"مگر کیوں" ماہین جان بوجھ کو انجان بنی چہرہ گلنار سا ہو رہا تھا کہ جمشید نے بات کرنا ماہین سے۔

"اب بتاؤ ہم بتائیں کیا؟"

شہریار نے ایک دم سے ماہین کے سر دباتھ تھامتے ہوئے پوچھا پھر جیسے سنجیدہ سا ہو گیا اور بولا۔

"ماہین مجھے اپنی پناہ اپنی باہوں میں لے لو ہمیشہ کے لیے تھک گیا ہوں تنہا رلایا ہے تمہاری جدائی نے اور فاطمہ کی اب مل گئی ہے نا۔ مجھ سے دور نہ کرو خود سے" ماہین جیسے سسک پڑی۔

"شہری کبھی بھی نہیں دور ہوں گی اب سب پل پل ساتھ رہیں گے"

ماہین نے محبت سے شہریار کے ہاتھ جیسے چوم لیے۔

"اب نہیں الگ ہو گے ماہی کبھی نہیں وعدہ کرو میرے ساتھ جیون کا سفر کرو گی ماہی کرو وعدہ یار"۔

تقریباً برستی آنکھوں سے فریاد کی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں شہریار کبھی نہیں

رہا تھا مگر ماہین کو یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی صبح ہوئی ہو رکنے والی صبح ٹھہرنے والی صبح وہ سرتاپا کہ اللہ نے اسے پھر سے دنیا میں جیسے بھیج دیا ہو۔

پل پل ساتھ رہو گی۔ میں اندر سے تو ہوتی نکل ہی نہ سکی آپ کی یاد" ماہین نے جیسے شہریار آسمان پہ بیٹھا دیا ہو شہریار جذب سے اپنی موہنی سی صورت والی پری کو دیکھا پھر جیسے دیکھتا ہی رہا پھر جانے کیا شرارت سوجھی اچانک بولا

"اب اگلے سال اس وقت تم بہت بڑی ہو گی"

"مطلب؟" ماہین نہ سمجھی۔

اچانک فاطمہ بھاگتی ہوئی آ گئی بولی

"بابا نانو کہہ رہی ہیں آپ کھانا بھی کھا کر جانا" بولا۔

"اوہ میں شدتِ شدت میں اپنی پارو پہ گرویا ہو گیا" پھر ماہین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ آپ بڑی ہوں گی بیگم صاحبہ"

"کیسے"

"تو نہیں وہ فاطمہ کا ایک اور بہن بھائی بھی تو آنا چاہیے نا" شہریار نے شرارت سے ماہین کو کہتے ہوئے شہریار کی بات پہ ماہین گلنار سی ہو گئی اور ہلکا سا شہریار کو مارتے ہوئے بولی۔

"بے شرم کہیں کے" شہریار نے جیسے اوور ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ مر گیا یار اتنی زور سے فاطمہ ماما کیسے کیسے طریقے سے بابا کو مار دیتی ہیں"

پھر جیسے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا

"تم دنیا کی سب سے خوبصورت معصوم لیڈی ہو میری جان!" ماہین نظریں جھکائے ایسے بیٹھی تھی کہ جیسے کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکے گی شہریار کو۔ سورج ڈوب گیا تھا اندھیرا گہرا ہو

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
دنیا گول ہے
آوارہ گرد کی ڈائری
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چین کو چلیے
آخری کوشش پھر مسافر
خدا کی بستی کے
اس بستی کے ایک کوچے میں
چاند نگر
دل وحشی
آپ سے کیا پردا

ڈاکٹر مولوی عبد الحق
قواعد اردو
انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر
طیف غزل
طیف اقبال

لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نمرہ احمد نایاب

آسیہ برکت

جب میں تھک ہار کر گھر پہنچی تو امی کافی خوش نظر آرہی تھیں۔

غائب ہو گئی۔ اس قدر خوش دیکھ کر میری ساری تھکن

کی خوشی کی وجہ پوچھ لی۔

"کیا بات ہے امی آج آپ بہت خوش نظر آرہی ہیں۔"

"کیوں خالہ نے باسم کو گھر سے نکال دیا؟"

میں بے اختیار بولی تھی مجھے انتہائی بیزاری ہو رہی تھی باسم کے آنے کا سن کر میرا موڈ آف ہو چکا تھا۔

اللہ نہ کرے۔۔۔۔۔۔ وہ تو اس کی نوکری یہاں لگ گئی ہے نہ کمپنی کی طرف سے گھر بھی ملے گا پر وہ ملنے میں کم از کم ایک دو ماہ لگ جائیں گے

آصفہ کہہ رہی تھی تب تک باسم کسی ہوٹل میں رہ لے گا

میں نے تو صاف منع کر دیا تھی جب خالہ کا

ناولٹ

گھر ہے تو وہ کسی ہوٹل میں کیوں جائے؟ میں نے اسے یہاں رہنے کو کہا ہے۔

امی بولتے چلی جا رہی تھیں۔

امی یہ آپ نے کیا کر دیا؟؟؟؟

میں نے شکایتی نظروں سے امی کو دیکھا۔

کیوں نہیں یہ اس کی خالہ کا گھر ہے۔ اور آصفہ اس نے تمہارے رشتے کی بات بھی کی تھی کہ بیچ تم دونوں ایک دوسرے کو جان لیتا۔

امی کی خوشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی میں جھنجھلا کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی

کیا مطلب ایک دوسرے کو جان لیتا؟

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جو آپ سوچ رہی ہیں نہ وہ کبھی نہیں ہوگا۔
باصم میرا دشمن ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
میں غصے میں کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

مجھے امی پر غصہ آرہا تھا وہ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں۔
باصم میری خالہ کا بیٹا ہے اور میرا پکا دشمن وہ بچپن سے تھا۔
ابو ایک سرکاری ملازم تھے میں جب آٹھ سال کی تھی وہ اس دنیا سے چلے گئے
تب میں نے باصم کو آصفیہ خالہ کے ساتھ دیکھا تھا
دس سالہ باصم معصوم لگ رہا تھا
مجھے نہیں تھا پتہ یہ بچہ معصوم نہیں بلکہ شیطان کا ابو ہے
تین ہفتوں میں باصم نے اپنا شیطانی رنگ دکھانا شروع کر دیا۔
وہ جانتا تھا میں کاکروچ سے کتنا ڈرتی ہوں
پھر بھی وہ کاکروچ کو اس کی مونچھوں سے پکڑے میرے پیچھے پورے گھر میں بھاگتا رہتا تھا جب تک کہ امی اسے روک نہ لیتیں وہ مجھے بھگاتے رہتا۔
کبھی میرے بستر میں چھپکلی سے جوڑ دیتا۔
کبھی کچھ تو کبھی کچھ امی سے مجھے تنگ کرنے کا ہر حربہ آزمایا وہ ماہ میں میری زندگی عذاب بنا دی وہ دو ماہ کیسے گزرے یہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔
جب آصفیہ خالہ اپنے گھر جا رہی تھیں میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا کیونکہ باصم جا رہا تھا اس کے جانے کے بعد میں نے دو نفل شکرانے کے ادا کیے اور دعا کی کہ وہ میرے زندگی میں دوبارہ کبھی نہ آئے۔
مجھے باصم سے نفرت ہو گئی تھی۔

پھر جب پانچ سال بعد وہ ہمارے گھر آیا پندرہ سالہ باصم بہت شریف سا لگ رہا تھا بہت خاموش ایسا لگتا تھا جیسے وہ سدھر گیا ہے
مجھے کچھ تسلی سی ہوئی
سارا کام کر کے میں سکون سے سوئی صبح امی کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی میں نیند سے بیدار ہوئی تو بارہ بج رہے تھے امی مجھے بلا رہی تھیں
پھر یاد آیا آج خالہ واپس جا رہی ہیں
امی مسلسل مجھے بلا رہی تھی۔
میں بنا منہ دھوئے سیدھا لاؤنج میں جا پہنچی خالہ جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں
امی مجھے دیکھ کر زور سے چیخ پڑی مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا
دانین یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟
امی مجھے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھ رہی تھیں
اور خالہ خالو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے انہوں نے آیت الکرسی پڑھنے کے باوجود کوئی جن دیکھ لیا ہو۔
امی کمرے سے آئینہ لے آئیں اور میرے سامنے کیا۔
آئینہ دیکھ میری اپنی چیخ نکل گئی۔
میرے منہ پر اتنے سارے رنگ کہاں سے آگئیں میں بھوت لگ رہی تھی
امی مسلسل صلواتیں سنائے جا رہی تھی۔
امی دیکھیں کوکاف کا جن
باصم کو جیسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔
مجھے اس کی ہنسی بہت بری لگ رہی تھی دل کر رہا تھا اس کے دانت توڑ دوں۔
بیٹا جاؤ جا کر منہ دھو لو
خالہ نے اپنے سپوت کو ہنسی دیکھ کر

کروانے کی کوشش کی تھی
امی اب منہ دھونے کا کوئی فائدہ نہیں ہیئر کلرز ہیں۔
باصم اپنی ہنسی پر بہ مشکل قابو پا کر بولا۔
باصم نے امی کا قتل کر دوں پر امی ہی تو کیا میں اس باصم کا قتل کر دوں پر امی خالہ کی وجہ سے لہو کے گھونٹ بھر تے رہ گئی۔
خالہ باصم کی اس حرکت پر اسے ڈانٹنے ہی لگیں کہ امی نے یاد دلایا انہیں دیر ہو رہی ہے امی نے بچا لیا تھا
امی کے بچا لینے کے باوجود باصم کبھی نہیں سدھر سکتا۔
اس دن میں نے جانا باصم کبھی نہیں سدھر سکتا۔
وہ دن اور آج کا دن مجھے اس سے نفرت ہے
دس سال بعد اس سے پھر سامنا ہوگا۔
پراپ کی بار اس نے کوئی شرارت کی تو میں چپ نہیں رہوں گی۔
اب میں بچی نہیں رہی تیئس سال کی ہوں
اب جواب دوں گی اب چپ نہیں رہوں گی۔
پوری رات جاگتی سوتی کیفیت میں سو جتی رہی۔
صبح ہوتے ہی اسکول چلی گئی
بچوں کو پڑھا رہی تھی پر دھیان کہیں اور تھا
پیریڈ لے کر آئی۔
باصم کو دل نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہاں شیطان عرف باصم ہی ہوگا۔
پر نا چاہتے ہوئے بھی گھر تو جانا ہی تھا۔
بلڈنگ کے پاس رکشہ رکوا کے میں رکشہ سے اتر گئی جیسے ہی چلنے لگی تو ہیل ٹوٹ گئی۔
اب تو کوئی آپشن ہی نہیں تھا میں نے اپنے چپل ہاتھ میں اٹھا لیے اور لفٹ کی جانب چلی گئی
میں لفٹ آنے کا انتظار کرنے لگی اتنے میں ایک لڑکا میرے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔
وہ مجھے ہی گھور رہا تھا

آپ چپل مرمت کرنے والی ہیں؟
اس کا انداز مزاحیہ تھا میں نے غصے سے اسے دیکھا لفٹ آ چکی تھی میں بنا کچھ کہے لفٹ میں چلی گئی
کون سے فلور پر جائیں گی آپ؟ میں تو ففتھ فلور پر جاؤں گا
اگر میرا پیچھا کر رہی ہیں تو آپ بھی ففتھ فلور پر ہی جائیں گی۔
وہ بھی لفٹ میں آ گیا اس نے لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔
جانا تو مجھے ففتھ فلور پہ تھا پر اس کی بات سن کر مجھے غصہ آ رہا تھا۔
میں کیوں کرنے لگی آپ کا پیچھا آپ میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں
مجھے ایسا لگا جیسے وہ مسکرایا ہو مجھے اور زیادہ تپ چڑھ گئی۔
پہلے اپنا منہ تو دیکھیں چپے منہ والا ہونہہ۔
اور ہاں مجھے تھرڈ فلور پر جانا ہے۔
اس بار وہ کھل کر مسکرایا تھا اور تھرڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔
لفٹ تھرڈ فلور پہ رک چکی تھی
اب آگے مجھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جانا تھا۔
میں لفٹ سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف چلی گئی
پر مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ کب میرے پیچھے آ گیا اور سیڑھیوں پر پہلے سے موجود تھا
میں نے اللہ سے پناہ مانگی اس شیطان مردود سے اور بے نیاز ہو کر آگے چل پڑی۔
مجھے دیکھ کر وہ مسکرا رہا تھا آپ میرا ہی پیچھا کر رہی ہیں نہ؟
میں بنا جواب دیئے آگے چلتی رہی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اور وہ میرے پیچھے چلا آرہا تھا
دل تو کیا اس ٹوٹے ہوئے چپل سے اس کو
خوب مار دوں پر میں نے آگے چلنے میں بھلائی جانی
دو برائی میرے پیچھے چلی آرہی تھی
دانین نام ہے نہ تمہارا؟
وہ (illegible) سے تم پر آگیا تھا میرے تو ہوش اڑ
گئے
میں ایک دم سے رک گئی
اسے میرا نام کیسے پتہ ہے
اول درجے کا لفنگا ہوگا دیکھ بھی کر زور نہیں
ہے
میں نے گہری سانس لیتے ہوئے خود کو تسلی
دی اور تیز تیز چلنے لگی
اس کی بھی رفتار بڑھ گئی
اس بدمعاش کو اپنے پیچھے آتا دیکھ میں نے
بھاگ کر گھر جانے کا ارادہ کرلیا میں نے بھاگتے
ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا میرا تو دماغ ہی گھوم گیا یہ
تو حد ہی ہوگئی یہ تو میرے پیچھے بھاگ رہا ہے
میں دروازے پر پہنچے کر زور زور سے بیل
بجانے لگی میری خوف سے حالت خراب ہو رہی
تھی وہ بھی دروازے تک آچکا تھا
میں نے اسے دیکھتے ہوئے زور زور سے
دروزہ پیٹنا شروع کردیا
اوہو کیا ہوگیا ہے
آخر کار امی نے دروازہ کھولا بھاگنے کی وجہ
سے میرا سانس چڑھ گیا تھا
کیا ہوا ہے دانین؟
امی مجھے بغور دیکھنے لگیں
وہ لفنگا میرا پیچھا کر رہا
کون؟
امی نے دروازے سے منہ باہر نکال دیکھا
سامنے خوبرو نوجوان سینے پر ہاتھ باندھے

کھڑا ہوا تھا
باسم
امی بے ساختہ خوش ہوئی اور میں نے حیرت
سے اس لفنگے کو دیکھا
"سلام خالہ"
امی نے باسم کے ماتھے پہ بوسہ دیا اندر چلو
بیٹا
باسم۔۔۔ اس باسم کے بچے کو چھوڑوں گی
نہیں۔
امی یہ مجھے تنگ کر رہا تھا
"بیٹا اندر آؤ"
امی میری بات ان سنی کر کے اپنے بھانجے کو
لے کر اندر جا چکی تھیں
میں اندر آئی تو باسم بڑے مزے سے
صوفے پر بیٹھا مجھے تنگ کرنے کا قصہ امی کو سنا
رہا تھا
"خالہ میں تو دیکھ کر پہچان گیا تھا دانین کو"
"تم نے مجھے کیسے پہچانا جب کے تم مجھے
دس سال بعد دیکھ رہے ہو"
میں اپنا بیگ سائیڈ پر رکھ کر سامنے والے
صوفے پہ بیٹھ گئی
دس سال بعد دیکھ رہا ہوں پچاس سال بعد
نہیں جو پہچان نہ سکوں
باسم نے اطمینان سے جواب دیا مجھے انتہا
کی حیرت ہوئی
پھر بھی نہ تو تم نے میری ابھی والی کوئی فوٹو
دیکھی تھی نہ میں بدلی ہوں اور اب تو میں کافی بڑی
ہوگئی ہوں۔
تمہاری سوچ بھی یہی ہے کیونکہ نہ تم نے
مجھے فیس بک پر ایڈ کیا نہ تو واٹس ایپ پر، اب میں
نے تمہیں دیکھا کیسے اس کا جواب کیسے
ڈھونڈیں۔

سرپرائز گرل بیٹی

کیا یہ بات باسم کو پتہ ہے امی؟
امی نے نرمی سے میرے ہاتھ تھامے
ہاں باسم کو پتہ ہے دانین وہ یہاں اسی لیے
آیا ہے کہ تم اس کو قبول کرلو
دیکھو میں تم سے ابھی نہیں کہہ رہی کہ تم اس
سے شادی کرلو تم اس کو دیکھ لو اس کو جان لو میں
ایک ماہ بعد پوچھوں گی تمہیں اس کو قبول ہے
میری بے زاری عروج پر تھی میں کچھ
کہے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔
کچھ سال پہلے امی سے خالہ نے میرا رشتہ
مانگا تھا
میں نے صاف انکار کردیا تھا پر میں یہ نہیں
جانتی تھی کہ باسم مجھ سے ہاں کہلوانے کے لیے
حیدر آباد سے کراچی آجائے گا
"مجھے باسم کسی حال میں قبول نہیں۔" فیصلہ
ہو گیا تھا
صبح میں تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی تو
باسم ناشتہ بنا رہا تھا امی اس کے ساتھ ڈائننگ
ٹیبل پر بیٹھی تھیں جیسے میرا ہی انتظار کیا جا رہا تھا
وہاں کیوں کھڑی ہو دانین آؤ ناشتہ کرلو
باسم نے مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت
سے کہا اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے اس پر شک
ہونے لگا تھا
میں نے جیسے تیسے ناشتہ کیا
اوکے امی میں چلتی ہوں مجھے بہت دیر
ہو رہی ہے اللہ حافظ
امی نے جواباً اللہ حافظ کہا میں باسم کو نظر
انداز کر کے وہاں سے جانے لگی
تم جا کہاں رہی ہو
چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کے وہ بھی اپنی
جگہ سے کھڑا ہو گیا
بہت سادہ سے انداز میں کہا گیا میں اپنا

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ایک تو اسے مجھے آواز دے کر روک لینے کا
پتہ نہیں کیا شوق تھا (لفنگا کہیں کا)
بس یار کشہ سے
مردانہ مسکرا کر جواب دیا
دل تو چاہ رہا تھا اپنا بیگ اس کے سر پر مار کر
بھاگ جاؤں پرائے میرا اخلاق
تمہیں ساتھ چلو میں تمہیں چھوڑ دوں
گا۔
ہاں بیٹا تم ہاشم کے ساتھ چلے جاؤ
امی کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے
تاثرات تھے
امی میری دوست بھی میرے ساتھ چلے
گی
میں نے آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے
انکار کیا۔
تو ہم اس کو بھی ساتھ لے لیں گے ویسے بھی
مجھے لڑکیوں سے بات کرنے میں شرم آتی ہے
تم بلو اپنی دوست کو ہمارے ساتھ چلے
ٹھیک ہے اب چلو
اللہ حافظ خالہ
ہاشم میرا حلیہ سنتے ہی باہر چلا گیا وہ
میری سوچ سے بھی زیادہ ڈیسنٹ تھا۔
میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں بچا تھا
میرے سارے بہانے فلاپ ہو چکے تھے
میں بھی بیگ پکڑتی ہاشم کے پیچھے ہو لی
ہم لفٹ کا انتظار کر رہے تھے کہ حریم بھی
آ گئی
سوری میں لیٹ ہو گئی
مجھ سے ملتے ہی اس نے معذرت کر لی
اب معذرت کرنے کے بجائے جلدی چلو
میں نے لفٹ کی طرف اشارہ کیا
حریم بھی اسی اپارٹمنٹ میں فلور پر ہی
رہتی تھی
ہم تینوں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا میں
آ گئے
ہاشم نے ہمیں کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور
خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا
ہم دونوں پیچھے بیٹھ چکے تھے
ویسے یہ ہے کون؟
آخر حریم نے پوچھ ہی لیا اب کیا جواب تو
دینا ہی تھا
میرا کزن ہے
میں نے سرسری سا جواب دیتے ہوئے
اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا
میرا نام ہاشم ہے اور آپ کا؟
ہاشم نے بیک ویو مرر سیٹ کرتے ہوئے
بڑے دوستانہ انداز میں کہا
میں حریم ہوں دا نین بیسٹ فرینڈ
حریم نے بھی جواب دینے میں کوئی دیر نہ
کی۔
مجھے تو یقین نہیں آ رہا تھا ابھی تھوڑی دیر
پہلے اس نے کہا تھا مجھے لڑکیوں سے بات کرتے
میں شرم آتی ہے اور اب ساری شرم و حیا بھول کر
کیسے باتیں کر رہا تھا (بے شرم)۔
آپ یہاں کتنے دن رکیں گے؟
حریم نے بھی اسی دوستانہ انداز میں پوچھا
جب تک دا نین ہاں نہیں کرتی
ہاشم نے بیک ویو مرر سے دیکھتے ہوئے کہا
دا نین کی ہاں نہیں کرتی مطلب؟
حریم بھی حیران ہاشم کو دیکھ رہی تھی
پتہ نہیں اسے سچ میں سمجھ نہیں آیا یا جان بوجھ
کر نہ سمجھ بن رہی تھی
وہ مجھے شرم آ رہی ہے
اب آپ اتنا کہہ رہی ہیں تو بتا تا ہوں

ہماری شادی کے لیے۔۔۔
میں نے شرمانے کی ناکام کوشش کی تھی
ہاشم نے میری ناکام کوشش کو نوٹ کیا تھا
اوہ اچھا!!!
حریم مزے سے بولی تو میں تلملا گئی
حریم کیسی شرم ہے بے شرموں کی طرح۔
تم بولتی بھی رہے ہو اور شرمانے کی اداکاری بھی
کر رہے ہو۔ تم اول درجے کے بے شرم ہو، میں
تمہارا خون کر دوں گی۔ میرا غصہ ساتویں آسمان
پر تھا
ایک دم کار رکی تھی
"میرا خون بعد میں کرنا پہلے جا کر بچوں کو
ریفارا پل پڑھاؤ" ہاشم مسکراہٹ دبائے
مجھے دیکھ رہا تھا اس وقت وہ مجھے بہت پیارا لگ رہا تھا
پہلی کافی دیر ہو چکی تھی اب اس سے لڑ کر مجھے
ٹریٹ نہیں ہونا تھا
بعد میں دیکھ لوں گی تمہیں۔
میں نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا پر وہ
ایٹ کا ڈھیٹ ہی تھا
"حریم تم اسے لے کر جاؤ ورنہ یہ نان
سٹاپ مجھ سے لڑتی رہے گی" وہ بڑی آسانی
سے ہاشم پر آ گیا تھا
"کتنا پیارا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہیں
آپ کہہ کر مخاطب کر رہا تھا اور اب سیدھا تم پر
آ گیا ہے۔" میں نے حریم کو ورغلانا چاہا۔
ہاں تو اب حریم میری بھی دوست ہو گئی سمپل
حریم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہاشم نے
اپنا کریولا
توبہ
چلو حریم
کار کا دروازہ دھڑام سے بند کرتے میں
باہر نکلی حریم بھی میرے پیچھے آ چکی تھی۔

✦✦✦

آج گھر کیوں اتنا جلدی جا رہی ہو؟
مجھے عجلت میں بکس سمیٹتے دیکھ حریم نے پوچھا
اس لیے کہ ہاشم کا کوئی بھروسہ نہیں وہ مجھے
لینے آئے نہ آئے اس لیے جلدی جا رہی ہوں
میں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا میں ہاشم
کے آنے سے پہلے نکل جانا چاہتی تھی
پر اس نے ایسا کہا تو نہیں تھا کہ تمہیں لینے
آئے گا؟
اس کو مجھے تنگ کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ مجھے
تنگ کرنے ضرور آئے گا۔
میں باہر نکلی تو یہ منظر کچھ اور ہی تھا۔ مجھے
حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
ہاشم اپنی کار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جیسے
میرا ہی انتظار کر رہا ہو۔
چہرے پر مسکراہٹ سجائے مجھ دیکھ کر وہ
ہاتھ ہلانے لگا۔ میں اسے اگنور کر کے آگے بڑھ
گئی۔
ہاشم بھی میرے پیچھے چل پڑا۔
رکو کہاں جا رہی ہو گاڑی میں بیٹھو۔
اس نے آواز دے کر مجھے روکنا چاہا میں
نے غصے سے مڑ کر دیکھا
تمہاری گاڑی میں بیٹھنے سے بہتر ہے کہ
میں پیدل ہی جاؤں۔
میں بک کھول کر سامنے کی اور تیز چلنے لگی
اس وقت مجھے ہاشم کی کوئی بات نہیں سننی تھی
ایسے ہی روڈ پر بک پڑھتے ہوئے چلو گی تو
گھر نہیں سیدھا ہاسپٹل پہنچ جاؤ گی۔ ہاسپٹل بھی
مجھے ہی لے جانا پڑے گا۔ ہاشم بڑی معصومیت
سے بولا
اسی وجہ سے میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہی
ہوں مجھے پتہ ہے تم گاڑی میں بھی یہی بکواس
کرو گے۔ ویسے مجھے میں اپنی منزل تک پہنچ

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جاؤ گی۔
میں نے ترخ کر جواب دیا تو کچھ پل کو وہ
چپ سا ہو گیا
اور میری منزل تم ہو
ہاشم بڑبڑایا۔ میرے غصے میں اضافہ ہوا
واٹ؟؟؟
میں رک گئی اور غصے سے اسے دیکھنے لگی تو
ہاشم گڑبڑا گیا
آئی مین میں چلتا رہوں گا کچھ نہیں
کہوں گا
یہ دیکھو میں ہاتھ جوڑ کر تم سے ریکویسٹ کر
رہا ہوں، پلیز میرے ساتھ چلو میں کچھ نہیں
کروں گا۔
پکا کوئی بکواس نہیں کرو گے؟
میں نے ایک بار پھر پوچھا
پکا اب چلو نہ
اس نے سنجیدگی سے کہا میں پل بھر کے لیے
اس کے سارے کارنامے بھول چکی تھی
میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسکے ساتھ چل
پڑی۔

+++

آصفہ نے فون میں فون پکڑا ہوا تھا اور
دوسرے ہاتھ سے کپڑے استری کر رہی تھیں۔
میرے کپڑے استری ہو گئے؟ قریش نے
آواز دی
نہیں ہوئے۔۔۔ اچھا عابدہ میں بعد میں
بات کرتی ہوں اللہ حافظ۔
آصفہ فون رکھتے ہی جلدی جلدی کپڑے
استری کرنے لگیں۔
ابھی تک کپڑے استری نہیں ہوئے کمال
ہے۔ اور میرا موبائل کہاں ہے
قریش صاحب بھی اندر آ گئے
وہ میرے پاس ہے میں آصفہ سے بات کر
رہی تھی میرے موبائل کی بیٹری لو ہو گئی تھی تو
آپ کا موبائل لے لیا۔
آصفہ نے قریش صاحب کی جانب موبائل
بڑھایا
میرے موبائل کی بیٹری لو ہو گئی تو کیا تم نے
پر تمہاری باتیں ختم نہ ہوئی۔
قریش مصنوعی غصے سے بولے
تو آپ کونسے بل گیٹس ہیں جو تھوڑی دیر
فون نہ چلے تو کروڑوں کا نقصان ہو جائے گا؟
عابدہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تو
قریش ہنس پڑے۔

+++

یوں ایک ماہ ہو گیا تھا۔
ہاشم روز مجھے گھر سے اسکول اور اسکول سے
گھر ڈراپ کرتا تھا دوران اس کی بکواس
باتیں الگ سے تنگ کرتی تھیں مجھے، میں نے
ارادہ کر لیا تھا کچھ بھی ہو جائے اب میں ہاشم کے
ساتھ نہیں جاؤں گی، اور وہ ہار کے چلا
جائے۔
بیٹا اتنا جلدی کیسے آ گئی؟
امی نے پریشانی سے پوچھا۔
وہ میں جن سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی پر وہ
پیچھا چھوڑتا ہی نہیں ہے۔
میں نے غصے سے بیگ کو صوفے پر پھینک
دیا امی میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں،
کون؟؟؟؟
امی نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے
ہوئے پوچھا
آپ کا لاڈلا ہاشم
میں نے غصے سے کہا
کہاں ہے وہ؟

امی نے پوچھنے پر ان کو میری پوری
داستان ابھی ابھی اپنے لاڈلے کی پڑھی تھی
ہاشم نے اسے قتل ہی کر دیا ہو
پیچھے میں نے اسے قتل ہی کر دیا ہو
مجھے چھوڑ کر آفس چلا گیا آپ نے اس
کو یہاں رہنے کا کیوں کہا، وہ ہاتھ منہ دھو
کر پیچھے پڑا ہے۔
میرے پیچھے پڑی۔ اب میں اور برداشت
نہیں کر سکتی۔
میں پھٹ پڑی۔
امی نے کچھ کہنا چاہا
پلیز پہلے میری بات سن لیتے۔
میں نے امی کو صوفے پر بٹھایا اور خود نیچے
ان کے سامنے بیٹھ گئی
امی ایسے ہی بولتے ہیں کیوں میرے پیچھے
پڑا ہے ایک مہینہ ہو گیا ہے اب تک اس کی
ماں نے اسے گھر نہیں دیا؟ امی اب بہت ہو گیا
اب یہاں سے جانے کا کہہ دیں اور میری
طرف سے اس کے لیے آج بھی انکار ہے۔ بس
یہاں سے چلا جائے۔
امی کا ہاتھ تھام کر میں نے انہیں سمجھانے کی
کوشش کی امی دکھی تھیں پر اس وقت مجھے ہاشم
سے چھٹکارا پانے کی ضد تھی
وہ میری بچپن کا بیسٹ ہے دانین وہ میرے
لیے بہت اہم ہے تم اسے ایسے کیسے کہہ دوں
کہ چلا جائے۔
امی نے میرے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر
التجا کی مجھے پتہ نہیں کیوں بہت دکھ ہوا میں اپنا
ہاتھ چھڑا کر اٹھ گئی
آپ نے ہمیشہ اسی کو سپورٹ کیا ہے آپ
اسے یہ تو کہہ سکتی ہیں کہ مجھ سے دور رہے کوئی
ضرورت نہیں گھر سے اسکول اور اسکول سے گھر
چھوڑنے کی۔
یہ کہہ کر میں وہاں رکی نہیں سیدھا اپنے
کمرے میں چلی آئی۔

+++

دکھانے لگتا ہے منظر چراغ جلتا ہوا
اک ہاتھ میرے ہاتھ سے نکلتا ہوا
اک آنکھ دعا دیتی ہوئی میرے دل پر
اک اشک شام کو سورج کے ساتھ ڈھلتا ہوا
رات کے 9 بج رہے تھے امی لاؤنج میں
پریشان بیٹھی ہاشم کا انتظار کر رہی تھیں
اور میں کچن میں اپنے لیے چائے بنانے
میں مصروف تھی۔
تبھی ہاشم آیا اور امی کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔
ایسے جیسے اسے پتہ ہو کہ امی کیوں پریشان ہیں
خالہ مجھے میری کمپنی نے گھر دے دیا ہے یہ
دیکھیں انکی چابی۔
میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی شکر
جان چھوٹی۔
بیٹا پر تم یہیں رہو
امی نے ہاشم کے سر پر ہاتھ پھیرا یہ منظر دیکھ
کر میں بھی چپ رہ گئی
امی جا رہا ہے تو اسے جانے دیں نہ
میں نے کچن سے آواز لگائی
خالہ میں آتا جاتا رہوں گا ایسے اچھا نہیں لگتا
اور دانین کا جواب بھی مل گیا اب میرا چلے جانا
ہی بہتر ہے۔
اس سے پہلے کہ امی کچھ کہتی ہاشم تسلی آمیز
انداز میں بولا
پر بیٹا
نہیں خالہ مجھے بولنے دیں
میں نے امی کے ہاتھ تھام کر انہیں کہنے
سے روکا
میری شادی کی ذمہ داری ابھی آپ کے
ہاتھوں میں ہے میرے لیے کوئی اچھی سی لڑکی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ڈھونڈ لیے گا
ہاصم نے مسکرا کر کہا تو امی کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے
اچھا اب آپ ایموشنل نہ ہوں میں ابھی
نہیں جا رہا ایک ہفتے بعد جاؤں گا
یہ بات ہاصم نے زور سے کہی تھی جیسے
امی کو مجھے بتا رہا ہو۔
دل کٹ کے رہ گیا اس کا قتل کر دوں
میں غصے سے بھنچ کر رہ گئی۔
میرا بیٹا
امی نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ
پھیرا ان کی نظر ایک شاپر پر پڑی جو ہاصم اپنے
ساتھ لایا تھا
یہ کیا ہے بیٹا؟
امی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
اس میں کلرز ہیں
ہاصم نے شاپر امی کو دکھائی۔
اس مجھے تو لگا تھا گھر ملنے کی خوشی میں مٹھائی
ہو گی کلرز کا سن کر میرے تو ہوش ہی اڑ گئے کہیں
پہلے کی طرح میرے منہ پر تو نہیں لگائے گا۔
ایسا بھی ہو سکتا
ہو بھی سکتا ہے ان کو دوبارہ ریجیکٹ کیا ہے
میں نے شاید اس کا بدلہ لے
میں اپنے ہی خیالات میں الجھ گئی تھی
ہاصم اپنے کمرے میں جا چکا تھا
امی بھی جا رہی تھیں کہ ان کی نظر مجھ پر پڑی
اب خوش ہو گئی نہ تم وہ جا رہا ہے
امی نے غصے سے کہا تو میں اپنے خیالوں
سے باہر آئی
خوش تو میں تب ہوتی جب وہ کل ہی چلا
جاتا
اور یہ کلرز کیوں لایا ہے وہ
میں نے منہ بنا کر کہا
تمہارے منہ پر لگانے کے لیے
امی بھی غصے میں کہہ کر جا چکی تھی میں سر
کھولے وہی کھڑی رہ گئی۔ یہ تمہیں سدھرے گا
اس بار اس نے ایسی کوئی حرکت کی تو مجھ سے برا
کوئی نہیں ہو گا۔

✦✦✦

صبح کے سات بج رہے تھے آسمان پر
بادلوں نے گھیر رکھا تھا صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
میں چائے کی خوشبو گھلی تھی
امی کچن میں ناشتہ بنا رہی تھیں
ہاصم ڈائننگ ٹیبل پر مزے سے ناشتہ کر رہا
تھا میں بھی ناشتے کے لیے بیٹھ گئی
یہ صبح صبح کس زہریلے آدمی کو دیکھ لیا
ہاصم سے نظر ملتے ہی میں بڑبڑائی
نظر نظر کی بات ہے کسی کو زہر لگتا ہوں کی
کو شہد
ہاصم نے میری بڑبڑاہٹ کا جواب دیا۔
اللہ معاف کرے پتہ نہیں کب کیا کارنامہ
شہد لگتا ہے
میرا اتنا کہنا تھا کہ ہاصم بیچارا لاجواب
ہو گیا۔
امی میں لیٹ ہو رہی ہوں آپ پلیز ہاصم کو
بولیں جلدی ناشتہ کرے
میں نے ناشتہ کر کے امی سے کہا۔
بیٹا کل تم نے ہی منع کیا تھا کہ ہاصم کو تم سے
دور رکھوں تو اچھا یہی ہو گا کہ تم خود چلی جاؤ
امی نے تو سیدھا باہر کا راستہ دکھا دیا تھا میں
حیرت سے امی کو دیکھنے لگی۔
جی امی؟
اس بار میں خود لاجواب ہو چکی تھی اور
شرمندہ بھی امی نے تو ذرا خیال کیا

جلدی کرو دیر ہو رہی ہے
امی مجھے دروازے تک لے آئیں پھر
انہوں نے کی کسر رہ گئی تھی۔
ہاصم نے کچھ نظر انداز کیے ناشتہ کرنے میں
ہاصم سب کچھ مصروف تھا
طرح
اللہ حافظ
کے
میں بیچارگی میں کہتی وہاں سے چلی گئی

✦✦✦

ان دو چار دنوں میں میں نے ہاصم کی بکواس
نہیں سنی تھی جانے کیوں میں اس کی بکواس
کر رہی تھی اب نہ تو وہ مجھے تنگ کرتا تھا نہ
مذاق ہم ایک ہی گھر میں بلکل اجنبی بن
تھے ایک دوسرے کے لیے
گیا تھا بدل گیا یا پھر میرے جذبات
جذبات اس کے لیے بدل گئے تھے۔
کیا ہوا ہے؟
کریم میرے پاس آ کر بیٹھ گئی تو میں مسکرا
کچھ بھی نہیں
میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔
پھر اداس کیوں بیٹھی ہو؟
کریم نے غور سے مجھے دیکھا
میں اور اداس ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔
میرا قہقہہ بے ساختہ تھا کریم بے چاری
چپ ہو گئی
اور ہاصم کیسا ہے؟
کریم نے ایک اور سوال کیا۔
تم اس کا بڑا پوچھ رہی ہو اتنا خیال کبھی میرا
کیا کرو۔
میں خفا ہو گئی
اتنے دنوں سے نظر نہیں آیا نہ۔۔۔
کریم نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی میں غور
سے اسے دیکھنے لگی۔
تمہیں کیوں نظر آئے وہ ہاں ہاں؟
میں نے گھور کر کریم کو دیکھا
اتنا خفا نہ ہو عجیب پاگل لڑکی ہو تم بھی۔
کریم بس اٹھا کر کلاس کی طرف چلی گئی
میرا دل و دماغ عجیب الجھن کا شکار تھا۔

✦✦✦

خالہ میں جا رہا ہوں آفس اللہ حافظ۔
اللہ حافظ بیٹا۔
عابدہ کو ہلکا سا چکر آ گیا وہ گرنے ہی لگی تھیں
پر ہاصم نے انہیں تھام لیا۔
خالہ کیا ہوا؟
ہاصم عابدہ کو بٹھا کر پانی لینے گیا وہ بہت
پریشان ہو گیا تھا
کچھ نہیں بیٹا تم جاؤ میں ٹھیک ہوں اب۔
عابدہ نے پانی کا گلاس لیتے ہوئے کہا
آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی
ہاصم نے پریشانی سے ان کی پیشانی کو چھو کر
دیکھا
خالہ آپ کو تو بہت تیز بخار ہے میں ابھی
ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔
ہاصم ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔۔۔

✦✦✦

میں ڈور بیل بجا رہی تھی پتہ نہیں کیوں آج
امی کو دروازہ کھولنے میں اتنی دیر لگ رہی تھی
تم آفس نہیں گئے؟
میں نے اندر داخل ہوتے ہی سوال کیا۔
دروازہ ہاصم نے کھولا تھا
نہیں امی۔
ہاصم ابھی بول ہی رہا تھا کہ میں نے اس کی
بات کاٹ دی۔
یہ کون ہیں ہاصم؟

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ڈاکٹر کو دیکھ کر میں نے باسم سے پوچھا ڈاکٹر کو یہاں دیکھ کر مجھے تھبراہٹ سی ہونے لگی تھیں

اس سے پہلے کہ باسم کچھ کہتا ڈاکٹر صاحب خود ہی باسم کے پاس چلے آئے۔

She's fine.

بس بلڈ اور بی پی لو ہونے کی وجہ سے ان کو چکر آرہے تھے یہ دوائیاں ہیں ان ٹائم ٹو ٹائم یہ دوائیاں دیتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب اور بھی کچھ ہدایات دے رہے تھے میں وہاں رکی نہیں تھی بھاگ کر امی کے کمرے میں جا پہنچی تھی

امی!

میں نے انہیں آواز دی پر وہ سو رہی تھیں میری آنکھوں میں آنسوں آگئے میں ان کے پاس بیٹھ کر کتنی ہی دیر انہیں دیکھتی رہی۔۔۔

باسم کمرے میں آگیا تھا میں نے غصے سے اسے دیکھا اور باہر آنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گئی

باسم تم اتنے لاپرواہ کیسے ہو سکتے ہو امی کی طبیعت خراب تھی تو تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی تم بہت لاپرواہ انسان ہو تم نے مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھا۔

میرا سارا غصہ آنسوؤں میں بہہ رہا تھا

بس ہو گیا تمہارا۔۔۔۔۔ اب میں تمہیں فون کرنے سے کیا ہوتا؟ تم ڈاکٹر تو نہیں ہو جو تم خالہ کا علاج کرتی اس وقت مجھے ڈاکٹر کو فون کرنا صحیح لگا نہ کہ تمہیں اور ہاں ہوں میں لاپرواہ۔

باسم غصے میں بول رہا تھا پہلی بار وہ غصہ کر رہا تھا میرے آنسوں اور تیزی سے بہنے لگے۔

کہاں جا رہے ہو؟

باسم کو جاتا دیکھ میں نے پوچھ لیا

میڈیسن لینے جا رہا ہوں تم خالہ کے پاس جاؤ میں آتا ہوں۔

اس نے دھیمے لہجے میں کہا اب کی بار اس کا غصہ کہیں غائب ہو گیا تھا میں خاموشی میں کراہتی کے کمرے میں چلی گئی

میں امی کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی کہ ڈور بیل بجنے لگی۔

میں نے دروازہ کھولا تو سامنے باسم تھا یہ دوائی ہے شام کو خالہ کو دینی ہے۔

باسم نے میرے ہاتھ میں دوائیاں تھمائی۔

تم نے کچھ کھایا؟

باسم نے اچانک ہی سوال کر لیا تھوڑی دیر پہلے تو وہ غصے میں تھا اور اب اتنا سنجیدہ۔

نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔

میں نے منہ بنا کر جواب دیا اس کا غصہ کرنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

دیکھو دانین اگر تم کھانا نہیں کھاؤ گی تمہارے لیے بھی ڈاکٹر بلوانا پڑے گا اور میں تمہارے لیے باہر سے کھانا لایا ہوں۔

سنجیدگی میں کہتے ہوئے باسم ہنسنے لگا

اچھا صرف میرے لیے؟

میں نے اس سے کھانے کا پیکٹ لیا اور کچن میں چلی گئی۔

مطلب میں بھی کھاؤں گا اور سوری مجھے تم سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی

باسم بھی کچن میں چلا آیا مجھے حیرت ہوئی پہلی بار وہ اپنی کسی غلطی کی بات پر معذرت کر رہا تھا اور معذرت بھی مجھ سے؟

تم نے کبھی اپنی غلطی پر مجھ سے معافی نہیں مانگی آج تم مجھ سے معافی مانگ رہے ہو آج

I'm sorry for everything

باسم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

میں نے بھی اس سے معذرت کر لی جب وہ میں نے کوئی غلطی کی کہ تو میں بھی کر سکتی ہوں کرتا ہے بنا کسی غلطی کے میں پگھل چکی تھی اتنا تو بنتا ہی ہی کی معافی سے

وہ۔

دانین تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نہ یہ ڈاکٹر وہاں؟

باسم کو یقین ہی نہیں آرہا تھا اتنی حیرانگی

باسم کو یقین ہی نہیں آرہا تھا اتنی حیرانگی

میرا چہرہ تکنے جا رہا تھا

پھر سے تمہاری بکواس شروع؟

میں کھانا نکال کر ڈائننگ روم میں چلی گئی باسم بھی پیچھے ہی آیا تھا۔

✦✦✦

رات کے آٹھ بج رہے تھے میں اور باسم امی کے کمرے میں تھے

امی آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

ایک بار پھر میری آنکھوں میں آنسوں آنے لگے تھے

مجھے کیا ہوگا میں بالکل ٹھیک ہوں دانین۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا

اچھا اب آپ آرام کریں

تم جاؤ میں خالہ کے ساتھ ہوں

باسم نے امی کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا

میں نے نفی میں سر ہلا دیا

تم جاؤ میں امی کے ساتھ ہوں

دیکھو دانین! ایسا کرتے ہیں دونوں ہی خالہ کے پاس رک جاتے ہیں

باسم مسئلے کا حل نکال کر آرام سے بیٹھ گیا مجھے ویسے بھی امی کے پاس رہنا تھا تو میں مزید کچھ کہے بنا وہیں بیٹھی رہی

چلی گئیں۔

ویسے تم چاہو تو تم یہاں اس گھر میں رہ سکتے ہو۔

میں نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا میں ناجانے کیوں بہت شرمندہ ہو رہی تھی جو پہلے صحیح لگ رہا تھا وہ اب کیوں اتنا غلط لگ رہا تھا میں اتنی بے حس تو نہیں تھی

جب آپ کو محسوس ہو کہ آپ کی وجہ سے کسی کی زندگی میں نہیں رہی تو۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کو اس کی زندگی سے ایگزٹ کر لینا چاہیے۔

باسم کافی دلشکستہ اور سنجیدہ تھا مجھے اور زیادہ شرمندگی ہونے لگی

چھوڑو ان سب باتوں کو۔۔۔

شاید باسم نے میری شرمندگی محسوس کر لی اس نے مسکرا کر بات بدل دی میں مسکرا بھی نہ سکی ایک بار پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی

باسم صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا میں بھی وہیں امی کے قریب ہی لیٹ گئی۔ میں ناشتہ بنانے چلی گئی

جب میں امی کے لیے ناشتہ لے کر آئی تو وہ جاگ رہی تھیں اور پہلے سے کافی بہتر بھی لگ رہی تھیں۔

باسم وہاں نہیں تھا شاید اپنے کمرے میں چلا گیا تھا

آپ کا ناشتہ۔ میں نے ناشتہ امی کے سامنے رکھا

باسم کہاں ہے؟ امی پورے کمرے میں نظر دوڑائی

آپ ناشتہ کریں۔ میں نے ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔

باسم نے ناشتہ کیا۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ اپنے کمرے میں ہے پہلے آپ کر لیں
ناشتہ، اس کے لیے میں بعد میں ناشتہ بنا دوں
گی۔ اتنی بھی ظالم نہیں ہیں میں۔ میں نے ناک
چڑھا کر کہا۔ امی گھڑی کو دیکھنے لگی
اس کے کپڑے استری کر دو دانین اس کو
آفس بھی جانا ہے باصم کو کپڑے استری کرنا نہیں
آتی امی مسلسل باصم کے لیے پریشان ہو رہی
تھیں یہ بات مجھے اور خیال تھا۔ میں اثبات میں سر ہلا
کر باہر آ گئی۔
ساری دنیا کی بکواس آتی ہے بس استری
کرنا نہیں آتی۔ میں بڑبڑاتی ہوئی اس کے
کمرے کی طرف آ چکی تھی
دروازہ وا وا تھا۔
دو بار ناک کرنے سے جب کوئی جواب
نہیں آیا تو میں اندر چلی گئی۔ اندر کا نظارہ دیکھ کر
میرا سر گھومنے لگا ایک منٹ کو میں سن ہو چکی تھی۔
ساری چیزیں بکھری پڑی تھیں کوئی چیز اپنی جگہ
پر نہیں تھی۔ یہ کمرہ ہے یا چڑیا گھر میں نے اپنا سر
پیٹ لیا
باصم وہاں بھی نہیں تھا میں غصے سے باہر چلی
آئی مجھے ایک منٹ نہ لگا یہ پتہ نہیں کیسے
رہتا تھا جنگلی کہیں کا۔
ڈور بیل بجنے کی آواز آئی تو میں غصے سے سر
جھٹک کر دروازہ کھولنے چلی گئی لیکن باصم تو اتنے
میں دروازہ کھول چکا تھا۔ سامنے حریم تھی
باصم دروازے سے ہٹ گیا تو حریم اندر
آئی۔
دو دانین نے بتایا کہ آنٹی کی طبیعت ٹھیک
نہیں تو میں ان سے ملنے چلی آئی۔
حریم اندر آتے ہی ہچکچا کر کہنے لگی وہ کنفیوژڈ
تھی
میں نے ابھی جواب دینے کو منہ کھولا ہی تھا

کہ باصم بول پڑا
تمہارا اپنا گھر ہے اس لیے تم جب چاہو
آسکتی ہو اس کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری تو نہیں ہے۔
تم بیٹھو۔
باصم بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا اور
حریم تو ایسے خوش ہو رہی تھی جیسے وہ باصم نہیں بلکہ
شاہ رخ خان ہو میرا تو منہ کھلے کا کھلا رہ گیا
"نہیں پہلے میں آنٹی سے مل لوں۔"
حریم نے مسکرا کر کہا باصم نے کندھے اچکا
دیے
"امی اپنے روم میں ہیں۔" مجھے مجبوراً یاد
دلانا پڑا کہ میں بھی یہاں ہوں دونوں مجھے اگنور
کیے جا رہے تھے پتہ نہیں کیوں مجھے برا لگ رہا
تھا
حریم مسکرا کر روم کی طرف چلی گئی اور باصم
بھی اس کے پیچھے جانے لگا تھا
میں کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے اسکے سامنے
کھڑی ہو گئی اس نے آبرو اچکا کر راستہ چھوڑنے
کا اشارہ کیا دل تو کیا ابھی اس کے سر پر سامنے
رکھا گلدستہ دے ماروں۔ یہ کیا کہہ رہے تھے تم
یہ اس کا اپنا گھر ہے؟
میں اسے گھورنے لگی کہ شاید اس کو کوئی شرم
ہی آ جائے پر وہ بھی صدا کا بے شرم تھا
"ہاں تو اس کا اپنا ہی گھر ہے۔" ڈھٹائی
سے جواب دے کر وہ جانے لگا میں نے ایک
بار پھر اس کا رستہ روک لیا
کس حساب سے؟
میں نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجا کر
پوچھا
یہ گھر اس کی بیسٹ فرینڈ کے ہے اس حساب
سے یہ گھر اس کا بھی ہوا۔ اس نے اطمینان سے
جواب دیا اور پھر غور سے میرے چہرے کو

نا جانے کیا ٹٹول کر پایا تھا کہ وہ باصم کے گن
گانے جا رہی تھی۔ اور یہ شادی کی بات کرنے کی
کیا ضرورت تھی۔
بیٹا تمہارے منہ میں گھی شکر ویسے بھی میں
باصم کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔
امی سے تو شادی کی بات پر رہا نہیں جا رہا تھا
باصم ایسے شرما رہا تھا جیسے وہ نئی نویلی دلہن ہو۔
میں دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔
ہاں جیسے ڈھونڈنے سے مل جائے گی۔
میں نے جل کر کہا۔
"اسے چھوڑو تم یہ بتاؤ تمہیں باصم کیسا لگتا
ہے؟" امی حریم سے پوچھنے لگی۔ اس بات پر میں
خود کو روک نہ پائی اور بے اختیار چیخ اٹھی۔
امی جی۔
یہ آپ میری دوست سے کس طرح کی بات
کر رہی ہیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی
ہو گئی
آنٹی مجھ سے پوچھ رہی ہیں تم تھوڑی دیر
کے لیے چپ رہو۔ حریم نے میرا ہاتھ کھینچ کر
دوبارہ اپنے پاس بٹھایا۔
میں باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے
لگی باصم چہرے پہ سنجیدگی طاری کیے خاموش
بیٹھا رہا۔
"دیکھیں آنٹی باصم بہت اچھا ہے کھانا بھی
بنا لیتا ہے اچھی جاب ہے میری طرف سے تو ہاں
ہے۔"
"ویسے کیسے تمہاری طرف سے ہاں ہے؟
کوئی باصم سے بھی تو پوچھ لے۔"
میں حیرت زدہ سی آواز میں بولی۔
تو ابھی پوچھ لیتی ہوں باصم کیا تمہیں میرا
فیصلہ منظور ہے؟ امی تو آج کہ آج باصم کی شادی
کرنے کو تیار تھیں

حریم نے تمہارا اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو
میں نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے پر سوچ انداز
باصم کو دیکھ رہا تھا میں گڑبڑا سی گئی
میں جا رہی ہوں۔
میری مرضی میں جا رہی ہوں۔
میں نے منہ پھیر لیا تو وہ میرے سامنے آ کر
کھڑا ہو گیا اب کی بار وہ بہت سنجیدہ لگ رہا
"گھر چھوڑ کر؟" اس نے آہستگی سے کہا
میں نے اپنی ہنسی کنٹرول کرنے کی کوشش کی
تھی جو کہ ناکام رہی
بھاڑ میں جاؤ باصم میں گھر چھوڑ کہ نہیں
ہماری امی کے روم میں جا رہی ہوں
اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا میں اسے دھکا
دے کر امی کے کمرے میں چلی آئی۔ اور حریم
کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔
باصم کمرے میں آیا تو اس کے ہاتھ میں
ٹرے تھی، باصم نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دیا میں تو
حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
بیٹا مجھے بھی چائے دینا۔ امی نے باصم سے
کہا تو باصم نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر انہیں تھما
دیا
آپ کے لیے چائے نہیں فریش جوس
ہے آپ یہ پئیں گی۔ امی نے مسکراتے ہوئے
اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جوس پینے لگی۔
یہ چائے تم نے بنائی ہے باصم؟ حریم نے
چائے سپ لے کر کہا میں چائے کو دیکھنے لگی کہ
کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں۔
چائے بہت اچھی ہے۔ حریم سپ لیتے
تعریف کرتی بہت بری لگی تھی مجھے
ٹھیک یو! باصم نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔
تمہاری شادی جس بھی لڑکی سے ہو گی وہ
بہت خوش نصیب ہو گی۔ حریم کو چائے میں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

خالہ وہ کیا ہے کہ۔۔۔
باصم کچھ کہتے کہتے رک گیا
ہاں میری طرف سے ہاں ہے مجھے کوئی انکار نہیں۔ باصم کا جواب سن کر مجھے صدمہ لگا۔
یہ کیا کہہ رہے ہو پاگل انسان تم تو مجھے۔۔۔
میں نے اپنے لہجے کو ٹوٹنے سے بچانے کی ناکام کوشش کی میری آنکھیں چھلکنے کو تھیں۔
ہاں دانین میں تمہیں پسند کرتا ہوں پر تم نے مجھے ایک بار نہیں دو بار ریجیکٹ کیا اس کے بعد بھی میں یہاں رہا کہ شاید تم مجھے قبول کرلو۔ لیکن اب میں سمجھ گیا ہوں کسی کی نہ کو زبردستی ہاں میں نہیں بدلا جاسکتا۔ وہ کس اطمینان سے یہ کہہ رہا تھا میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
مجھے لگا تم جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو۔
آخر کار میری آنکھیں چھلک پڑی اس وقت میرا غم و غصہ سے برا حال تھا۔
تب میں بچہ تھا دانین اور بچپن میں بچے شرارت نہیں کریں گے تو کون کرے گا لیکن اب کیا فائدہ تمہیں سمجھانے کا۔ باصم نے کندھے اچکا دیئے جانے کیوں باصم کی ان باتوں سے میرا دل دکھ رہا تھا
"ہاں اب یہ فائدہ مجھے سمجھانے کا تم نے تو حریم کے لیے ہاں کردی تھی۔" میں نے اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو صاف کیا
پر میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے پاس چلی گئی۔
امی آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں باصم سے شادی کروں گی یا نہیں تو سب سن لیں میری طرف سے ہاں ہے مجھے باصم قبول ہے۔
اور تم دونوں اب کرکے دکھاؤ شادی۔
میں نے انگلی دکھا کر وارننگ دی۔ سب ہنس پڑے میں شاکڈ سی انہیں دیکھنے لگی۔
آپ سب ہنس کیوں رہے ہیں؟ میں نے سمجھی سے پوچھا۔
"بیٹا تم سے ہاں کہلوانے کے لیے یہ سب ناٹک کروانا پڑا۔" امی نے ہنستے ہوئے کہا۔
تو حریم۔
میں نے حریم کو دیکھا جو اب بھی ہنس رہی تھی۔
ہاں دانین میں اس ناٹک کا مین کردار تھا اور یہ آئیڈیا میں نے ہی دیا تھا آنٹی کو
ابھی جب میں روم میں آنٹی کے پاس آئی تو وہ تمہارے اور باصم کے رشتے کو لے کر بہت پریشان تھیں۔ بس پھر ساری ذمہ داری مجھے اپنے نازک کندھوں پر لینی پڑی اور دیکھ لو نتیجہ۔
اب تم پلیز یہ مت سمجھ لینا کہ مجھے پہلے سے ہی پتہ تھا مجھے بھی اس ناٹک کے دوران ہی پتہ چلا۔
خالہ نے مجھ سے حریم کے متعلق پوچھا تو میں حریم کے لیے انکار کرنے لگا تھا جب خالہ نے مجھے آنکھ سے تمہاری طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔
میں سمجھ گیا یہاں یہ سب جو ہو رہا ہے خالہ اور حریم کا کوئی پلان ہے میں نے بھی اس ناٹک میں اپنا حصہ ڈال دیا۔
میرے گھورنے پر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر صفائی دی۔
اتنی دیر سے مجھے بے وقوف بنایا جا رہا تھا میں ناراضگی سے بولی۔
میں سمجھتا کہ میں نے تمہاری وجہ سے ہاں کی ہے وہ تو میں نے امی کی وجہ سے ہاں کی۔
میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا
امی نے میرے شانے پر ہلکا سا تھپڑ مارا۔
امی کی وجہ سے ہاں کی سب جانتی ہوں

ہاں۔
امی نے میری نقل اتاری تو ایک لمحے کو میں چپ سی ہوگئی ایک بار پھر سب ہنسنے لگے۔

✦✦✦

پورا گھر سجا ہوا تھا آج دانین اور باصم کا نکاح تھا جو کہ بہت سادگی سے ہو رہا تھا
باصم کے ہاتھ میں ایک باکس تھا باصم سب سے بچ بچا کر دانین کے روم کی طرف آگیا دروازہ لاک نہیں تھا کچھ دیر پہلے حریم دانین کے روم سے باہر نکلی تھی۔
سرخ لہنگا میں پر اس قدر جچ رہا تھا کہ میں بار بار خود کو آئینے میں دیکھے جا رہی تھی میں آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی جب باصم روم میں آیا اسے دیکھ کر میں پلکیں جھپکانا بھول گئی
سفید شیروانی میں وہ مجھے کسی ریاست کا شہزادہ لگا تھا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے باصم تم میرے روم میں گھس آئے ہو۔" میں نے اسے ہمیشہ کی طرح کچھ شرم دلانی چاہی مگر وہ بھی باصم تھا صدا کا بے شرم ڈھیٹ بن کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔
"تو کیا کروں بتاؤ یہ دینے آیا تھا۔" باصم نے ایک خوبصورت سا باکس میرے آگے بڑھایا میں اس باکس کو لینے کا کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی اس لیے میں نے باکس نہیں لیا۔
یہ کیا ہے؟
میرے سوال پر باصم نے سر پیٹ لیا۔
کاکروچ ہے اس میں
باصم کے جواب پر بمشکل میں نے خود کو چیخنے سے روکا تھا
نکلو یہاں سے اور اپنا یہ کاکروچ والا باکس بھی لے جاؤ۔ میں نے غصے سے کہا
دانین بات سنو میں مذاق کر رہا ہوں اس میں کاکروچ نہیں ہے خود ہی کھول کر دیکھ لو۔
باصم نے دوبارہ باکس میری طرف بڑھایا
پکا نہ
اور اس بار اس کی معصوم سی شکل دیکھ کر میں نے باکس لے لیا اب جب رشتہ جڑ رہا تھا تو اس پر یقین کرنا فرض تھا میرا۔
میں نے جیسے ہی باکس کھولا تو اس میں ایک نہایت ہی خوبصورت بریسلٹ تھا
یہ تو بہت خوبصورت ہے میں نے بریسلٹ بولی اور نیکلس اٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔
یہ میرے لہنگے سے میچ بھی ہے۔ میں خوشی سے چہک اٹھی اور وہ نیکلس پہن لیا۔
اُف یہ لڑکیوں کی میچنگ
باصم بڑبڑانے لگا۔
ویسے ایک اور بھی چیز ہے
باصم کی بات سن کر میں اس کے سامنے آکر

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے
ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب ..... ☆
خمار گندم ..... ☆
دنیا گول ہے ..... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆
لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ہزاروں کے سنگ

صائمہ اصغر

کھڑی ہوئی۔

باصم میرے سامنے اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

باصم میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا دنیا میں محبت کے اظہار کے لیے الفاظ تو دیر میں تخلیق پائے۔ میں نے تمہیں انت لمحات اسی وقت محسوس کر لیا تھا۔ جب عالم ارواح میں ہماری روح نے ایک دوسرے کو بطور ساتھی چنا تھا۔

وہ اتنے خواب ناک انداز میں بول رہا تھا کہ میں اسے دیکھتی رہ گئی میرا دل چاہ رہا تھا وہ یونہی بولتا رہے اس کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی آج مجھے پتہ چلا کہ وہ مسکراتے ہوئے بہت دلکش لگتا ہے۔

باصم نے اپنی جیب سے گلاب کا پھول نکال کر میرے سامنے پیش کیا جسے میں نے ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بنا لے لیا۔

حریم کمرے میں آئی تو باصم کمرے سے باہر چلا گیا اور میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھی مولوی صاحب آ چکے تھے

ہمارے درمیان موتیے اور گلاب کے پھولوں کی دیواری بنائی گئی تھی

ایک طرف باصم بیٹھا تھا اور ایک طرف میں بیٹھی تھی۔

نکاح شروع ہونے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں خالہ سے۔

ہاں بولو بیٹا۔ امی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

مجھے کچھ چاہیے۔

باصم نے بھی اسی لہجے میں کہا میں تو سوچ میں پڑ گئی کہ باصم کیا کہنا چاہتا ہے آخر۔

آپ شادی کے بعد میرے اور امی کے ساتھ رہیں گی ویسے بھی کوئی تو ہو نہ جو میرا سائیڈ لے۔

باصم بڑے لاڈ سے بولا یہ انوکھی فرمائش تھی اس کی جو مجھے بہت اچھی لگی

بیٹا میں اپنے داماد کے گھر کیسے رہ سکتی ہوں۔ امی نے باصم کو سمجھانا چاہا۔

"بیٹے کے گھر تو رہ سکتی ہیں نہ؟"

باصم نے مسکرا کر پوچھا تو امی کی آنکھیں نم ہو گئی

میرا بیٹا۔ امی نے باصم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

باصم کے اس فیصلے سے آصفہ اور قریش بھی خوش ہوئے انہوں نے بھی دل ہی دل میں اسے سراہا

مولوی صاحب نے نکاح پڑھانا شروع کر دیا۔

دانین بنت اکرم کیا آپ کو باصم قریش کے ساتھ یہ نکاح قبول ہے۔

قبول ہے

میرے آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسوں تھے میں نے باصم کو دل سے قبول کیا تھا زندگی ساری مشکلیں جیسے کہیں پیچھے چھوٹ گئی تھی ساری تھکاوٹ باصم کے ساتھ نے سکون میں بدل ڈالی تھی زندگی خوشیاں لیے ہمارے سامنے کھڑی تھی باصم کا ہاتھ تھامے میں زندگی کی خوشیاں سمیٹنے چل پڑی تھی

اچھے ہم سفر کا ساتھ انسان کو مشکل راستے میں بھی تھکنے نہیں دیتا۔

✦✦✦

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ہزاروں کے سنگ

صائمہ اصغر

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جونہی پیریڈ کی بیل ہوئی تمام سٹوڈنٹس ہراساں سے کلاس روم کی طرف دوڑے وجہ اور کچھ نہیں۔ مس شمیم کا خوفناک حد تک ڈرا دینے والا لہجہ تھا۔ ان کے "دھاڑنما" انداز تخن سے کئی لڑکیاں کے دل دہل جاتے تھے۔ صرف وہ لڑکیاں ہی نہیں بہت سارا باتیں جن کے اندر بلا کا کانفیڈینس تھا۔ بچوں کو پیٹا شروع ہو جاتیں۔ اکثر بچیوں کی مائیں سکول سے آکر مس شمیم کی شکایت کرتیں ان کا کہنا تھا کہ ایسے سکول کی دیگر اساتذہ کو ان سے دور رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ یہی نہیں سکول کی ملازمائیں تک ان سے تنگ تھیں۔ کلاس روم کی صفائی ٹھیک سے کی ہوتی پھر بھی ان کی شامت آئی رہتی۔

جونہی مس شمیم کلاس روم میں اینٹر ہوئیں پوری کلاس مؤدب سی کھڑی ہو گئی۔

"مس جی اسلام علیکم!"

"وعلیکم اسلام!" وہی کٹھ مار لہجہ۔ جیسے وہ اتنا بڑا رسپانسل ڈیزرو کر کے آئی ہوتم؟" انہوں نے اپنے بالکل سامنے بیٹھی ایک لڑکی سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہوں"۔ وہ مطمئن ہوئیں اور ساتھ ہی ایک اور بچی کو سبق سننے کے لئے بلا لیا۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی اسے بخار تھا اور وہ سبق یاد نہ کر پائی تھی۔

"جلدی سے سنانے کے لئے آؤ! اب تمہارے انتظار میں رات تک ادھر ہی بیٹھی رہوں"۔ بداخلاقی کے تمام ریکارڈ توڑتی مس شمیم کے یوں کہنے پر وہ لڑکی من من بھاری قدموں کو اٹھاتی ان کی طرف بڑھی اسے لگا جیسے وہ قتل گاہ کی طرف گامزن ہے۔

"یاد نہیں کیا تم نے؟ الو کی پٹھی، جاہل، گدھی!" اس کے من من کر کے سنانے پر مس شمیم نے نا صرف سے مختلف القابات سے نوازا بلکہ اس کے بالوں کی پونی کو "مرکز" بنا کر اس کے بال بھی کھینچے۔ کلاس میں سناٹا چھا گیا۔ ساری کلاس اس غیرت انگیز منظر کو دیکھ کر لاحول ولا قوۃ کا ورد کرنے لگی۔

"دفع ہو جا ادھر سے" وہ لڑکی فوراً ہی وہاں سے کھسک لی تھی۔ اسے بخار بھی بھول گیا تھا اور نقاہت بھی۔ اللہ اللہ کر کے بیل ہوئی تو پوری کلاس کی کب سے رکی ہوئی سانس بحالی ہوئی۔ کلاس کی مانیٹر فوراً ہی کلاس سے باہر نکلی تھی اس کا رخ چھٹی کلاس کی جانب تھا جہاں سے اک ایسی پری نے نکلنا تھا جس پر پورا سکول فدا تھا ان کی کلاس ٹیچر ہونے کی وجہ سے ان کی اخلاقی تربیت کے اختتامی جملے سن رہی تھی۔ بالآخر وہ کلاس سے باہر آ گئی تھیں۔

"اسلام علیکم مس جی"۔ آٹھویں کلاس کی مانیٹر عفت نے متانت سے بڑھ کر جوش انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام بیٹا کیسی ہیں؟" مس جویریہ کا پھول برساتا لہجہ ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا دیتا تھا۔ وہ نہایت توجہ سے اور محبت سے سامنے والے کی بات سنتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر سٹوڈنٹس اپنے کلاس ٹیچر سے متعلقہ مسائل انہی کے ساتھ شیئر کرتے تھے اور ان کو یقین ہوتا تھا کہ وہ صرف حل ہوں گے بلکہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔

"ٹھیک ہوں مس جی"

"وہ....." عفت کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے بیٹا آپ کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں۔" مس جویریہ کے محبت آمیز جملے نکلتے تھے۔ کیسا خوبصورت لہجہ اور

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

PARHLO.COM.PK

ہوا۔ "مس جی اگر آپ کے پاس وقت ہے تو آپ سے ایک بات شیئر کرنی تھی"۔ عفت نے متذبذب سی۔

"جی بیٹا یہ میرا فری پریڈ ہے آپ بولیں میں سن رہی ہوں آپ کی بات اگر ہو سکا تو آپ کا مسئلہ بھی ضرور حل کر دوں گی"۔ مس جویریہ کا یہ جملہ انزا جملہ اس کو سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ حوصلہ بات ہوا۔

"مس آپ سے میں مس شمیم کے بارے میں بات کرنے آئی تھی۔ انہوں نے ہماری کلاس کی ذہین ترین بچی تانیہ کو پوری کلاس کے سامنے مارا۔ مس وہ پڑھنے والی بچی ہے اسے بخار تھا اس وجہ سے وہ سبق یاد نہیں کر سکی تھی۔ مس وہ ہمیشہ سے پوزیشن لیتی ہے آج اس کی انسلٹ ہوئی ہے۔ وہ بری طرح رو رہی تھی"۔ اور مس نے پوری کلاس کے سامنے اسے گالیاں بھی دیں۔" سدا کی حساس عفت بتاتے بتاتے خود بھی رو پڑی۔ جبکہ مس جویریہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئیں۔ وہ یہ سب باتیں پہلے بھی کئی اور کی زبانی سن چکی تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں بیٹا میں بات کروں گی ان سے آپ کو میرے پاس بھیجئے گا پلیز"۔ مس جویریہ ہمیشہ سے مسیحا کا کام کرتی تھیں۔ وہ دوسروں کو پریشانی سے بہت جلد نکال لیتی تھیں۔

"جی مس ٹھیک ہے لیکن پلیز مس شمیم کو میرا نام مت لیجئے گا ان کے سامنے"۔ عفت کو اپنی خراب انسلٹ کا خیال آیا تو فوراً بول پڑی۔

"ارے نہیں نہیں بیٹا! آپ بے فکر رہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا"۔ مس جویریہ دھیرے سے مسکرائیں تو عفت کو یوں لگا جیسے ہر سو پھول سے کھل گئے ہوں۔

"تھینک یو سو مچ مس جی"۔ عفت تہہ دل سے مشکور ہوئی

"Mantion Not" مس جویریہ پھر سے مدعو ہوئیں۔

+++

سکول میں فنکشن ہونے والا تھا مس جویریہ کے ڈے بچوں کو تیاری سے حوالے سے آگے لایا تھا۔ وہ مختلف Events میں شمولیت اختیار کرنے والے بچوں کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ اور وہ بات ادھر کی ادھر رہ گئیں۔

فنکشن کے اختتام پر جب Best Teacher کے لئے مس جویریہ کا نام پکارا گیا تو مارے خوشی کے پورا سکول اٹھ کھڑا ہوا۔ خوبصورت سی مس جویریہ کے جہاں اتنے مداح تھے وہاں ان کے حاسدین کی بھی لائن لگی ہوئی تھی اور عفت ان میں سے ایک تھیں۔ مبارک باد بھی ان یک طرف سے موصول ہوئی تھی جو ان کی اس کامیابی پہ خوش تھے تمام سٹوڈنٹس گروپس کی شکل میں ان کو مبارکباد دینے لگے۔ عفت کو دیکھ کر انہیں اس سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا۔ اگلے دن وہ سٹاک روم میں بیٹھی مس شمیم کے پاس جا بیٹھیں۔ شومئی قسمت وہاں اس وقت اور کوئی نہ تھا۔

"اسلام علیکم مس شمیم! کیسی ہیں آپ؟"۔ وہی مخصوص دھیما مگر خوبصورت سا لہجہ۔

"وعلیکم سلام" مس شمیم نے آدھی بات کا جواب دیا۔ وہ نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھیں۔ کیونکہ کل انہوں نے مس جویریہ کو مبارک باد نہیں دی تھی۔

"مس آپ سے ایک بات کرنی تھی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو" مس جویریہ کے کہنے پر

مس شمیم نے پہلی بار ان کی طرف دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں بے زاری تھی بے زاری تھی۔

"مجھ سے کیسی کیا بات کرنی ہے آپ کو وہ بھی "صبح صبح"۔ مس جویریہ ان کے اس طرح کہنے پر ہنس دیں۔ گیارہ بجے کا وقت تھا صبح کہنے پر ہنس دیں۔

"مس میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ بس سٹوڈنٹس کے حوالے سے یہ کہنا تھا کہ ہم استاد ان کے کردار کی تعمیر کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم ان کے رول ماڈل ہیں۔ ان کا کل ہمارے آج سے جڑا ہے۔"

"تو؟" مس شمیم کو "صبح صبح" کی باتیں ہضم نہیں ہو رہی تھیں۔ انہوں نے مس جویریہ کی ادھوری ٹوک دیا۔ جس کا انہوں نے ذرا بھی مائنڈ نہ کیا۔

"تو یہ کہ مس جی ہم جیسی ان کی تربیت کریں گے کل کو وہ ہمارے جیسا ہی بنیں گے۔ اب یہ ہم اساتذہ پر ہے کہ ان کے ذہنوں میں گالیوں جیسی نجاست بھر دیں یا ان کے دماغ کو علم سے اور اچھی عادات معطر کر دیں۔"

"میں کچھ نہیں!" مس شمیم سمجھ کر بھی کہہ اٹھیں۔

"مس جی اساتذہ ہر بچے کے گھر میں ڈسکس ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان کو اخلاق کی بنیادوں سے گرا دیں گے تو وہ پھر بھی نہیں سنبھلیں گے کیوں کہ وہ اپنے دن کا زیادہ حصہ سکول میں گزارتے ہیں اور ادھر سے ہی سیکھ کر جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ گئیں ہوں گی مس جی! ہم قوم کے معمار ہیں مس جی، چاہیں تو بچے کے کردار اور گفتار کی عمارت کو ڈھا دیں چاہیں بنا دیں۔"

مس جویریہ بڑی محبت سے اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں جبھی تو مس شمیم جیسی بے زار ہستی ان کو سنا رہی تھیں۔

"آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کی Best ہیں ہم سیکرٹریٹ میں گھاس چر رہے ہیں؟" مس شمیم سے یہی توقع کر رہی تھیں وہ۔

"نہیں نہیں مس جی! Best تو وہی ہے جو بہترین کوشش کرے گا چاہے وہ کسی فیلڈ میں ہو۔"

"پھر آپ صبح صبح میرا دماغ کیوں کھانے آ گئی ہیں؟" مس شمیم کے یوں کہنے پر مس جویریہ تھوڑی پریشان سی ہو گئیں ان کو اپنی کوشش رائیگاں سی محسوس ہوئی۔ انہوں نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی مگر اسی اپنائیت بھرے پیار بھرے لہجے سے۔

"میں اٹھنے سے پہلے بس اتنا کہوں گی کہ ہر جیتے انسان کی Self respect ہوتی ہے۔

چاہے وہ استاد ہو یا طالب علم، تو ہمیں ان کی عزت نفس کا خیال رکھنا ہوگا ورنہ کل کو وہ بھی اپنے سٹوڈنٹس کی عزت نفس کا دھیان نہیں کریں گے یوں ایک چین (Chain) سی بن جائے گی اور اس کا سہرا ہمارے سر ہوگا مطلب دنیا میں ہم ناپسندیدہ اور آخرت میں گنہگار۔ پلیز مس جی مائنڈ مت کیجئے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ یہاں کے لوگ ہی ہماری شکایتیں ہم میں سے کسی کو لگاتے رہیں اور پھر ہم دوسروں کی نظروں میں برے بن جائیں یا ہمارا Image خراب ہو۔"

مس شمیم کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر نہایت خلوص اور پیار سے مس جویریہ نے "ہم" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ان کو بہت کچھ باور کروا دیا تھا اور وہ بول تک نہ پائیں تھیں۔ شاید سمجھ چکی تھیں۔ مس جویریہ اپنی بات مکمل کر کے رکی

نہیں۔ وہ بہت اچھی تھیں یہ ابھی اور اسی لمحے مس شمیم کو پتا چلا تھا۔

✦✦✦

"جویریہ آپ کا نام ہے؟" ڈاکٹر نے پہلی کوئی تیسری بار بھی عینک لگا کر بھی عینک اتار کر پڑھا تھا۔ ہر بار تشویش پہلے سے زیادہ بڑھ کر بھی اس کے چہرے پر۔ وہ بھی جویریہ بھاگ کر بھی ان رپورٹس کو اور بھی پاس بیٹھے ان کے Hubby کو۔

"جی!!! نام ہے ابھی سسٹر ماریہ مجھے اور بلا کر لائیں گی اپنی باری پر"۔ مس جویریہ بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں ڈاکٹر کے اس طرح کنفرم کرنے اور بار بار رپورٹس کے دیکھنے پر بھی حال ان کے شوہر کا تھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ خیریت؟ آپ ان کی رپورٹس کیوں.....؟" ان کے ہسبنڈ جملہ مکمل نہیں کر پائے تھے۔ وہ از حد پریشان ہو گئے تھے۔

"ہمیں آپ کا فوری طور پر آپریشن کرنا پڑے گا بلکہ ایسا ہے کہ ہم آپ کو ابھی ایڈمٹ کر رہے ہیں۔ آپ کا کیس بے حد کمپلیکیٹڈ complicated (پیچیدہ) ہو چکا ہے۔ یہاں اب نہیں دو زندگیاں خطرے میں ہیں۔ آپ پیشنٹ ایک گھنٹے کے اندر اندر کروالیں"۔ ڈاکٹر بشریٰ نے گویا بم پھوڑ دیا تھا ان کے سر پر۔

ایمرجنسی نافذ ہو چکی تھی۔ جویریہ آپریشن تھیٹر میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ کیس ڈاکٹر بشریٰ کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا۔ پیشنٹ کی کنڈیشن لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جا رہی تھی۔ O.T کے باہر ان کے رشتہ دار سجدوں میں گر کر اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا دعائیں مانگ رہے تھے۔ ان کے شوہر کی حالت دیکھنے لائق تھی وہ تو بس چہرہ ہاتھوں سے چھپائے روئے جا رہے تھے۔ ہیرے کی قیمت جوہری ہی جانتا ہے۔ وہ ان کے لئے ہیرے کی مانند تھیں۔

✦✦✦

سکول میں سب معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ آج مس جویریہ چھٹی پہ تھیں۔ سکول کی ہیڈ نے تمام ٹیچرز کو میٹنگ [illegible] بلایا تھا۔ شاید جبھی تو ملازمہ کے کہنے پر تمام ٹیچرز [illegible]

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

اردو کی آخری کتاب

طنز و مزاح

محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ
اردو بازار لاہور

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

غربت ہجراں

عنبرین اختر

کر رہی تھیں۔ لیکن جو میڈم عظمیٰ (ہیڈ) کے ساتھ جویریہ کے گھر سے آئے ہوئے۔ فون اور اس اطلاع کے بارے میں بتایا تو تمام سٹاف کے ہوش اڑ گئے۔ سب کو سانپ سونگھ گیا لیکن مس شمیم ہوش میں تھیں۔ "میڈم پلیز مجھے اجازت دیں میں سکول کی تمام سٹوڈنٹس کو دعا کے لئے اکٹھا کروں۔ پلیز میڈم صرف ایک گھنٹے کے لئے ہی سہی۔ میں اجتماعی دعا کا بندوبست کروانی ہوں۔ دیکھئے گا ہمارے معصوموں کی دعاؤں سے کیسے نہیں زندگی کی طرف لوٹتی، اسے زندہ رہنا ہوگا سٹوڈنٹس کی اچھی تربیت کے لئے اور ہمارا شعور اجاگر کرنے کے لئے"۔ مس شمیم نے روتے ہوئے بات مکمل کی تو تمام سٹاف اور خود میڈم عظمیٰ ان کی اس "پٹی ہوئی کایا" پر پہلے تو حیران ہوئے پھر فوراً ہی سب نے ان کی تائید کی۔ تھوڑی دیر بعد سکول کا حلیہ ہی بدل گیا۔ گراؤنڈ میں صاف چادریں بچھا کر مڈل اور ہائی جنے کی بچیاں دور دور تک بیٹھا زور و شور سے پڑھ رہی تھیں۔ کچھ بچیاں تو مسلسل رو رہی تھیں۔ کلاس رومز میں بچیوں نے وائٹ بورڈ پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا۔

"مس جویریہ ہم آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو ہماری عمر لگ جائے"۔ کچھ بچیوں نے کاپیوں کے صفحات پھاڑ کر اور کچھ نے بڑے بڑے چارٹ پیپر لکھ دیا۔

We went't let you go
(ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے)

کچھ نے دعائیہ کلمات لکھ ڈالے تھے۔

بچوں کی اتنی محبت اور چاہت نے سٹاف کو جہاں حیران کیا تھا وہاں مس شمیم پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔

"کیوں کہ ہم ایسا کچھ کر جائیں کہ ہمارے ارد گرد کے لوگ ہمیں ہمارے مشکل وقت سے نکلنے کے بعد پھر ہمارے اعمال ہمارے لئے صدقہ جاریہ بن جائیں"۔ اسمبلی میں کہے گئے جویریہ کے الفاظ ان کو اچانک سے یاد آئے تھے۔

"مس اسلام علیکم!" جیسے ہی بچے کلاس میں داخل ہوئیں تمام سٹوڈنٹس احتراماً کھڑے ہو گئے، ان کے کہنے پر سب نے نشستیں سنبھال لیں۔

"پیپرز کیسے ہوئے آپ سب کے بیٹا؟" مس نے نہایت دوستانہ انداز میں پوچھا تو سب لڑکیاں انتہائی خوشی نہایت کانفیڈینس سے مس کو بتانے لگیں۔ "زبردست اس کا مطلب سب نے خوب محنت کی ہے؟"۔ سب سٹوڈنٹس کے تمتماتے چہرے ان سے بھی زیادہ خوشی ہوئیں۔

"عفت بیٹا آپ نے کمپیوٹر سائنس کی تیاری مکمل کر لی؟ دھیان رکھیے گا فنکشن کی چیف گیسٹ مس جویریہ ہیں ساتھ ان کے بچے بھی ہوں گے۔ کوئی کمی پیشی نہ رہ جائے ہاں میں خود دیکھ لوں گی"۔ مس شمیم میں مس جویریہ کب آسمانی تھیں ان کو بھی اندازہ نہ ہوا اور بھی بہت کچھ بدلا تھا۔ مس جویریہ کی پروموشن ہو گئی تھی PPSC کا امتحان دیکر وہ کالج کی لیکچرار ہو گئیں تھیں یہ پارٹی انہی کے آنر میں تھی جسے میڈم عظمیٰ نے فنکشن کی شکل دے دی تھی۔ اللہ نے ان کو نئی زندگی دے کر اک نئی جگہ بھیج دیا تھا۔ کالج کو شاید ان کی ضرورت تھی۔ یہ ان کے خلوص کا انعام تھا جو اللہ کی طرف سے انہیں ملا تھا۔

+++

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

قربت ہجراں

عنبرین اختر

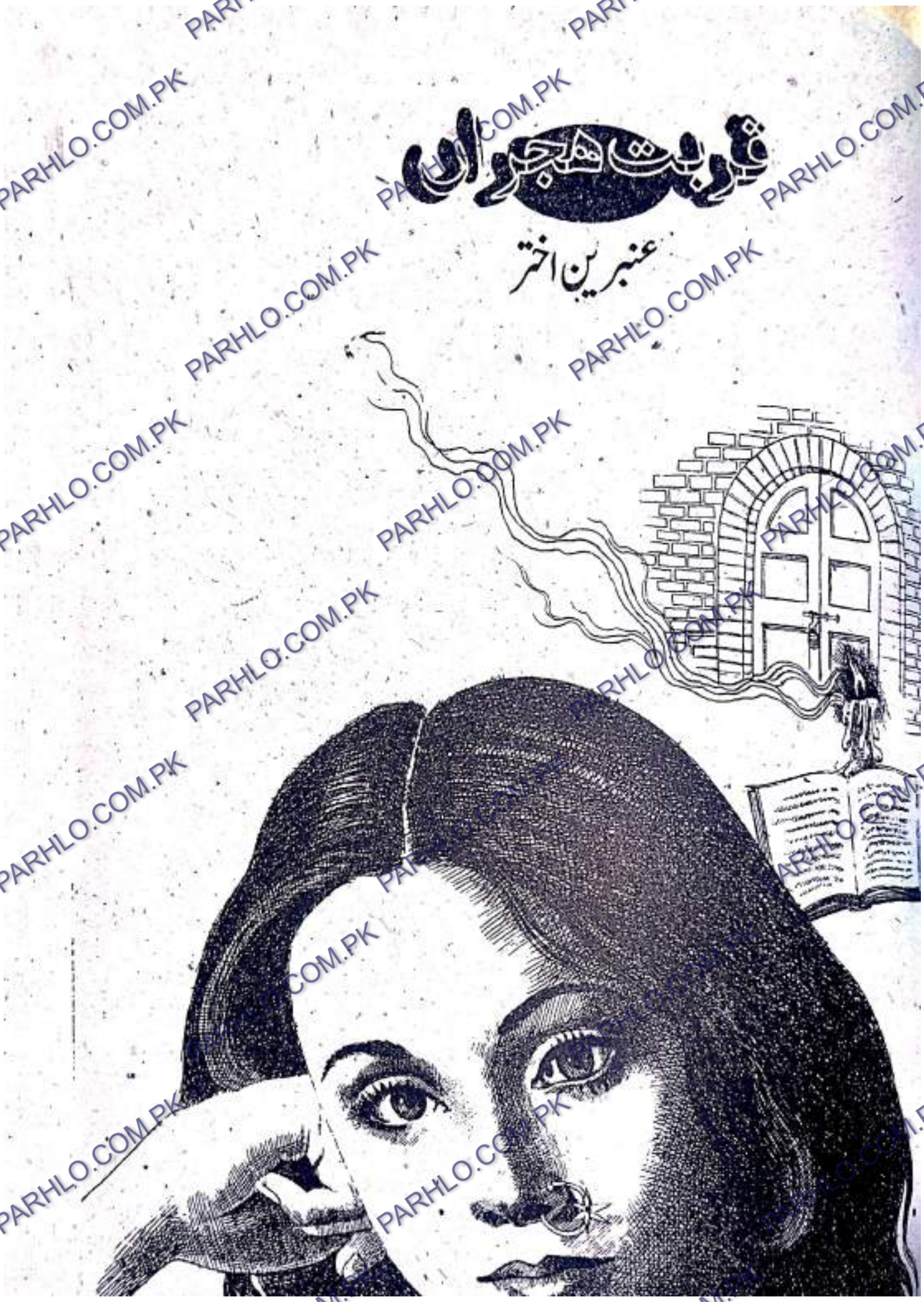

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ سردیوں کی اک اُداس اور ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی۔ تارے مارے شرم کے بادلوں کی ردا سے جھانکنے کی ناکام آرزو کر رہے تھے۔ چاند اور بادلوں کی آنکھ مچولی جاری تھی۔ دُھند میں لپٹی سرمئی شام بھی کتنی اُداس اور ویران تھی۔ بالکل میری زندگی کی طرح جس دن سے تم مجھے الوداع کہہ کر گئی ہو۔ میرا دل ان بوڑھے درختوں کی اُجڑی کوکھ میں کہیں اٹک کر رہ گیا ہے۔ ہر سُو تمہاری یاد کے سائے میری پلکوں سے آنسوؤں کی صورت گرتے ہیں اور دامن میں کہیں پیوست ہو جاتے ہیں۔

کبھی نہ نظر آنے کے لیے۔ یہ کیا؟ آنسو تو میری کیلوں کی باڑوں سے بہہ رہے تھے لیکن کیا تمہیں بھی میری طرح اذیت اور بے قراری گم ہے کہ فلک کے سینے سے بارش کے قطرے ہولے ہولے گرنے لگے ہیں۔ میرے من میں اک ہلچل مچی تھی۔ اُس سے تم بہت یاد آ رہی تھی۔ ہاں سردیوں کی ایسی ہی اُجڑی شام تھی۔ بارش بھی ہو رہی تھی۔ جب تم مجھ سے ملنے ایئرپورٹ پر الوداعی ملاقات کے لیے کھڑی تھی۔ بلیو فراک، سویٹر اور جینز پہنے، بال براؤن بے پناہ حسین کھ پر ہلکے میک اپ کی تہہ آنکھوں کی دل آویزی، قدرتی تہہ دار پپوٹے اور دلکش ہونٹوں کے پہلے کنارے تمہارے حسن میں بے پناہ اضافہ کر رہے تھے۔ تم کسی پرستان کی پری لگ رہی تھی۔ میری آنکھیں انتظار کے دیے روشن کیے تم اپنا نازک ہاتھ ہوا میں لہرا رہی تھی۔ زندگی زندگی سے بچھڑ رہی تھی۔ میں اپنا محبوبہ کو کیسے الوداع کر سکتا تھا۔ ایسا دل تو شاید کسی کے پاس بھی نہ ہو لیکن دل کو مضبوط کر کے آنکھوں میں بلاوجہ شادمانی پیدا کر کے لبوں پر ہلکی مسکان سجا کر تمہیں ہمیشہ کے لیے الوداع کر دیا۔ تم مجھ سے بچھڑی۔ میلوں دور چلی گئی جانے کہاں جا کر بس گئی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں روک نہ پایا۔ میں مرد تھا۔ پینتیس سالہ مضبوط اعصاب کا مالک لیکن میں اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔

بچھڑنا کتنا اذیت دہ مرحلہ ہے۔ کوئی اس لمحے مجھ سے پوچھتا کسی کی آنکھوں میں پل پل جینا اور مرنا زیست کا حاصل ہے تو میں کہتا مجھے تمہاری یادوں کے سہارے ہی سسکتے لمحے گزارنے ہیں۔ تپتے انگاروں پر ننگے پاؤں چلنا ہے اور زبان سے اُف بھی نہیں کرنی یہاں یہی تو محبت ہے۔ دیکھو حور جاناں آج اتنے برس بیت جانے کے بعد بھی ان پر خطر اور ہولناک دنوں میں تمہاری محبت سنبھال کر رکھی ہے۔ میرے آنسوؤں نے تمہارے ساتھ کیے وعدوں کا بھرم رکھا ہے۔ میں کب سے تمہارے انتظار کے کرب میں ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں۔ آؤ اور میری بے چین روح کو قرار دو۔ اپنے نرم اور ٹھنڈے ہاتھوں کے پوروں سے میری جلتی پیشانی پر پیار کا مرہم رکھ دو۔ آؤ کہ میری ویران آنکھوں میں خوشی کے دیے روشن کر جاؤ۔ تاکہ کچھ لمحے تو میری بھٹکی روح کو قرار مل سکے۔ میں خوش رہنا چاہتا ہوں۔ لوگوں کے درمیان زندگی محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ مگر کہاں میرے نصیب کو جیسے گھن کھا گیا ہو۔ ادھر میرے دوست مجھے ہنساتے ہیں اور خوش بھی ہوتے ہیں لیکن دوسرے لمحے میری آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر جاتی ہیں۔ دوست مجھ سے اداسی کی وجہ پوچھتے ہیں لیکن تصور جاناں میں تمہارا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ تم اصول ہو، خاص ہو۔ میں بلاوجہ تمہارے تذکرے نہیں بن سکتا۔ تم جس مقصد کی خاطر مجھ سے بچھڑی ہو

جواب ہے وہ مقصد جلد تکمیل کو پہنچے۔ تم میرے لیے واپس لوٹو۔ پھر ہم ایک ہو کر رہیں۔ آہ! خوش فہمیوں کے پرتو یونہی لہراتے رہتے ہیں۔ سندس ڈاکٹر کی ڈگری لینے کے لیے ہیپ جانے لگی۔ وہ میرے پاس آئی اور بولی ہیپ میں چند سالوں کے لیے یورپ جا رہی ماسٹر میں تمہیں تو پتہ ہے مجھے ڈاکٹر بننے کا بہت ہوں۔ میں واپس آ کر دکھی انسانیت کی خواہش ہے۔ میں واپس آ کر دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

تم میری محبت کی لاج رکھنا۔ کسی اور کے نہ ہو جانا۔ محبتوں میں کھوکھلے دعوے محبت کو اور کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ پلو حاشر کیا تم میرا انتظار کرو گے۔ میں جلد ہی لوٹ آؤں گی۔ میں وٹس ایپ پر پہنچنے کی کال کروں گی۔

"صرف کال؟" میں حیرت سے بولا۔

ہاں تو بدلے میں تم بھی کال کر لینا۔ میں مصروف ہوں گی۔ میسج کا جواب نہ دے پاؤں گی۔ کیونکہ پڑھائی بہت زیادہ ہے اور پھر ڈگری لینا کوئی آسان کام نہیں۔ میں سندس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا اور ادھر جو میرے دل پر گزر رہی تھی وہ بیان سے باہر تھا۔ دل چیر کے دکھاتا تو ضرور دکھاتا۔ ضبط کے بندھن روکے میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔

وہ جانے میرے سے کیا کیا باتیں کرتی رہیں لیکن میں تو اس حسین کھ کے سحر میں گم تھا۔ میں ان ویران آنکھوں میں اس کی خوبصورتی کو سمونے کی جستجو کر رہا تھا۔ وہ میری باہوں میں بکھل جا رہی تھی اور میں آنے والے دنوں سے بے حد خوف زدہ تھا۔ وہ اپنے گھر چلی گئی۔ دیار غیر کی تیاری کرنے۔ میں سندس کی یادوں میں جھومتا ماضی کو حال میں لانے کی جستجو کرتا رہا۔

لاہور نہر کے کنارے ٹہلتا رہا۔ سنہری پتوں پر چہل قدمی کرتے کسی روتے بچے کی طرح خود کو دلاسہ دیے جا رہا تھا۔ اُداس شام کا ملگجی چہرا، دھند میں لپٹے پودے اور ننگے شجر۔ نہر کا سوکھا پانی اور مال روڈ کی لمبی سرمئی سڑک پر چلتے ہاتھ میں فیض کا نسخہ ہائے وفا تھامے چلتا جا رہا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ویران شجر کی کوکھ میں پناہ لینے لگا۔ درختوں سے اسے پتے گر کر مجھے زندگی کا پتہ دے رہے تھے۔ ہاں ہر شے اُمید پر ہی قائم ہے۔ جیسے یہ اُجڑے درخت بہار کی آمد کے منتظر ہیں کہ جب بہار آئے گی تو پھر جی اُٹھیں گے۔ ایسے ہی میں خود کو تسلی دے رہا تھا کہ سندس ایک دن تو لوٹے گی نا جبکہ میں جانتا تھا وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی۔ وہ وہاں کی باسی ٹھہرے گی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ میرے وہم سچ نکلے۔ بالکل سیپ کے موتی کی طرح۔

سندس نے دو سال بعد وہاں شادی کر لی۔ مجھ پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ میری آنکھوں سے آنسو تمام ہو چکے تھے۔ میری بھری جوانی خزاؤں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ خشک اور زرد پتوں کی آہٹ میرے اندر اُداسیاں بونے لگی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح ایک بار پھر اس کا انتظار کرنے لگا۔ جانے کون سے سے سندس میرے گلے لگے گی اور اپنی بے وفائی کی رو رو کر معافی مانگے گی۔ میں راتوں کو سویا ہی کب تھا۔ پچھلے پہر اُٹھ کر جی گھبرانے لگتا تو اللہ کو یاد کرتا۔ تہجد پڑھتا اور بے تحاشا دعائیں مانگتا۔ میں والدین کا اکلوتا سپوت تھا اور ایسے میں والدین اپنی اولاد کے بارے میں کیا احساسات جذبات ہوتے ہیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ میرے سر پر سہرے کے پھول سجانا چاہتے تھے۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اور میں ایک بے نام سی [illegible] دل میں دبائے آج بھی کشمی چوک کے اس [illegible] کوشے پر کھڑا سندس کی پہلی ملاقات کو شدت سے یاد کر رہا تھا۔ میرے دوست میری حالت دیکھ کر ہنستے اور کہتے یار یہ تم نے کیا مجنوں والی حالت بنا رکھی ہے۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ رہنا ہے تو خود کو بدلنا ہوگا۔ زندگی میں اگر تم کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پیچھے مڑ کر نہیں بلکہ آگے دیکھ کر چلنے کی عادت اپنا لو۔ یوں تم بہت کچھ حاصل کر سکو گے۔ میں دوستوں کی باتیں کیسے ٹال سکتا تھا۔ ایک وہی تو میرے جینے کی وجہ تھے۔ میں نے سندس کی یادوں کو سنہری صندوقچی میں مقید کر دیا۔ دل کے تہہ خانے میں جہاں کسی کی پہنچ نہیں تھی۔ دل کے اُجاڑ اور ویران چمن میں خیال رسیدہ پتوں پر دھیمے پاؤں چلتی یادیں مجھے بے چین ہی تو کرتی ہیں۔ میں اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ میرے والدین کی طرح میرے دوست بھی اب میری شادی کے حامی تھے۔ میں نے شادی کے لیے ہاں کر دی۔

شادی کا دن آن پہنچا۔ آف وائٹ شیروانی، سفید پاجامہ، سر پر کلہ باندھے دولہا بن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ماں میرے واری صدقے جا رہی تھی۔ دوست مجھے اُٹھا کر اچھال رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار میں زور سے ہنسا تھا۔ بینڈ باجے میں بارات اتارگلی میں واقع شادی ہال پہنچی۔ لڑکی والوں نے خوب بلائیں لیں۔ گلاب کی پتیوں نے خوب خاطر مدارات کی۔ نکاح کی رسم ہوئی۔ دلہن لال جوڑے میں ملبوس حسین مجھ پر گھونگھٹ اٹکائے بڑی شان سے میری جانب چلتی آ رہی تھی۔ وہ میرے مقابل آ کر بیٹھ گئی۔

کسی دوشیزہ کا وجود جب مجھ سے ٹکرایا تو

شگفتہ شگفتہ ـــــ رواں دواں

ابن انشاء

اچھی کتابیں

پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشا

ابن انشا

ابن انشا کی تازہ تصنیف

دخل در معقولات

شائع ہوگئی ہے

لاہور اکیڈمی

بک اردو بازار لاہور

042-3731797, 37321690

کے ہونٹ سردی سے کانپنے لگے ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی وادیاں تھیں۔ "کچھ بتاؤ نا سندس تمہارا یہ حال کیسے ہوا۔ تم نے اپنی بھی تو زندگی کے کس موڑ پر۔" آہ قسمت کی دیوی بھی کتنی ظالم ہے۔ جس کے لئے انسان ساری زندگی انتظار کے الاؤ میں جلتا ہے وہ ہمیں ایسے موقع پر ملتے ہیں کہ ہم انہیں پا نہیں سکتے۔ حسرت بھری نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر تڑپ ہی تو گیا۔

"کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوتے حاشر۔ میں آج ہی لوٹی ہوں۔ تمہاری شادی کی خبر سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں تمہیں دولہا بنا دیکھنا چاہتی تھی۔ آج دل کی یہ حسرت بھی پوری ہوگئی۔"

وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ شاید اسے کوئی بڑی بیماری لگ گئی تھی۔ سردی سے اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ پورا وجود ہچکیاں لے رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ادھر میرا ضبط آخری ہچکی لینے کو تھا کہ دلہن رخصت ہو کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ دو دن بعد سندس کی موت کی خبر میرے کانوں سے ٹکرائی۔ دل جیسے پتھر کا ہو گیا۔

میں بہت روئی۔ سب ساکن ہو گئے۔ جیسے کسی نے قفل لگا دیے ہوں۔ یادوں کی کہر ایک بار پھر مجھے پیچھے لے جا رہی تھی۔ دور گہیں دیران گوشے میں تنہا نیچے پیڑ کے سائے میں سندس کی قبر پر کہر جمی ہوئی تھی۔ پھولوں کی پتیاں اس پاس بکھری پڑی تھیں۔ میں چپ سادھے دعا مانگ رہا تھا۔ ہر سو دھند کے گہرے ڈیرے تھے۔ دور کسی پیڑ کی کوکھ میں کوئل کوکو کر رہی تھی۔

✦✦✦

لگے۔ بالکل عین اسی لمحے سندس کی یاد [illegible] ستانے لگیں۔ حالانکہ میں دلہن کے پہلو میں [illegible] تھا۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ دل کی بات [illegible] طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے شیروانی کا اوپری بٹن کھول دیا۔ میں شادی کی تیاریوں میں سندس کو بالکل بھول چکا تھا۔ اچانک میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ اچانک [illegible] جھونکے آئے اور میری حالت پر دھند نما اوڑھنے لگے۔ ایک شناسا سا چہرہ ہال کے اندر آتا دکھائی دیا۔ سانولا رنگ، آنکھوں کے نیچے حلقوں کی بجائے سرخ حلقے، ناک پر رکھی بھاری عینک کے پیچھے اُداس آنکھیں۔ لبوں پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ اس وجود کو میں کیسے نہ پہچانتا۔ وہی تو میری یادوں کا اسیر تھا۔ اللہ کے بعد وہ گواہ ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے کیا جتن کیے۔

لڑکی والے رخصتی کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے اور میں گھٹن کا بہانہ بنا کر سندس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر [illegible] بولی۔

ہاں دو موٹے آنسو اس کی بائیں [illegible] ٹپکے اور اس کے نازک وجود میں ارتعاش پیدا کر گئے۔ اس کے چہرے کا رنگ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ جیسے برسوں کی بیمار ہو۔ میں حیرت زدہ آنکھوں سے سندس کو بلانے لگا۔

"سندس تم اور یہاں یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔" وہ ایک ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔

"پتہ ہے حاشر! جو لوگ محبت کو ٹھکرا دیتے ہیں چاہنے والوں کی قدر نہیں کرتے۔ پھر ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ میں نے تمہاری محبت کو ٹھکرا دیا تھا۔ تمہاری قدر نہیں کی تھی۔ دھوکا دیا تھا تمہیں۔ پھر میرا ایسا حال کیوں نہ ہوتا۔" اس

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

سلسبیل

نایاب جیلانی

میکلوڈ روڈ پر ہاشمی انشورنس کمپنی کی عمارت سے کچھ آگے سینما ہے۔ سینما کے ادھر ایک مکان چھوڑ کے ایک پرانی کوٹھی ہے۔ کوٹھی کافی کشادہ اور پرانی ہے۔ کتنا عرصہ تو خیر آباد پڑی رہی تھی۔ پھر ایک دن سنا کہ یہاں کوئی ڈاکٹر رہ رہا تھا۔ بہت ہی وجیہہ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ انتہائی سفید اور انتہائی نفیس صورت، یورپی کانونٹ کے فلیش کی لڑکیاں بالکونیوں سے لگ لگ کر ان دو بچیوں پہ فدا ہوتی نظر میں وارا کرتی تھیں۔

ڈاکٹر امریکہ سے آیا تھا کسی بڑے ہسپتال میں جاب کرتا تھا۔ صبح بیٹیوں کو ساتھ ہی لے کر جاتا تھا اور اکثر رات گئے واپسی پر نیند میں اتری پریوں کو کندھے سے لگائے گاڑی سے نکالتا۔ اس منظر کو دنیا کا حسن ترین منظر کہا جا سکتا تھا۔ ایک باپ کا اپنی بیٹیوں سے والہانہ محبت۔

شافیہ نے اس پدرانہ محبت کا ذائقہ بھی چکھا تھا۔ اس لئے شافیہ کی نگاہوں کا مرکز سوائے ان دو پریوں کے اور کون ہو سکتا تھا؟

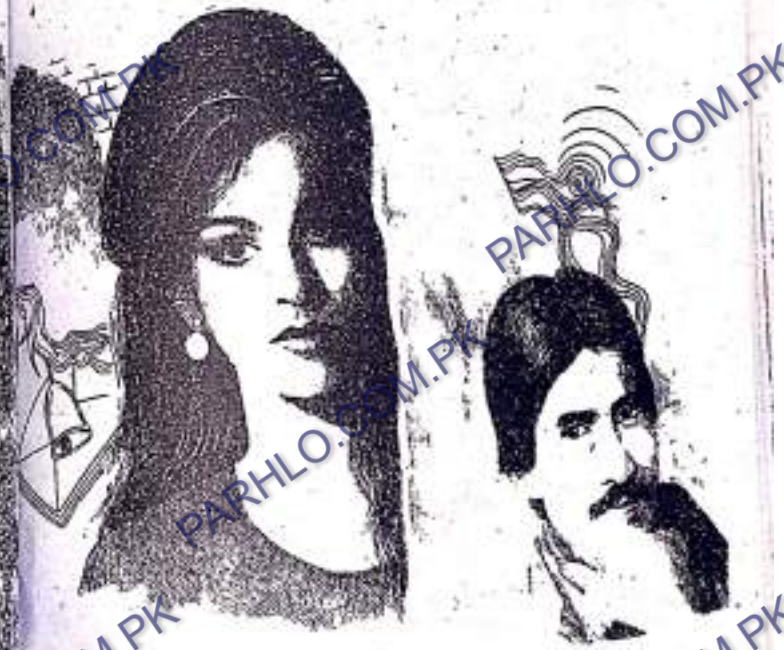

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ کالونی کی باقی لڑکیوں کی طرح شافیہ کے باپ پر فدا ہر گز نہیں تھی۔ شافیہ کے بابا کی دوسری بیوی سمیرا اس کی سگی بڑھیا مسز نرجس خیام کی بیٹی تھی۔ سمیرا کے اصرار پر شافیہ کے بابا فرحان اپنا اچھا بھلا مکان بیچ کر یہاں اس کالونی میں کرائے دار بن گئے تھے۔ جو کالونی مسز نرجس خیام کی ملکیت تھی۔

سمیرا نجانے کس لالچ میں یہاں منتقل ہوئی تھی؟ شاید اس لئے کہ نرجس خیام اپنی جائیداد سمیرا کے نام کردیں گی؟

ہوسکتا ہے کچھ دکھائی تو نہیں دیتا تھا۔

سمیرا کئی اس ہزار خواب ایسے دیکھتے تھے جس میں اس نے اپنی پھوپھی کو مرتے دیکھا تھا۔ سوم مرتبہ مرزا اختر بیگ کو پھیلی فائلوں کے ہمراہ دیکھا تھا جس میں وہ بیرسٹر خیام اور سمیرا کی پھوپھی نرجس کی تمام پراپرٹی کو اپنے نام کرتے دکھائی دیئے تھے۔

مگر یہ خواب ابھی تک تعبیر کے کوسوں دور تھا۔

سمیرا نیند سے بیداری پر صدمے سے دوچار ہو جاتی تھی۔ کئی کئی گھنٹے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ خواب تھا یا حقیقت۔

شافیہ کو تو سمیرا کے لالچ سے دلچسپی تھی اور نہ ہی ہے۔ اسے دلچسپی تھی تو بس سگی نما اس بڑھیا سے جو شافیہ کا کل جہان تھی۔ نرجس خیام شافیہ کی کل کائنات تھیں۔ اس نے زندگی کا بہت سارا وقت ان کی مہتا بھری آغوش میں گزارا تھا۔

شافیہ کو ان سے لاانتہا محبت تھی۔ اور نرجس خیام کو اپنی سوتن کے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔

شافیہ حیران ہوتی تھی کہ کوئی کیسے اپنی سوتن کے بیٹے سے اتنی شدید محبت کرسکتا ہے؟ وہ بھی بن دیکھے۔ بن ملے آواز سے آواز تک۔ نرجس خیام اپنے بیٹے کی وطن واپسی کے دن گن گن کر گزار رہی تھیں۔

"شاید آپ کے تو میں جاؤں؟"

شافیہ نے انہیں کہتے سنا تھا۔ بھلا کہاں جاؤں؟ شافیہ تب سمجھ نہیں سکی تھی۔

ادھر سمیرا اپنی سگی راتوں رات آگے جہاں کی سیر پہ نکل جائیں اور ہشام کے آنے سے پہلے پہلے وہ تمام پراپرٹی بیچ باچ کر ملک بدر ہو جائے۔ سمیرا کے خطرناک سپنوں کا ابھی کسی کو کوئی گمان نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی بس پھوپھی کسی نہ کسی طرح "مرحومہ" ہو جائیں اور وہ بہت دھڑلے سے تمام پراپرٹی (کوٹھیاں، فلیٹس، دکانوں) کو قبضہ کرلے گی۔ فلیٹ کا کرایہ بھی نہیں ادا کرنا پڑے گا۔ یہ سارے خواب تب زوال پذیر ہوئے جب ایک خوب صورت ٹھنڈی سرنگ نما جہاز سے بڑھیا کا بیٹا اتر آیا۔

سمیرا کے سپنے پر تب سانپ لوٹ گئے تھے۔ جس پھپھی کا وہ مرنا چاہتی تھی۔ اس کی بیٹی کے واپس لوٹ آئی۔

"ساری زندگی پوچھا تک نہیں۔ پلٹ کر دیکھا نہیں۔ اور اب بڑھیا کے مکانوں، دکانوں پر قبضہ کرنے آگیا ہے۔" سمیرا کا مارے صدمے کے برا حال رہا۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ بڑھیا نے

سال [illegible] لے اور چار موٹی انگوٹھیاں بھی خیرات کرگئی۔ جاتے سے [illegible] کانوں [illegible] ہیرا شب دیجور نے آکر سمیرا [illegible] مزید شب خون [illegible]

[illegible] مسز نرجس خیام عیسیٰ اپنی تمام [illegible] بھتیجہ جائیداد اپنے بیٹے ہشام عیسیٰ کے نام منتقل کرگئی تھیں۔ اس کے بعد سمیرا کے آنسو گرے ہی نہیں۔ [illegible] سونے دیئے۔ ان کا حساب شمار نہیں تھا۔

+++

ہشام عیسیٰ کی یہ پرانی کوٹھی بہت ساری حسینا وں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ جس کا ایک حصہ نہایت خستہ حال تھا۔ شاید ایک زمانے میں یہ پرانا حصہ مہمان خانہ رہا ہو۔ مگر [illegible] اردو کی [illegible] کرتی تھیں۔ ایک زمانے تک ان کے شاگرد یہاں تسلسل سے آیا کرتے تھے۔ ایک طرف [illegible] سے چار کمروں کا مکان تھا۔ جس میں شاید نوکروں کا بسیرا تھا۔ علی بخش، رحمان، دیوان [illegible]

کوٹھی کی دیوار بھی سیلی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ سے اکھڑا پلستر بتاتا تھا کہ سالوں میں ان دیواروں پہ توجہ نہیں کی گئی۔ مکین تھے اپنے مکان سے ہی بے نیاز تھے۔ منڈیر کی اکھڑی ہوئی اینٹیں اکثر تیز آندھی کا زور نہ سہتے ہوئے [illegible] تھی جن کو دیوان صبح سویرے طوفان تھمتے ہی اٹھا رہا ہوتا تھا۔

کوٹھی کے صحن میں چار پائی ہمیشہ بچھی رہتی تھی۔ یہ چار پائی نرجس خیام نے کبھی نہیں اٹھوائی تھی۔ شاید اس چار پائی سے محترمہ کے مرحوم شوہر کی یادیں وابستہ تھیں۔

ایک زمانے میں بیرسٹر خیام عیسیٰ چار پائی کی اجلی چادر پہ فروکش ہوا کرتے تھے۔ ململ کا کرتہ پہنے۔ تہبند باندھے، گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے حقہ گڑگڑاتے تھے۔ سرخ و سفید رنگت، بھرا بھرا جسم۔ سر کے بال کچھ سفید کچھ سیاہ، ڈاڑھی گھنی۔ چار پائی کے سامنے بیٹھی کرسیاں تھیں۔ ان پر دو تین آدمی بیٹھ کے خبریں سنایا کرتے تھے۔

یہاں پر ادب، سیاست، مذہب، شاعری ہر موضوع پہ گفتگو ہوتی تھی۔ اندر سے زنان خانے کے [illegible] وہ بھر بھر کے لایا کرتا تھا۔

[illegible] بیگم عیسیٰ اداس ہو جایا کرتے تھے۔ اپنی فرنگن بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے بیٹے کے نام انگریزی میں خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ تب نرجس خیام صحرا یوں کے اوت میں کھڑے ہو کر اکثر دعا کرتی تھیں۔

"خدارا، خیام عیسیٰ کی [illegible] ٹھنڈی ہوں۔ خدارا، ہشام لوٹ آئے۔" یہ ایک محبت کرنے والی بیوی کے اپنے شوہر سے شدید محبت بھرے مطالبے تھے۔ نرجس خیام ایک سخت گیر استاد تھیں۔ جن دنوں سمیرا کالونی میں قیام تھا۔ ان دنوں شافیہ اسی خیام کے زیر عتاب رہتی تھیں۔ وہ اسے ایف اے کی اردو پڑھاتے ہوئے زور سے چپت لگا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کالج کی چار پانچ لڑکیاں حاضری کے لئے تشریف لائیں۔

کالج کی تلوق اور بنے سنورے نا۔ یہ کس قاعدے میں لکھا ہے۔ پاؤڈر کے غازے، ابروؤں

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کے خم، زلفوں کے بل، ہونٹوں کے رنگ و لعلین نے نعیم خیام کو آگ بگولا کر دیا تھا۔ انکی گندمی رنگت میں سرخیاں اتر آئی تھیں۔ چاروں گل چہرہ، اور نازک اندام۔ ان میں ایک سمیرا کی بیٹی عرشیہ بھی شامل تھی۔ انہوں نے سب کی کلاس لے ڈالی تھی۔

"سادگی میں خوب صورتی، اور حیا میں حسن ہے۔ ساری کی ساری بے حیائی لے کر آئی ہو۔ کچھ اس بچی شافیہ سے سیکھ لو۔"

شافیہ سے لے کر اب تک عرشیہ کی نظروں میں شافیہ کا وجود چبھتا تھا۔ ایک کانٹے کی طرح۔ ایک پھانس کی طرح۔ جی ہاں، جب ایک شب بہت ہی اچانک ہشام عیسیٰ کا زندگی میں پہلی مرتبہ پاکستان نزول ہوا تھا۔

✦✦✦

جھاڑے کے دن تھے۔ اور راتیں خنکی میں غرق۔ دن کو کاموں کا انبار ہوتا تھا۔ اور رات کو زرجس خیام جن کو سب "جی جی" کہتے تھے ان کے ساتھ وقت گزارتا۔ ان کے پیروں کی مالش اور ہاتھیں دباتا۔ کوئی کتاب پڑھ کے سناتا۔ کبھی کبھی تو گھنٹوں ان کی ڈانٹ سنتا۔ سمیرا نے بوریا بستر سمیٹا اور عریشہ شافیہ کو ہمراہ لئے پھپھی کے گھر آ گئی تھیں۔ جی جی کو ان کی آمد ناگوار نہیں گزری۔ البتہ جی جی کو سمیرا کے شوہر سے الرجی تھی۔ بچی کو پاس رکھ لیا اور اس کے شوہر کو فلیٹ دے دیا۔ جس کا کرایہ وہ باقاعدگی سے وصول کرتی تھیں۔ جس پر سمیرا کو بہت تپ چڑھتی تھی۔ مگر جی جی کے مرنے تک وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا چاہتی تھی۔

جی جی کے پرانے نوکروں میں دیوان کا درجہ اور احترام سب سے زیادہ تھا۔ دیوان چالیس سال سے یہاں ملازمت کر رہا تھا۔ جب آیا تو میس بھی نہیں بھیگی تھیں۔ اب داڑھی مونچھیں سفید ہو چکی تھیں۔ داڑھی تو خیر منڈا دی تھی۔ مونچھوں پہ خضاب کرتا تھا۔ یہ خضاب اکثر اڑا ہی رہتا تھا جس کی وجہ سے مونچھوں کی رنگت عجیب تھی۔

شاید خاکستری کہا جا سکتا ہے۔؟

جی جی اپنی زندگی کے معاملات میں خاص ضابطوں کی پابند تھیں۔ وہ گھر کا سارا حساب کتاب خود رکھتی تھیں۔ اپنی سب شاگردوں کے خطوط کا جواب لکھتی تھیں۔ مگر خود سے صرف ہشام کو خط لکھا کرتی تھیں۔ اردو کی پروفیسر تھیں۔ اکثر انگریزی میں خط لکھتے جھجھلا جاتی تھیں۔ مگر اپنے مرحوم شوہر کے بعد انہوں نے ہشام کو خط لکھنا ترک نہیں کیا تھا بلکہ اپنے مرحوم شوہر کے بعد اس سے روایت کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ انہیں ہشام کے جوابی خط کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا۔ حالانکہ اس تیز رفتار زمانے میں خطوط کون لکھتا تھا۔ "ٹیلی فون، ویڈیو کالز، ای میل کا زمانہ اور خطوط، مگر یہ روایت جی جی کے گھر میں برسوں سے بڑے قرینے کے ساتھ چل رہی تھی۔ دوسری طرف سے بھی ہشام ہر مہینے میں بیٹھا انسان بھی انتہائی فرصت سے مہینے کی آخری تاریخوں میں ایک خط لکھ کر روانہ کر دیتا تھا۔ شاید وہ ان دو لوگوں کو ان کی خوب صورت دنیا سے نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ اور نہ وہ ان کو یہ شعور دینا چاہتا تھا کہ دنیا خلوص کے زمانے سے بہت آگے نکل چکی ہے۔

اکثر فون کے گھنٹی بھی بجتی رہتی۔ جی جی اپنے تخت پہ بیٹھے ہی آواز دیتی تھی۔

"شافیہ؟ فون اٹھاؤ..... کوئی ضروری کال ہے تو تار احتیاط سے اتارنا۔"

"فون میرے پاس لے آؤ۔ ہشام کی کال ہے۔ اس نمبر پر ہشام کے علاوہ اور کسی کی کال آ بھی نہیں سکتی تھی۔

ہشام سے بات کرتے کرتے کئی رنگ بدلتا تھا۔ ان میں ہر رنگ محبت کا تھا اور سب جی جی کا چہرہ ہشام کا رنگ تھا۔ جو ہر رنگ پہ غالب آ جاتا تھا۔ کوئی سوکن کے بیٹے سے اتنی محبت کر سکتا ہے۔ محبت کرتی تھی ایک دن جی جی نے شافیہ کو بتایا۔

"شافیہ! ہشام بیرسٹر صاحب کی بڑھاپے کی اولاد ہے۔ اگر ہماری وقت سے اولاد ہوتی تو ہشام جتنا بڑا ہوتا۔"

"ہشام آپ سے ملنے کیوں نہیں آتے؟" ایک دن شافیہ نے دل کڑا کر کے سوال پوچھ ہی لیا تھا۔

"تو وہ پاکستان آنے نہیں دیتی تھی"۔ سوکن کا ذکر جی جی کو بیزار کر دیتا تھا۔

"پہلے تو وہ منحوس آنے نہیں دیتی تھی۔ اب اس کی ڈاکٹری کی پڑھائی کے مسائل ہیں۔" وہ اداس ہونے لگتی تھیں۔

"ہشام آپ سے ملنے آتے ہی ہوں گے جی جی! چھٹیوں میں تو ضرور آتے ہوں گے.....؟"

شافیہ اشتیاق سے پوچھتی تھی۔

"نہیں تو....." جی جی کا رنگ پھیکا پڑ جاتا۔

"آپ نے ان کو دیکھا تو ہوگا"۔ شافیہ کا اشتیاق امڈ آتا۔

"ہاں، دیکھا تو ہے....." وہ تکیے کے نیچے سے تصویروں کا البم نکال کر شافیہ کے سامنے رکھ دیتی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک کی ہر ہر تصویر جب وہ ایک خوبرو اور اکڑو سا جوان لگتا تھا۔ جی جی اور ان کے میاں کا کوئی عکس ہشام کے چہرے پہ نہیں تھا۔

وہ ایک مغرور انسان لگتا تھا۔ شافیہ کا جانے کیوں دل بجھ سا گیا۔ ہشام کا جی جی سے استاذ کرسن تھا کہ اب ہشام سے عقیدت سی ہو چکی تھی۔ اور یہ عقیدت بہت سے سرپرائز میں ڈھل کر بہت جلد بدلی کے معصوم سی شافیہ کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ سمیرا کو شافیہ کا جی جی کی دولت میں وقت گزارنا غصہ تو دلاتا تھا مگر اس کا کوئی حل بھی نہیں تھا۔ اس کی اپنی بیٹی عریشہ اتنی کاہل اور ہڈحرام تھی کہ جی جی سے مطلباً بھی بات کرنا بھی ناگوار نہیں کرتے تھی کجا کہ ان کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا۔ سمیرا کی بہت کوشش رہی کہ عریشہ جی جی کا دل جیتنے کی کوشش کرے۔ کیا پتہ عریشہ سے خوش ہو کر اپنا ایک فلیٹ ہی اس کے نام کر دیں۔ مگر عریشہ مطلب کی خاطر بھی یہ قربانی دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

"مجھ سے نہیں بڑھیا کی خوشامد ہوتی۔" عریشہ اتنی خدمت تو کرتی ہے۔ شافیہ کی خدمت سے متاثر ہو کر اگر فلیٹ شافیہ کو ملا تو وہ ہمارا ہی ہوگا۔ بے فکر رہیں۔" عریشہ کی بے خیالی اور لاپرواہی میں کہی بات کچھ ہی مہینوں بعد کس انداز میں پوری ہونے والی تھی۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھا۔ جی جی شافیہ سے اتنا خوش ہوں گی کہ اپنی سب سے قیمتی چیز ہی شافیہ کے حوالے کر دیں گی۔

"تو اپنی بڈحرامی سے باز نہ آنا۔" سمیرا حلق تک کڑوی ہو گئی تھی۔ عریشہ اور اس کا باپ دونوں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کاہل، سست اور کام چور تھے۔"

سمیرا کے پاس ایسا کوئی اسم نہیں تھا جسے پڑھ کر لوگوں پر پھبتی اور یہ دو لوگ کسی کام جوگے ہو جاتے۔

"تم سے کم پڑھائی ہی کرلے، اس منحوس شانو کو دیکھ یا تو کسی کے جوتوں میں گھسی رہتی یا کتابوں میں سر دیئے پڑھتی رہتی۔" سمیرا نے عریشہ کو موبائل میں منہ دیئے دیکھ کر کہا تھا۔

"تو کون سا علامہ بن گئی؟ ایک ایف اے تو اس سے پاس نہیں ہو رہا۔" عریشہ نے فوراً جواب دیا تھا۔

"ایف اے تم سے پاس نہیں ہو رہا تھا مریرا کے بی اے تک پہنچی ہو۔ وہ پڑھائی میں تم سے بہت اچھی ہے۔ اس کی آنکھیں کھولی تھیں۔ عریشہ کا منہ اتر گیا تھا۔

"میری بے عزتی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے مت دیا کریں۔"

"تم بھی ہوش کے ناخن لے لو۔ فیشنوں اور سہیلیوں سے فرصت نہیں تم کو۔" سمیرا دانت پیس کر رہ گئی تھی۔

"تو کیا کروں ...؟" عریشہ پھٹ پڑی تھی۔

"کچھ نہ کرو ... بس اتنا احسان کرو کہ ٹی ٹی کی خدمت کرتی رہو۔ عنقریب ہشام آرہا ہے۔ ٹی ٹی سے اتنا لگاؤ رکھو۔ اتنی خوشامد کرو کہ وہ ہشام کو مجبور کردیں تم سے شادی کرنے کے لئے۔" سمیرا کی پلاننگ سن کر عریشہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"ماما!" عریشہ نے کھلا منہ بمشکل بند کیا اور بولی۔

"کون سے سپنے دیکھتی ہیں آپ۔ وہ ہشام، یہاں کی کسی لڑکی سے ٹی ٹی کے کہنے پر شادی کر لے گا؟ نکل آئے اس خوش فہمی سے۔ وہ یہاں کسی اور مقصد کے لئے ضرور آسکتا ہے۔ شادی کے لئے نہیں۔"

سمیرا جیسے فضا میں اڑ رہی تھی۔ بات اس کی اتنی غلط بھی نہیں تھی مگر خواب دیکھنے میں کون سا میسہ خرچ ہوتا تھا۔ سمیرا اپنی دل میں خوب پلاننگ کر رہی تھی۔ اسے امید تھی یہ کم وہ آسانی سے کھیل سکے گی۔

مگر ان ہی دنوں سمیرا کی لاپرواہی سے گیزری کا فانوس گر کے ٹوٹ گیا تھا۔ ٹی ٹی کو اپنے گھر کی چیزوں سے بڑا پیار تھا۔ اور وہ سمیرا کی ان لوگوں میں سے نہیں جو گلاس ٹوٹنے کو بھی بڑا نقصان سمجھتے تھے۔ یہ تو لاکھوں کی مالیت کا فانوس تھا۔ ان کے مرحوم شوہر فرنگیوں کے کسی دیس سے لائے تھے۔

"ساری زندگی کی تم نکمی اور ناکارہ ہو۔ فانوس ایسے صاف کرتی ہیں؟ بے عقل عورت! تم سے سمجھدار تو یہ تمہاری بیٹی شانیہ ہے۔ اپنی ماں پہ پڑی ہے۔ صد شکر کہ تم جیسی عورت کا اثر نہیں ہے۔ کچھ اس بچی سے تم دونوں ماں بیٹی سیکھ لو۔" ٹی ٹی کے الفاظ سمیرا کو اپنی توہین لگے تھے۔ نوکروں اور شانیہ کے سامنے اتنی ذلت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی جذباتی وقت میں سمیرا نے اپنے فلیٹ پر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سونے پہ سہاگہ ٹی ٹی نے جھوٹ منہ بھی نہیں روکا۔

"بیٹا ہی ہے، ہشام کی پڑھائی میں ہزاروں ڈالروں میں ہوتی ہے۔ اتنی مہنگی پڑھائی کے بعد دوسرے اخراجات، مکان کے کرائے۔ نقلی ماں کے علاج۔ مہینے کے آخر تک سارا پیسہ ختم ہو جاتا ہے۔ نوکروں کی تنخواہیں اور راشن کا خرچہ نکال کر بچتا ہی کیا ہے؟" ٹی ٹی کا یہ انکشاف سمیرا کے لئے بڑا ہی حیران کن تھا۔ ایک دھماکہ تھا۔

"ہاں، ہمارا کچھ پیسا اور آپ نے اس فرنگن کے بیٹے اور فرنگن پہ لگا دیا۔ ہشام نے کبھی ٹکا تو بھیجا نہیں۔ اس کی ماں سانپ بن کر لپٹی رہی اس کے ساتھ، ساری زندگی چار خطوط اور فون کالوں کے ہشام نے آپ کو دیا ہی کیا۔ خدمتیں کرنے کو ہم اور جائیدادیں بخشنے کو وہ۔" سمیرا کے دل کی جلن زبان پہ آچکی تھی۔

"ہشام اپنی پڑھائی مکمل کر کے ہمیشہ کے لئے پاکستان آجائے گا۔ یہاں کا اپنے مرحوم والد سے وہ ہے۔ یہاں اپنا ہسپتال بنائے گا۔" ٹی ٹی نے اپنی فرنگن بہو کے ارمان بھرے خواب سجانے ہیں۔ دیکھتی رہیں۔" سمیرا کا جلن کے مارے برا حال تھا۔

"باپ کے مرنے پہ نہیں آیا۔ آپ کے جنازے کو خوب کندھا دے گا۔ ساری زندگی پرائی اولاد پہ جان نچھاور کر کے بیٹھی رہی ہیں آپ۔ میرے بچوں کو اپنا نہیں سمجھا۔ ہم تو آپ کا خون ہیں۔" سمیرا کو بات کرتے یہ اندازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی بات سننے والے کے دل پہ لگ رہی ہے یا ... ٹی ٹی کا چہرہ اتر گیا۔ جسم کانپنے لگا۔ شانیہ گھبرا کر ان کے قریب ہو گئی تھی۔ اس نے فیر اراد ٹی ٹی کا ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ٹی ٹی کو جیسے لمحوں میں ڈھیروں بیتی تھی۔ ان کے چہرے کی ... بدحال ہونے لگی۔

"سمیرا ..." ٹی ٹی جیسے ڈھے گئی تھیں۔

"ہاں ہاں، جارہی ہوں۔" سمیرا نے کسمسا کر کہا۔

"مگر شانیہ کو ساتھ لے کر ... اس کے ٹی ٹی کی جان کے لئے کافی تھا۔ ان کا منہ اتر گیا۔

"شانیہ چلی جائے گی؟" ٹی ٹی کی ... میں آگیا تھا۔ شانیہ ان کی کیفیت سمجھ رہی تھی مگر ... کے پاس ٹی ٹی کی خوشی کے لئے الفاظ کم پڑ گئے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ سمیرا نے جو کہہ دیا ... وہ پتھر پہ لکیر ہے۔

"میں آجاؤں گی۔"

شانیہ نے دل ہی دل میں ٹی ٹی کو تسلی دی تھی۔ لیکن اس کی یہ تسلی اتنی کارگر نہیں تھی۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"لے جاؤ....." بالآخر جی جی نے کہہ ہی دیا۔ شافیہ اور دہلیز پار کر لی۔ جی جی کس بھاری ہوئے
"آؤ شافیہ!" سمیرا نے شافیہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دہلیز پار کر لی۔ جی جی کس بھاری ہوئے
جواری کی طرح تخت پہ ڈھے گئی تھیں۔

✦✦✦

دن دھیرے دھیرے اداسی پہ محیط تھیں۔
جی جی کی ساری مصروفیات ہشام کی تصویروں یا بیرسٹر صاحب کی یادوں تک محدود ہو گئی تھیں۔
فرحانہ بیگم پرانے البم اٹھا کر دیوان کے سامنے رکھ دیتی تھیں۔
"بیرسٹر صاحب گھر میں تو تہبند کرتا پہنتے تھے مگر دوروں پہ جاتے یا باہر نکلتے تو پتلون کوٹ زیب تن کرتے تھے۔ بھی کبھی کوٹ کے ساتھ شلوار اور ترکی ٹوپی پہنتی۔ ولایت جانے سے پہلے وہ پنجابیوں کا روایتی لباس پہنتے تھے۔ کبھی شیروانی اور چست پاجامہ بھی پہنتے تھے۔" جی جی یادوں کی راہگزر پہ چلتے چلتے بہت دور نکل جاتی تھیں۔ ایک ایک تصویر میں ان کی یادیں بند تھیں۔
"بیرسٹر صاحب کھانا کم کھاتے تھے مگر خوب اچھا کھاتے تھے۔ ہشام بھی ایسا ہی ہے۔ کم کھانے کھاتا ہے مگر اچھا کھاتا ہے۔ مدت سے بیرسٹر صاحب کا دستور رہا کہ رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔ صرف نمکین کشمیری چائے پہ اکتفا کرتے۔ دسترخوان پہ دو تین سالن ضرور ہوتے تھے۔ پلاؤ اور کباب انہیں بہت مرغوب تھے۔ شب دیگ تو بہت پسند تھی۔ گائے کے دنوں میں بڑے چاؤ کے ساتھ شب دیگ پکواتے تھے اور خشکے کے ساتھ کھاتے تھے۔ یاد ہے بیگم بوا! پھلوں میں ان کو بس آم پسند تھے۔ آموں کی فصل میں لنگن اور سیپیاں بھر کے بیٹھ جاتے تھے۔ خود کھاتے، احباب کو کھلاتے، لطیفے کہتے۔ مشاعرے پڑھتے۔ میرا ہشام بھی ایسا ہی ہے۔ اتنا ہی ہر دلعزیز، اتنا ہی محبت کرنے والا..... جانِ محفل، دوسروں کے لئے ہر وقت تیار۔ خود کے لئے نہیں دوسروں کے لئے جینے والا۔ انسان دوست، انسانیت سے محبت کرنے والا۔"
ہاں جی جی کی بات بیرسٹر صاحب سے شروع ہوتی اور ہشام پہ آ کر ختم ہوتی تھی۔ دہلیز میں کھڑی رکابی میں کھیر لیے شافیہ کے چہرے پہ بھلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے خوان کے نیچے سے رکابی نکال کر جی جی کے سامنے کی۔
"سلام جی جی!....." شافیہ کی مدھر آواز سے ہال کمرے کے ماحول کا سارا افسوس ٹوٹ گیا تھا۔ دیوان کے چہرے پر بھی مسکان کھل اٹھی۔
"شکر ہے بیمار رانی آ گئی۔ جی جی صاحب بڑی اداس ہو رہی تھیں۔"
"میری شہزادی....." جی جی نے اپنی بانہیں پھیلا دی تھیں۔ اور شافیہ ان کی محبت بھری نرم گرم پرسکون آغوش میں سما گئی۔ جی جی کے وجود کی مہک نے اس کا صدیوں سا ساتھ نبھایا تھا۔
"آپ سے میری امی کی خوشبو آتی ہے جی جی!" شافیہ کی آنکھوں سے برسات بہہ گئی تھی۔
"پگلی! میں تیری ماں ہی تو ہوں۔" انہوں نے اس کی تھوڑی پیشانی چوم لی تھی۔ شافیہ کو دیکھ کر انہیں کبھی اپنی بیٹی کی کمی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

"بھیجا ہے..... تمہیں نکال دیا تھا اس نے تمہیں۔ نئی نئی شادی کے خمار میں تھی۔ جب چار پانچ
ہی تھی تم۔ لے گئی تھیں۔ سمیرا کی خوبصورتی کے قصے چہار جانب مشہور تھیں۔ ہوش سنبھالا تو اپنے کام
کے لئے آئی اور شوہر کی بیٹی کو چلتا کیا۔ پورا خاندان اس سے ناراض رہا....." جی جی کو بہت کچھ یاد
آنے لگا تھا۔ شافیہ کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ یاد تو اسے بھی بہت کچھ تھا۔ مگر وہ فی الحال کچھ یاد کرنا نہیں
چاہتی تھی۔
"کیسے بھیج دیا اس فسادن نے تمہیں.....؟" جی جی کو کھیر کی کٹوری کھاتے اچانک خیال آیا تھا۔
چاندی کے ورق سے سجی ٹھنڈی کھیر کا ذائقہ زبان میں گھلنے لگا تھا۔
"میری بیٹی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔" جی جی نے دل کھول کر تعریف کی تھی۔ شافیہ مسکرا
دی۔
"چپ چپاتے آئی ہوں۔"
"تو کہاں گئی ہے ملکہ فساد؟" جی جی تیکھے انداز میں پوچھا۔
"وہ اسود کی امی نے بلایا ہے۔" شافیہ نے کچھ جھجکتے ہوئے بتایا تھا۔ اسود کی امی جی جی کی بڑی
بہن تھی۔ سمیرا سے بھی دو ہاتھ آگے کروفر اور نخرے میں سوا نیزے پہ۔ اسود کا نام لیتے ہی شافیہ کا
رنگ بدل گیا تھا۔ اسود تھا بھی ایسا۔ جسے دیکھ کر لڑکیاں سانس روک لیں۔ خوبرو اور بہت ہی لائق فائق
تھا۔ اس میں بھی بلا کا تھا۔ جی جی کا ماتھا ٹھنک گیا۔
"فرح نے بلایا سمیرا کو.....؟"
"خود بھی رات کو آئی تھی۔ آپ کو نہیں پتہ جی جی! فرح خالہ نے اسود کے لئے میرا رشتہ مانگا
ہے۔" شافیہ نے سر جھکا کر دھڑکتے دل کے ساتھ بتایا تھا۔ اسود کا رشتہ شافیہ کے لئے آنا ایک معجزہ
تھا۔ اسود ایسا لڑکا تھا۔ جس کے خواب خاندان کی ہر لڑکی نے ضرور دیکھے تھے۔ پھر شافیہ جیسی لڑکی کے
لئے اسود کا رشتہ؟ جی جی کا ماتھا ایسے نہیں ٹھنکا تھا۔
"سمیرا ہونے دی گئی یہ رشتہ؟"
"ابھی تک تو کوئی ہنگامہ نہیں۔ دونوں بہنوں کی صلاح ہے یا نہیں۔ کچھ پتہ نہیں....." شافیہ نے
اداسی سے بتایا۔
"تم تو خوش ہو نا.....!" جیجی نجانے کیا ٹٹول رہی تھیں۔
"جی جی!....." شافیہ دیوان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔
"جی جی! مجھے نہیں پتہ خوشی کیا ہوتی ہے؟ مجھے صرف اتنی خبر ہے کہ اسود کا میرے لئے رشتہ آنا
بہت حیران کن ہے۔ اسود میرے لیے کیا جانتی ہیں؟ میرے دل میں اس کے لیے کیا جذبات ہیں" وہ
چاہے جانے کے لائق ہے۔ مگر میں نے اس کے خواب کبھی نہیں دیکھے۔ جی جی! میری اتنی اوقات نہیں
ہے۔" شافیہ کی آواز بھرا گئی تھی۔ ایک تواتر سے اس کے آنسو گالوں پہ پھسلنے لگے تھے۔ جی جی نے
اس کا سر سینے سے لگا کر تھپتھپایا تھا۔
"اوقات کی بات ہی نہ کرو میری بچی؟ مولا جب نوازنے پہ آتا ہے تو سوکھی شاخوں کو سبز سے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بھر دیتا ہے۔ اس کے ہاں دیر ضرور ہے اندھیر نہیں۔ تمہاری خوشی سے تڑپ چھینی نہیں۔ پر میرا دل اس رشتے سے قدرے سہم رہا ہے..... "نجی ہاں نے سارے خدشات کو زبان نہیں دے سکی تھیں۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتی تھیں کہ یہ رشتہ کسی سازش کا شاخسانہ ہو سکتا ہے۔ فرح اور سمیرا بغیر مطلب کے کسی کے منہ میرے پانی تک نہیں ڈالتی تھیں۔ کجا کہ ایک ایسی لڑکی کا رشتہ لیتی جس کی اہمیت ان کی نظر میں گھریلو ملازمہ سے زیادہ نہیں تھی۔

"جی جی! میں بھی خوفزدہ ہوں۔ اس خوف کی سمجھ ہیں مجھے۔ مگر میرے دل کو کسی طور بھی تو قرار نہیں ہے۔" شافیہ نے لرزتی آواز میں کہا تھا۔ اس کے چہرے کی زردی اس کی خوف کی کیفیت کی عکاسی کرتی تھی۔

"حوصلہ رکھو میری بچی! خدا تعالیٰ تمہارے لئے بہترین فیصلہ کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ جو اس پہ توکل کرتے ہیں ان کو بھی اور جو اس پر توکل نہیں کرتے ان کو بھی۔" ان کا ہاتھ شافیہ کے خوب صورت بالوں والے سر پہ ٹھہر گیا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے ایک بہترین شخص کو سوچا تھا۔ مگر جو میرے رب کی رضا ہو....." انہوں نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"وہ اتنا بہترین ہے..... اتنا شفاف ہے کہ بولے تو سکون کی ندیاں آس پاس بہنے لگیں۔ ایسا طبیب ہے کہ مریض کی نبض پہ ہاتھ رکھے تو اسے شفایاب کر دے۔ ایسا مسیحا کہ زخم اس کے لمس سے از خود مسیحائی کا اثر پا کر سلنے لگیں۔ اتنا مہربان جیسے ننھے پودوں کے ملائم بادل ہوں۔ سج سج دھرتی پہ برسیں۔ نرم نرم بوندیں ٹپکا کریں۔ پیاسی دھرتی کو سیراب کرتے جائیں۔ میں نے سوچا تھا۔ تمہارا ہاتھ میں اس کے ہاتھ میں دوں مگر خدا کی مرضی۔" ان کی آنکھ سے ایک آنسو چھلک کے گرا اور شافیہ کے سیاہ بالوں میں کہیں کھو گیا تھا۔ اور شافیہ بھی کہ اپنے ہی سود و زیاں کے کتابچوں میں گم رہی۔ اسے خبر نہیں ہو سکی تھی کہ کوئی تھا جو اس کے لیے درد رکھتا تھا۔ کوئی تھا جو اس کے لئے رو رہا تھا۔ کوئی تھا جو اس کا منتظر بھی تھا۔ اور وہ کوئی کون تھا؟

+++

یہ ایک سحر انگیز رات تھی۔

ایک لطیف سی بھینی خنکی اور مدہوشی کا اثر تا حال نہیں ٹوٹا تھا۔ یہ کوئی طلسم کدہ تھا۔ یا کوئی جادو نگری تھی؟

سلسبیل نے خود کو اس حالت میں پایا کہ طلا کار اور مرقع کشتی میں سوار ہے۔ اور کسرتی بدن پری جمال ایک خوبرو لڑکی کی کوشش سے وہ کشتی ایک پتلی مگر بہت ہی دل کش نہر کے کنارے ابھی ابھی رکی ہے۔ نرم اور نظر فریب سبزے کو شفاف اور بالکل صاف پانی اپنی روانی میں چومتا ہے۔ لگتا ہے جھاگ اڑاتا ہے۔ بعض مقامات پر بخارے اور سایہ دار درخت ہیں۔ جو پیچیدہ اور زخم دار زلفوں کی طرح نہر کی گوری مگر نم آلود پیشانی پر دونوں طرف سے جھکے ہوئے ہیں۔ مگر جہاں پر کشتی آ کر کنارے لگی تھی وہاں ایک کشادہ مرغزار بھی تھا۔

اس خوب صورت ملاح کے کہنے پر جب وہ کشتی سے اتر کر سبزہ زار کی سیر کرنے لگی تب اس کی کمر کی نسیں ہلکی ہو چکی تھیں۔

اور جو اس نے آنسو سے وہ سسک سے۔ ان آنسوؤں کی لکیریں شاید اس کی رخساروں کے جلد پہ جم گئی تھیں۔ اس نے مڑ کر پیچھے آ کر دیکھا، وہاں ایک پتلا اور برابر حاشیہ چھوڑ کر گشتہ اور خوش رنگ پھولوں کا سلسلہ تھا۔ جو نہر کے دونوں جانب تا حد نظر پھیلا ہوا تھا۔ پھولوں میں شادابی اور خوش رنگی کی ہی شان تھی جو صرف خودرو پھولوں میں نظر آتی ہے۔ اس قدرتی بہار کے ساتھ یہ لطف بھی تھا کہ نہایت لیاقت و دانائی سے چمن بندی کی گئی تھی۔

چنوں کی بعض قطاریں تو ایسی تھیں جن میں ایک ہی قسم اور ایک ہی رنگ کے پھول تھے جیسے ایک ہی قوم اور ایک ہی وردی کی فوج مختلف کمپنیوں میں تقسیم ہوئی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑی ہو۔

زمین پر ایسی نگل کاری کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہوگی۔ اتنی خوب صورتی، جیسے قدرت نے پہاڑوں اور سبزہ زار کو اپنے حلقے میں کر لیا ہو۔ ایسی نہروں اور آبشاروں کی شان سے پانی کی چادریں پہاڑوں سے اتری نظر آتی تھیں۔ ان کی پانی نے پھولوں کی خوشبو سے متاثر ہو کر یا کسی وجہ سے گلاب، عنبر، مشک اور کیوڑے کی شان پیدا کر لی تھی۔ یہ نہریں زبان حال سے پکار پکار کے کہہ رہی تھیں کہ ہم تسنیم و سلسبیل ہیں۔

"سلسبیل....." کسی نے بڑی مدھم آواز میں اسے پکارا تھا۔ اتنی خوب صورت نرم، دلنشین کوئل کے پردوں پر کسی نرم ہوا کی طرح اترتی آواز اس کی سماعتوں کو بے انتہا بھلی معلوم ہوئی تھی۔ اس کا دل بے چین ہوا تھا شاید کسی نے اسے کبھی اتنی محبت سے نہیں پکارا تھا۔ اس لئے اس کا دل چاہا وہ کسی بان اسے بار بار پکارتا رہے۔

"سلسبیل..... آپ ٹھیک ہیں اب۔" بہت خوب صورت شستہ اور ملائم انگلش لیے لب و لہجہ تھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ بولتا رہے۔ سلسبیل سنتی رہے۔ سنتی رہے۔ بس سنتی ہی رہے۔

"آپ آنکھیں کھول سکتی ہیں۔ خدا نے آپ کو نئی زندگی عطا کی ہے آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔" وہی ملائم لہجہ۔ خوب صورت آواز۔ خدا کی بہشت میرے اتنے خوب صورت لہجے اور اتنی نرم آوازیں بھی ہوں گی؟ وہ بہشت کی طلسماتی دنیا سے باہر نہیں آنا چاہتی تھی مگر اس کا سامنا اس سلسبیل کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک ہو۔ تم معجزانہ طور پر زندہ ہو اور تمہیں اپنی نئی زندگی پہ خدا کا شکر ادا کرنا ہوگا۔" وہی شہد آگیں لہجہ۔ سلسبیل کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شوق کا جہان آباد ہونے لگا۔ وہ پلکوں کی باڑ اٹھاتی اور نہایت خشوع اور وارفتگی سے اس حسین کشتی بان کو نظر بھر کے دیکھ لیتی۔ جس کی آواز بھی اتنی ہی حسین تھی اس کے ساتھ تھی۔

"میں ٹھیک ہونا نہیں چاہتی مسیحا! میں بس تمہاری آواز سننا چاہتی ہوں..... تم کس میٹھے گھاٹ کا پانی ہو؟ تم نے انگبین کی نہر سے غوطہ لگا کر اپنی زبان کو غسل دیا ہے؟ تم اتنا میٹھا کیسے بول لیتے ہو؟ میرے ساتھ تو کوئی بھی اتنا میٹھا نہیں بولتا۔ میں نے خاندان کی نفرت کا شکار ہوں۔ میں ہنکاری گئی ہوں۔" وہ بولنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز حلق میں ہی کہیں گم ہو گئی تھی۔ شاید چند سرگوشی آنسو اس کی غنودگی کا بھرم توڑ گئے تھے۔ کہیں پس منظر میں چھوٹے نومولود بچوں کے ایکدم رونے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ پھر قدموں کی چاپ، جیسے اس کا مسیحا کچھ دیر کے لئے اوجھل ہو گیا ہو۔ سلسبیل نے اپنی

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ساعتوں کا سارا زور لگا دیا۔ وہ اپنے مسیحا کی آواز سننا چاہتی تھی۔ وہ کیا بول رہا تھا۔ وہ شاید نومولود بچوں سے مخاطب تھا۔ وہ شاید ان کی غذا کا بندوبست کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بچوں کی آواز بند ہوگئی تھی۔ شاید ان کے معدوں میں غذا چل گئی تھی۔

وہ ایک مرتبہ پھر مرغزاروں میں تھی۔ راستوں اور روشوں میں معجز نما کیفیت پیدا ہوگئی تھی ہر چمن کے ایک پہلو کو نہر دھوتی تھی۔ سڑکوں کی تعمیر میں سفید سنگریزے بچھے تھے۔ کوئی زمرد تھے، کوئی نیلم تھے۔ کوئی یاقوت تھے یا کوئی مرجان۔ نغمہ سنج طیوران باغوں میں اڑ رہے تھے۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" سلسبیل نے گھبرا کر کسی سے پوچھا تھا۔

"یہ بہشت ہے۔" کسی نے چلتے چلتے سر جھکا کر بتایا تھا۔

"بہشت؟ یہاں نیکوکاروں اور ایماندروں اور صبر کرنے والوں کو اپنے نیک اعمال کا صلہ ملتا ہے۔"

آواز بہت دیر تک اس کی سماعتوں میں گونجتی رہی تھی۔

"مگر میں تو نیک نہیں تھی پھر میں یہاں کیوں ہوں؟" سلسبیل نے بھیگی آواز میں کسی دربان سے پوچھا تھا۔

"آپ کو کس نے کہا آپ نیک نہیں۔" شاید دربان بولا تھا۔ یا شاید وہی سجیلا سا کشتی بان بولا تھا جو اسے اس بہشت میں لایا تھا۔

"سارا جہان کہتا ہے۔" وہ جیسے تھک گئی تھی۔

"سارا جہان کہتا ہے... جو کہتا ہے بولتا رہے۔ مجھے فرق پڑتا ہے۔" اس کی میٹھی آواز کسی شفاف جھرنے کی مانند تھی۔ راحت دیتی ہوئی۔

"فرق پڑتا ہے۔" وہ جیسے چلانا چاہتی تھی مگر اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔ اس نے سلسبیل کے لبوں پر اپنی انگلی رکھی تھی۔ اتنا ملائم اور خوب صورت لمس تھا۔ سلسبیل کا دل لمحہ بھر کے لئے جیسے رک گیا۔

کسی نے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا تھا۔ سلسبیل نے آنکھیں کھول دی تھیں وہ اس کے اور جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے بہت قریب تھا۔ اتنا قریب کہ اس کی خوشبودار سانسوں کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ وہ اسے ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتی تھی۔

"وہ کون تھا بھلا"

"وہی خوبرو کشتی بان"

"یا سلسبیل کا مسیحا؟"

اس کا دل رک رک کے چل رہا تھا۔ اس کا دل ٹھہر ٹھہر کے چل رہا تھا۔ وہ بہشت سے اس کے ساتھ دنیا میں چلا آیا تھا۔ یاد دنیا سے اس کے ساتھ بہشت میں آ گیا تھا؟ وہ کہاں تھی؟ کس جگہ تھی؟ اس کے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"میں کہاں ہوں؟ اور تم کون ہو؟" سلسبیل نے بوجھل ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کسی حسین خواب، کسی فطری خوب صورت منظر کی طرح جامع اور مکمل تھا۔ وہ دلنواز دلکش تھا۔ اس کی آنکھیں دنیا کی حسین ترین آنکھیں تھیں۔

"میں جانتی ہوں..... تمہارا مسیحا..... اور تم سلسبیل ہو۔" وہ اس کی سماعتوں میں شہد اتار رہا تھا۔

"میں یہاں کیسے آئی ہوں.....؟" سلسبیل نے اس کا ہاتھ تھام کر تعجب سے پوچھا تھا۔ یہ ایک نرم خوب صورت بستر تھا۔ یہ ایک خوب صورت دلاتا تھا۔ جس کی شفاف کھڑکی کے اس پار سے کافوری شمع روشن تھی۔

"تم یہاں خود سے نہیں آئی۔ قدرت تم کو یہاں اٹھا لائی ہے۔" اس نے کافوری شمع کی نرم نرم روشنی سے بچنے کے لئے آنکھیں ذرا سا چندھیائی تھیں۔

"مگر میں پہلے کہاں تھی.....؟" سلسبیل نے سوچنا چاہا تھا۔ اور پھر اسے پوری شدت کے ساتھ ایک ایک منظر یاد آ گیا تھا۔ وہ بہشت سے جیسے ایک الاؤ دہکتے ہوئے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ یادوں کا ایک اژدہام اسے دبوچنے کے لئے آ گیا تھا۔ اس نے شدت کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

✦✦✦

"تمہارے کہنے پہ میں نے اسود کا رشتہ طے کر دیا۔ ورنہ اس دو ٹکے کی شانیہ کو منہ لگانا گوارا نہیں کرتی ہیں۔" فرح نے تفوت سے مٹھی سے رنگے ہوئے بالوں کو جھٹکا تھا۔ اس لمحے فرح گوری کلائیوں میں سجے سونے کے کنگن بھی بج اٹھے تھے۔

"کون سا عمر بھر ساتھ رہنا ہے اسے۔ بس ایک مہینے کی بات ہے۔ جی جی کی پوری نیت ہے کہ ہشام اور شانیہ کا رشتہ طے کر دیں۔ جونہی کہ میں مر کر بھی نہیں ہونے دوں گی۔ اربوں کی جائیداد اس دو ٹکے کی شانیہ کو مل جائے گی یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہم ساری زندگی ترستے رہیں اور یہ اپنی مسکین صورت کے بل بوتے پر مہارانی بن جائے۔" سمیرا نے پر خشم لہجے میں کہا تھا۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں خود غرضی کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"جی جی ناک رگڑ کر عریشہ کا رشتہ مانگیں گی دیکھنا تو تم۔" سمیرا نے تفوت سے کہا تھا۔

"بات جی جی کی تو ہے ہی نہیں۔ مگر ہشام ہی نہ مانا تو۔ ساری زندگی یورپ میں رہا ہے..... وہیں کی لڑکیوں سے دوستی ہوگئی۔ وہ وہیں کہیں کسی اپنے جیسی لڑکی سے شادی کرے۔ کیسے خواب دیکھ رہی ہو تم سمیرا۔" فرح کی بات میں وزن تھا۔ اسے اپنی بہن کی دماغی حالت پہ تشویش تھی۔ سمیرا کسی ایسے کے سے توقع لگا کر بیٹھی تھی جو ان کے رہن سہن طرز معاشرت اور ماحول میں قطعی ناموزوں تھا۔

"تمہاری سمجھ کا مسئلہ ہے۔" سمیرا نے ہاتھ جھاڑے تھے۔ "یہی تو ہشام کو بھی سمجھنے میں مسئلہ ہے۔ جی جی اور ہشام کا رشتہ عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ جتنا ہم نے اسے فرنگن کا بیٹا سمجھ کر انڈر اسٹیمیٹ کیا ہوا ہے..... ہمارے اندازوں سے بھی کہیں وہ الگ ہی دنیا کا باسی ہے۔ وہ بہت الگ ہے۔ جی جی کے لئے بلا شک دے سکتا ہے۔ ایک زندگی تو اسے جی جی پہ وارنے کے لئے ناکافی ہوگی وہ جی جی کی محبتوں اور احسانوں کے نیچے دبا ہوا ہے۔ جی جی اسے ایک سانس میں بلائیں تو وہ دوسرا سانس یہاں آ کر لے۔ جی جی نے جس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ہشام اس سے شادی کرے گا۔ اس لڑکی کو بسائے گا۔ اور وہی مالک و مختار ہوں گی۔ تو پھر وہ لڑکی عریشہ کیوں نہیں ہو سکتی؟....." سمیرا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"کیا گھاٹے کا سودا ہے آپا..... جائیداد ہاتھ آنے دو۔ دو فلیٹ ان میں سے تمہارے۔ آخر اس

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

پلاننگ کی کامیابی میں تمہارا بھی برابر ہاتھ ہے۔" سمیرا نے بہن کو بھی خوب سبز باغ دکھا رکھے تھے۔

"ہشام شادی کر کے واپس چلا گیا تو سب کچھ ہمارے ہی ہاتھ میں ہوگا۔" سمیرا کا اعتماد قابل دید تھا۔ فرح کو بھی ہر چیز سبز سبز دکھائی دے رہی تھی۔ اربوں روپے کی جائیداد ہاتھ آ رہی تھی۔

"اب یہ گیم تو ساری ہشام کے کورٹ میں ہے۔"

"گیم میرے ہاتھ میں ہے۔ اسود کا رشتہ اتنا پاور فل ہے کہ اس کے مقابلے میں جی جی ہشام کا رشتہ شافیہ کے لئے نہیں رکھیں گی جی جی کے پاس عریشہ کے علاوہ کوئی اور آپشن ہی نہیں ہے۔" سمیرا نے پرسکون انداز میں دونوں پاؤں صوفے پر رکھ کر پسارے تھے۔

"دیکھ لو..... میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔ اسود اس رشتے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسے خبر بھی نہیں ہونے دینی۔ باقی معاملات تم خود سنبھال لینا....." فرح نے پورے تحفظات کے ساتھ بندھا ٹکا جواب دیا تھا۔

"اسود کو تو کاؤں کاؤں کرنا ہی نہیں ہونی چاہیے۔ باقی میں دیکھ لوں گی۔" سمیرا نے مسکرا کر بات ختم کر دی تھی۔ وہ بہت مطمئن تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ ہشام جی جی کے کنٹرول میں ہے۔ دوسری بات یہ کہ جی جی نے اور ان کے مرحوم شوہر نے ہشام کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی تھی کہ تم جتنا عرصہ مرضی یورپ میں رہ لو۔ تمہارا فیوچر اپنا وطن ہی ہے۔ اور جی جی نے اسے طوطے کی طرح ایک بات رٹوا رکھی تھی کہ میں نے تمہارے لئے لڑکی پسند کر رکھی ہے تم نے پاکستان آ کر ہی شادی کرنی ہے۔ اور ہشام جی جی کے فیصلے پہ سر اٹھا جائے یہ کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا تھا۔ ہشام نے جی جی کے مان کو ہر بار اس لمحے بڑھایا تھا جب جی جی نے اس کی شادی کے حوالے سے اپنے خوابوں کا ذکر کیا تھا۔ ہشام کو دوسری زندگی بھی ملتی تو وہ اس عورت کی نذر کر دیتا جس نے نہ تو اسے پیدا کیا تھا اور نہ ہی پرورش کی تھی مگر اس عورت کی ہشام کے دل میں اور اس کی زندگی میں اتنی اہمیت تھی کہ وہ عورت اگر دن کو رات کہہ دیتی تو ہشام کہتا۔ "بجا میری ماں! یہ دن نہیں رات ہے۔"

سمیرا کو جی جی اور ہشام کی کمزوریوں کا پتہ تھا، وہ ان کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے والی تھی۔

"میں تو تمہارے لئے دعا گو ہوں۔ ہماری اس اربوں پتی سگی پھوپھی نے کبھی ہمارا خیال نہیں کیا جب بھی لوٹا ہے اپنی اولادوں پر ہی لٹایا۔ کبھی ہشام تو کبھی شافیہ" فرح نے کلس کر کہا تھا۔ ان دونوں بہنوں کی اس حوالے سے جلن کبھی ختم نہیں ہو سکی تھی۔

"مگر اب ہماری باری ہے۔" سمیرا نے سر جھٹکا۔

"کوئی خود سے نہ دے تو اپنا حق چھین کر لینا چاہیے۔"

"میں بھی یہی کہتی ہوں۔ ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے۔"

"بڑھیا ہشام کو ہسپتال بنا کر دے گی۔ وہ تو ہمارے ہی کنٹرول میں ہوگا۔ دیکھنا، میں کیسے بازی الٹتی ہوں۔ شافیہ کا کانٹا راستے سے ہٹا کر....." سمیرا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جیسے شکار کو دیکھ کر شکاری کی آنکھیں چمکتی ہیں۔

"ہشام کب تک آ رہا ہے.....؟" فرح نے دلچسپی اور اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"بہت جلد..... وہ شادی بھی کرے گا۔ جی جی اسے کھونٹے سے باندھ کر بیٹھیں گی۔ اگر واپس بھیجا تو....."

"سمیرا کو اندر کی ساری خبر تھی۔"

"تم کور پورٹ نہیں دیتا کوئی؟" فرح نے دبے دبے جوش سے پوچھا تھا۔

"ہے کوئی جاسوس۔" سمیرا نے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

"جب بحر الکاہل ہوتا ہے اور اوپر خدا، کہیں زمین کا ذرا سا ٹکڑا بھی ڈھارس کے لیے دکھائی نہیں دیتا پھر بھی خدا ہمیں سنبھال لیتا ہے۔" اسے جی جی کی محبت بھری آواز سنائی دی تھی۔ وہ جی جی کے پاؤں میں ناریل اور بادام کا تیل لگا رہی تھی۔ پچھلے صحن میں سکھ چین سے بیٹھ کر جی جی کی باتیں سنتا شافیہ کو بڑا مرغوب تھا۔

اس نے جی جی سے سوال کیا تھا۔

"یہ محبت کیا ہے؟....."

"محبت الہامی شے ہے....." جی جی کی آواز میں مٹھاس بھر گئی تھی۔ اتنی مٹھاس کہ شافیہ کو لگا کہیں سے شہد کی آبشاریں اتر آئی ہوں۔ محبت نے جی جی کا چہرہ پُرنور کر دیا تھا۔ ایک روشنی کے ہالے

"جبین الزہراء کہتی ہیں۔ محبت الہامی شے ہے۔ یہ سیدھی آسمانوں سے اترتی ہے۔ دل کی پاک زمین پر یہ محبت اذان فجر کے بعد اترتی ہوئی پاک سحر ہے۔ یہ اتنی پاک ہے۔ جتنا جس کا تکمیل پاک ہے۔ محبت اس قدر پاکیزہ ہوتی ہے جتنا [illegible] پاک ہوتا ہے محبت اس کو کہتے ہیں جب روزہ دار وقت افطار پانی کے گلاس کو سامنے رکھ کر بھی ہاتھ نہ بڑھائے۔ حکم ربی کے بغیر اس گلاس کو چھونے کے انتظار کا نام محبت ہے۔ محبت وہ راستہ ہے..... جس پر چلنے والے اپنے دل آبلہ زدہ لے کر چلتے ہیں۔

محبت رزق ہے ان آنکھوں کا جو محبوب کا دیدار باوضو ہو کر کرتی ہیں۔ ان کوچوں کے چار جانب محبت کے پھول کھلتے ہیں جن پر کبھی خزاں نہیں آتی۔" جی جی نے اس کی ہاتھوں میں [illegible] کے ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ کسی ٹرانس میں تھی۔ جی جی اس کی محویت توڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"محبت کائنات کی خوشبو سے مہکتا ہے۔

محبت نام زبان پر لانے سے پہلے سوچ کو باوضو ہونا چاہیے۔"

جی جی کی خاموشی کے ساتھ ہے اس کی محویت ٹوٹ گئی تھی۔

"محبت کی بہت ساری شکلیں اور بہت ساری صورتیں ہیں کبھی ماں کے روپ میں کبھی باپ کے روپ میں، کبھی بہن تو کبھی بھلائی کے روپ میں اور کبھی محبوب کے روپ میں۔ محبت ہر صورت میں ہی [illegible] صورت ہوتی ہے۔" جی جی کی آواز محبت نے سے مشابہ تھی۔ انتہائی دل کو چھو لینے والی۔

"محبت ہے نا..... ہشام کی صورت، ہزار کوس پہ [illegible] تم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے [illegible] لیا کرو۔" ان کی آنکھوں میں محبت کی دھنک اتر رہی تھی [illegible] ایسا انوکھا پیار تھا ان دو الگ [illegible] اور الگ معاشرت کے لوگوں میں۔ نہ وہ اس محبت سے نکلنا تھا اور نہ یہ اس محبت سے آگاہی

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تھیں۔ بڑا عجیب سنگم تھا دونوں کا۔

وہ ہزاروں میل دور سمندروں کے فاصلوں پر، کسی دور دیس کے کسی پرہجوم شہر میں بہت سی مصروف اپنے شوہر کے اکلوتے لختِ جگر سے خود کلامی کر رہی تھیں۔ یہ خود کلامی ان کی ذات اور شخصیت کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

"جانِ والدہ! تم تو شمر نور ہو۔ تم تو صبح بنارس ہو۔ تم تو شام اودھ ہو۔ تم تو طلوعِ سحر ہو۔ تم تو روشن کائنات ہو، اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے۔ اور میں ہوئی خواہ سایہ نشین اس نہال کا رہی ہوں۔ کیونکر تم مجھے عزیز تر نہ ہو گے؟ رہی دید و دید، تم سے وطن آؤ یا میں تمہاں دور جنیلیا، تم مجبور میرے چاند۔ میں مغرور میرے چاند۔" ان کی میٹھی محبت ان کی آنکھوں سے بہہ رہی تھی۔ جن کو چنتے چنتے شافیہ کو بن دیکھے ہشام بھیا پر رشک آ رہا تھا۔ ایسا رشک جس کی مثال نہیں ملتی۔

"سنو جانِ عزیز!"۔ اچانک انہوں نے شافیہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ ناریل کے تیل کی ساری چکناہٹ جی جی کی نرم پوروں میں اتر آئی تھی۔

"سنو میری بچی! عالم دو ہیں۔ ایک عالم ارواح، اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہی..... ہر چند وہ قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم، عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ عالم ارواح کے گنہگار ہیں۔ ہمیں توبہ کی مہلت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہم مخلوقِ خدا میں محبتیں بانٹ کر، مالک کے تابع رہ کر، احکامات کی تعمیل کر کے دراصل اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہے ہیں۔" انہوں نے اس کی موتیے کے پھول جیسی گداز کلائی کو ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

"ہم میں سے کامیاب وہی ہے جس نے ہم میں سے خود کو کامیاب نہ سمجھا۔" جی جی کی میٹھی آواز میں زمانوں کے تجربات بول رہے تھے۔ معاً دیوان سر جھکائے جھکائے حاضر ہوا تھا۔ "بارِ افسوس نوٹ کیا۔" شافیہ کی محویت بھی ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔ دیوان کوئی پیام لایا تھا۔

"مرزا تمام بیگ تشریف لائے ہیں۔ کیا دالان میں لے آؤں؟" دیوان نے بیرسٹر صاحب کے عزیز دوست کا نام لیا تھا۔ اپنے زمانے کے بعد بھی کامیاب ترین وکیل سمجھے جاتے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں اب بھی ان کے شاگردان سے فیض حاصل کر رہے تھے۔ بہت قابل اور شریف النفس انسان تھے۔ بیرسٹر صاحب کے تمام دوست ہی ان کی طرح درویش صفت تھے۔

اپنے زمانے میں بیڑ شاعر مانے جاتے تھے۔ لوگ دور دراز سے اپنے مسودوں کی اصلاح کے لئے آتے تھے۔

ریختہ میں دریاب اور فارسی میں نایاب تخلص کرتے تھے۔ انشا پردازی، جغرافیہ، تاریخ، علم الانساب، اسماء الرجال، تحقیق لغات اور واقعیت عامہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

کبھی کبھار جی جی کی خدمت میں سلام عرض کرنے آ جاتے تھے۔ مگر آج آمد کی نوعیت خاص تھی۔ ہاتھوں میں پرانے کاغذات کی فائلیں تھیں جو انہوں نے رسمی سلام دعا کے بعد جی جی کے سامنے رکھ دی تھیں۔

"بڑی مہربانی عزیزم بھائی صاحب! آپ نے بڑا کام کر دیا ہے۔" جی جی کی آنکھوں میں جوش بھر گیا تھا۔ شافیہ کو ان کی گفتگو سے بس یہی سمجھ آئی تھی کہ یہ شاید جائیداد کے کاغذات تھے۔ وہ مرزا کے لئے جب چینی کے خوش نما مگوں میں گلابی نمکین چائے بھر کر لائی تو جی جی دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہی تھیں۔

"ہشام کے آنے میں کچھ ہی دن باقی ہیں۔ اس نے اپنا فزیکل کا اعلیٰ امتحان اعزازی نمبروں سے پاس کر لیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ بہت جلد اپنے باپ کی وطن لوٹ آئے گا....."

"ہم بھی یہی امید رکھتے ہیں بھابھی محترمہ! وہ اپنے باپ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرے اور ایک طبیب کے طور پر انسانیت کی خدمت کرے۔ اس دور میں جہاں طبیب قصاب کا روپ دھار چکے ہیں۔" انہوں نے فائلوں کو ربن میں باندھ باندھ کر جی جی کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

"خدا خیر کرے گا۔ آپ کا یہ احسان اور بڑی نیکی ہے۔ میرا یہ کام کوئی نہ کر پاتا۔" جی جی نے نام کاغذات کو کسی رازِ حیات کی طرح سنبھال لیا تھا۔

"احسان کیسا ہے بھابھی محترمہ! یہ تو خیام کے ساتھ بتائے ایک پیالے کا بھی بدلہ نہیں ہے۔ ہم تو ان زمانوں کے ساتھ ساتھ ہیں۔ جب علی گڑھ کا ہاسٹل بحرِ علوم میں غوطہ زن نظر آتا تھا۔ ہر ہاسٹل میں چار چار سولڑکے تھے۔ مگر گمان ہوتا جیسے کوئی قبرستان ہو۔ اس لیے کہ ان زمانوں میں شوقِ علم کا جنون ہی کچھ اور تھا۔ علمی مباحثوں کی علاوہ کوئی اور موضوع نہیں ہوتا تھا۔ ہر جگہ غالب علم تھامیں لے کر ٹہلتے نظر آتے تھے۔ کبھی چمن میں، کھانے کے کمروں میں، کامن روم میں، برآمدوں میں گیلریوں میں حتیٰ کہ فسل خانوں میں بھی لوگ فلسفہ، ریاضی اور تاریخ کی باتیں کرتے تھے آج کے دور میں، فیشن، انٹرنیٹ، پارٹیوں اور سیر سپاٹوں کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس دور میں ہمارے ہشام جیسا بچہ ہونا بڑے نصیب کی بات ہے۔" مرزا تمام بیگ عادتاً اپنی گفتگو کو ہر دور میں گزارتے تھے۔ کشمیری چائے ختم کے قریب تھی۔ وقت گھنٹہ بھر سے زیادہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنی سیاہ پوشین کی کوٹی کو اپنی چھڑی سنبھالا اور کھڑے ہونے سے پہلے بولے تھے۔

"بھابھی محترمہ! آپ کی تمام تر جائیداد ہشام کے نام منتقل ہو چکی ہے۔ غرباء کا حصہ نکال دینے کے بعد یہ بچی شافیہ جسے آپ نے اپنی جائیداد میں سے ایک بناتمین حصہ دیا ہے۔ اس کے نیک نصیب کی دعا کرتے ہیں ہم۔ آپ کے خوابوں کو تعبیر بخشے..... اور ہشام کے ساتھ اس کا نصیب بہت روشن ہو۔" جاتے جاتے مرزا تمام نے شافیہ کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا۔ اور ہوائیاں اڑاتی شافیہ کے سر پہ کئی پتاخے پھوڑتے روانہ ہو گئے تھے۔ ادھر جی جی محترمہ ہزاروں شوق کے رنگ سجائے بیٹھی تھیں۔ ہکا بکا شافیہ ان کے پہلو میں آ گری تھی۔

ہشام سے رشتے کی بات تو بہت دور وہ تو جائیداد کے شاک سے سنبھل نہیں رہی تھی۔

"جی جی! یہ میرے کان کیا سن رہے تھے؟ یہ سب کیا ہے؟" وہ ہڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ لکنت زدہ زبان اور لڑکھڑاتا لہجہ۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کلاس سوم الف

حرا شہزادی

"کچھ غلطی نہیں ہے۔ تم میری بیٹی اور ہشام میرا بیٹا ہے۔ سن لو شافیہ! اگر میرے نے تمہارا اور ہشام کا رشتہ نہیں بھی ہونے دیا تب بھی تم میری جائیداد میں ایک بیٹی کی وراثت رکھتی ہو۔ یہ میں نے تمہاری کسی خدمت کا صلہ نہیں دیا۔ یہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے..... اپنے لیے کچھ جگہ خریدی ہے۔ دور اوپر آسمانوں پر۔ جنت بریں میں، ہلکا سا ٹکڑا۔ چھوٹا سا گھروندہ۔ بے ضرر سا گھونسلہ۔ کچھ زیادہ نہیں کیا۔ اس خود غرض دنیا میں، اس اجنبی ہجوم سے میں تم کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟ میرے کے بھروسے جو تمہارا اماں بھی نوچ کر عریشہ کو کھلانا چاہتی ہے۔ تم میری بیٹی ہو۔ ہشام تمہارا آخری سہارا ہے۔ تم بھی بے ٹھکانہ نہیں رہو گی....." انہوں نے ہچکیاں لیتی شافیہ کو اپنے فراخ سینے میں دبوچ لیا تھا۔ وہ گھٹ گھٹ کر روتی اب دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

"بتائیں نا..... ایسا کیا آپ نے ایسا دل؟ بتائیں نا کس دیس کس نگر سے بھٹک کر آ گئی ہے۔ مشعل راہ بن کر کبھی ہشام تو کبھی شافیہ کے لئے۔ ایسے دل کہاں سے ملتے ہیں۔ خود کو بیچ کر بھی خرید نہ پاؤں۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ جی جی اس کی کمر سہلاتی اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔

"میری بچی! میری بات سنو۔ آنسو پونچھو۔ میری بات پہ دھیان دو۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سہلائے، آنسو صاف کیے اور پیار سے سمجھایا۔

"ایک بات جان لو..... یہ معاملات صیغہ راز میں رہنے چاہئے بعد دشت الزام ہوں تو بہتر ہیں۔ ان کو کچھ مت بتانا۔ یہ لالچی عورتیں لالچ میں ہر حد کو پار کر دیں گی۔ میں نے ہشام کو بھی نہیں بتایا۔ مگر اس کو بتا دوں گی۔ میرا ضمیر اب مطمئن ہے۔ ہشام اب آئے یا تب آئے۔ نرجس خیام اب آسانی کے ساتھ مرنے کے لئے تیار ہے۔" جی جی کے آخری الفاظ نے شافیہ کا کلیجہ شق کر دیا تھا۔ وہ گھٹ گھٹ کر روتی ایک مرتبہ پھر بے قابو ہو گئی تھی۔

"آپ مرنے کی باتیں مت کریں۔ آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں گی۔" وہ ان بچوں کی طرح ان سے وعدے لے رہی تھی۔ مگر جی جی نے اسے حوصلہ دینے کے لئے بھی وعدہ نہیں کیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ جی جی نے اس کے آنسو دیکھ کر بھی وعدہ نہیں کیا تھا۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا تھا؟

جاری ہے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کلیاں من القلب

حرا شہزادی

PARHLO.COM.PK

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

علی صراط مستقیم

وہ کسی سحر میں ڈوبی اردگرد سے بے خبر قرآن پاک کی تلاوت میں محو تھی۔ وہ جب بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی دنیا سے بے خبر ہو کر یہ اس کا کمال تھوڑی تھا یہ تو رب العالمین کا کرم تھا اس پہ!

✦✦✦

وہ اس وقت بڑے سے سیمنار میں لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا تھا سب اس کی آواز سننے کو بے چین تھے وہ بہت کم عرصے اور چھوٹی سی عمر میں لاکھوں لوگوں کے دلوں میں بس چکا تھا اس کی آواز میں جادو تھا سننے والا اس کی آواز کے سحر میں ڈوب جاتا تھا اس نے اپنا گٹار اٹھایا۔

اس نے پہلے گٹار سے گانے کی دھن بنائی۔

ہال میں جوزف نام کے نعرے کی آوازیں گونجنے لگیں جوزف نے اپنی سریلی آواز میں گانا شروع کیا۔

ایک بات بتاؤ تو
یادوں میں مرتے ہو
کیا تم ہم سے اب بھی محبت کرتے ہو؟
ایک بات بتاؤ تو
یادوں میں مرتے ہو
کیا تم ہم سے اب بھی محبت کرتے ہو؟

پورے ہال میں جیسے سکوت چھا گیا ہو جوزف کے آواز ہال میں گونج رہی تھی لاکھوں لوگ سن رہے تھے وہ اپنی ہی دھن میں گا رہا تھا نجانے کیا تھا اس کی آواز میں کہ ہر کوئی اس کو سننا چاہتا تھا بچے، بوڑھے، عورتیں سب ہی اس کی آواز کو جادوئی آواز سے بھی مخاطب کرتے تھے۔

✦✦✦

نماز ادا کرنے کے بعد اس نے سلیقے سے قرآن پاک اٹھایا اسے پیار سے چوما اس کی سورت لیس کھولی پھر اس نے بلند آواز میں تلاوت کرنا شروع کی یہ اس کا روز کا معمول تھا وہ روز سورت یٰس کی تلاوت کیا کرتی تھی

یٰسٓ و القرآن الحکیم
انک لمن المرسلین

جوزف دو سیکنڈ کے لیے رکا پھر سے اس نے گانا شروع کیا۔

ہو تم جن کے ہوا بھی
ان کے بارے بتانا
کیا آتا ہے ان کو تمہیں چپ کرانا؟
تم جن کے ہوا بھی
ان کے بارے بتانا
کیا آتا ہے ان کو تمہیں چپ کرانا؟

✦✦✦

وہ قرآن پاک کی تلاوت میں اس قدر محو تھی کہ اسے علم بھی نہ ہوا کوئی اسے پکار رہا ہے

تنزیل العزیز الرحیم
لتنذر قوما ما انذر اٰبآؤھم فھم غٰفلون○ لقد حق القول علی اکثرھم فھم لا یؤمنون

پھر سے نورین اپنا نام سن کر متوجہ ہوئی۔ اس نے قرآن پاک کو چوم کر بند کیا پھر غلاف میں لپیٹا۔

جی امی! بیٹا دودھ ختم ہو گیا ہے جا کر لے آؤ کوئی محلے کا بچہ بھی نہیں۔

جی امی نورین نے ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے جواب دیا گھر میں صرف نورین اور اس کی امی ہی رہتے تھے والد کا انتقال ہو چکا تھا ایک بھائی تھا جو ہوتے ہوئے بھی بھائی کا فرض نبھانے سے قاصر تھا نورین کی امی اکثر بیمار رہتی

ہے کر مسکرا دیا جو اب میں اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔

اس کے آگے پیچھے ہزاروں لڑکیاں تھیں لیکن اس نے آج تک کسی کی آنکھوں میں ایسی چمک نہیں دیکھی جو اسے نورین کی آنکھوں میں دیکھی۔

ٹرانس کی سی کیفیت میں جوزف کی آنکھوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا اس کے قدم نورین کی جانب بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔

ایک ہفتہ گزر چکا تھا لیکن جوزف ان آنکھوں کو بھول نہیں پایا تھا ہر سو اسے انہی آنکھوں کی تلاش تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسا احساس تھا؟

✦✦✦

ایک ہفتہ مزید گزر گیا لیکن جوزف کی حالت پہلے سے زیادہ بے چین ہو گئی اس دوران وہ گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا بالآخر دو ہفتوں کے بعد وہ گھر سے نکلا اس کے قدم نورین کے گھر کی جانب بڑھتے چلے گئے اس نے دروازے پہ دستک دی خادمہ (نورین کی امی) نے دروازہ کھولا۔ انجان شخص کو دیکھ کر حیرت ہوئی ان کو کوئی محلے کا لڑکا نہیں لگ رہا تھا بلکہ حویلی سے کسی امیر کبیر گھر کا لڑکا لگ رہا تھا پینٹ شرٹ ڈالے ہوئے ہاتھوں میں بیڈ، گلے میں لاکٹ جس میں گٹار بنا ہوا تھا لمبے لمبے بال، کالی بڑی آنکھیں ہلکی ہلکی ڈاڑھی، گھنی مونچھیں!

ہیلو آنٹی سب سے پہلے معذرت مجھے یوں اکیلا نہیں آنا چاہیے تھا لیکن اس کے سوا میرے پاس کوئی اور حل بھی نہ تھا۔ کچھ بات کرنی تھی آپ سے؟ جوزف نے بنا تمہید باندھے گفتگو کا آغاز کیا۔

آپ کا اسم گرامی؟ اور مجھ سے کیا

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جوزف ۔ جوزف نام ہے میرا۔ پلیز آپ میری بات سن لیں۔ جوزف نے التجا کرتے ہوئے کہا جس کے پیچھے لاکھوں لوگ ہوتے تھے ایک آٹوگراف لینے کے لیے اس سے منتیں کرتے تھے آج وہ دل کے ہاتھوں مجبور کسی کے سامنے التجا کر رہا تھا

خالدہ نے اندر آنے کی اجازت دے۔

میں جانتا ہوں ایسی باتوں کے لیے لڑکے خود نہیں آیا کرتے لیکن میرے ماں باپ اس دنیا میں نہیں ہیں اور میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں اس لیے میں خود ہی آ گیا۔ میں اپنے لیے آپ کی بیٹی کا ساتھ چاہتا ہوں۔ جوزف نے بنا تمہید باندھے اپنی بات کہہ دی جبکہ خالدہ حیرت کے سمندر میں ڈوب گئیں۔

آپ ہیں کون؟ کدھر سے ہیں؟ خالدہ نے بیچارا نسب معلوم کرنا چاہا

میں پیشے سے سنگر ہوں لاکھوں لوگوں کی آواز آپ نے شاید ٹی وی پہ دیکھا بھی ہو جوزف نے اترتے ہوئے بتایا

معذرت! آپ یہاں سے جا سکتے ہیں خالدہ نے جوزف سے کہا

لیکن میں اچھا کماتا ہوں آپ کی بیٹی کو خوش رکھوں گا ہر آسائش دوں گا اس کے علاوہ میں روز عبادت کے لیے چرچ میں بھی جاتا ہوں۔ جوزف اپنی تعریف اپنے ہی منہ سے کی! اپنے ہی منہ میاں مٹھو! لیکن وہ نہیں جانتا تھا تعریف کے چکر میں وہ اپنی حقیقت بتا چکا تھا

بیٹا یہ ممکن نہیں میں اپنی بیٹی کو ایسے شخص کے سپرد نہیں کر سکتی جو دین اسلام کا منکر ہو ایک عیسائی اور مسلمان کا نکاح کبھی بھی نہیں ہو سکتا

خالدہ نے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے صاف انکار کیا

جوزف ایک لمحے کے لیے سکتے کا ہو گیا لیکن وہ اپنے آپ کو قابو پا گیا۔ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ آپ کا دین ٹھیک ہے اور ہمارا نہیں؟؟ جوزف نے رسانیت سے کہا۔

اگر میں یہ ثابت کر دوں تو؟؟ اس بار جواب خالدہ کی طرف سے نہیں بلکہ نورین کی طرف سے آیا تھا۔ جوزف نے نظر اٹھا کر دیکھا یہ وہی آواز تھی جس کی اسے تلاش تھی لیکن آج بھی اس کا چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا فقط آنکھیں واضح تھیں وہی آنکھوں کی چمک!

میں اسلام کی راہ پہ چل پڑوں گا جوزف نے نظروں کا رخ پھیرتے ہوئے لاپروائی سے کہا جبکہ یہ سن کر نورین کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

آپ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا کیوں مانتے ہیں؟ نورین نے جوزف سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، بیماروں کو اچھا کرتے تھے، غیب کی باتیں بتاتے تھے، مٹی کی مورتی بناتے تھے پھر ان میں پھونک مارتے اور زندہ کر دیتے تھے ان کا تمام چیزوں کا قرآن کریم نے اقرار کیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ خدا تھے۔

وہ بن باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا وہ خدا کے بیٹے تھے۔

انہوں نے گہوارہ میں کلام کیا ان سے پیشتر کسی نے گہوارہ میں کلام نہیں کیا ہے یہ بھی خدا کا بیٹا ہونے کی ٹھیک دلیل ہے۔ جوزف نے جواب دیا جو شاید اس نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا تھا۔

کیا آپ کو معلوم نہیں بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ نورین نے جوزف سے پوچھا۔

جی بالکل جوزف نے بنا نورین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

خدا زندہ ہے کبھی بھی اسکو موت نہیں آتی جبکہ عیسیٰ کو ضرور موت اور فنا آنے والی ہے نورین نے دلیل دی۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے ہمیں پیدا کرنے والا ہے کیا عیسیٰ نے پوری کائنات کو پیدا کیا؟ جوزف لاجواب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کچھ بھی مخفی نہیں جبکہ انہیں بجز اس چیز پہ علم تھا جس کا خدا تعالیٰ نے علم دیا تھا۔

خدا نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے جبکہ عیسیٰ کھاتے پیتے تھے۔

عیسیٰ کی والدہ مریم اس طرح حاملہ ہوئیں جس ایک عورت اپنے بچے کو پیٹ میں رکھتی ہے اور پھر اس کو جنتی ہے اسی طرح عیسیٰ پیدا ہوئے اور بچوں کی طرح ان کو غذا دی گئی پھر بڑے ہوئے اور بچوں کی طرح ان کو غذا دی گئی۔

ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں تو عیسیٰ کیسے خدا ہوئے؟؟ جیسے کے آپ کا یا آپ کے آباؤ اجداد کا گمان ہے؟؟ نورین کی دلیلوں نے جوزف کو ہلا کر رکھ دیا دل اور دماغ کی جنگ چھڑ گئی اس نے آج تک ایسے سوچا ہی کب تھا جس بات پہ اس کے والدین نے لگایا وہ چل پڑا اور ایسا ہی ہوتا ہے جس گھر میں بندہ پیدا ہوتا ہے وہاں کے ہی طور طریقے اپناتا ہے

اگر مزید دلیل آپ کو چاہیے تو آپ قرآن پاک میں سورت آل عمران کا مطالعہ کریں آپ کو حق اور باطل کی پہچان کر پائیں گے نورین نے جزبات کرنا مناسب نہیں سمجھا وہ کمرے میں چلی گئی

جوزف بھی بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا لیکن سوچوں نے اسے گھیر لیا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بچپن سے لے کر آج تک جس مذہب کو وہ مانتا آ رہا تھا وہ ٹھیک تھا یا پھر وہ جس کے متعلق نورین نے دلائل دی تھی وہ؟ وہ گھر جا کر کمرے میں بند ہو گیا۔

✦✦✦

دو دن سوچنے کے بعد آخر اس نے قرآن پاک پڑھنے کا فیصلہ کیا اور بک سٹور پہ گیا مجھے قرآن چاہیے جوزف نے شاپ کیپر سے کہا

قرآن پاک؟؟ شاپ کیپر نے جوزف کو بغور دیکھتے ہوئے کہا

جی جی وہی... جوزف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

ایک منٹ شاپ کیپر سب سے اوپر والی کیبن سے نکالنے لگا اس نے عقیدت سے قرآن پاک کو جو جوزف ہنوز اسے دیکھ رہا تھا اس کے لیے یہ سب نیا تھا۔

یہ لیں۔ شاپ کیپر نے جوزف کی طرف قرآن پاک بڑھاتے ہوتے کہا۔ جوزف نے تھام لیا اسے پتہ انداز ہو چکا تھا یہ کوئی عام کتاب نہیں ہے اسی لیے شاپ کیپر اتنے احترام سے دے رہا تھا اس نے قرآن پاک کھولا لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آئی کیا لکھا ہوا ہے کیونکہ عربی زبان سے تو وہ ناواقف تھا

یہ تو مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ یہ اردو میں دے دیں جوزف نے کھوئے کھوئے انداز میں شاپ کیپر سے کہا شاپ کیپر نے جوزف کو حیرانگی سے دیکھا۔

آپ کو ترجمے والا چاہیے؟؟ شاپ کیپر نے جوزف سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ جی وہی

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جوزف کو علم تو نہیں تھا اسی لیے اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ شاپ کیپر اگلے ہی لمحے ترجمے والا قرآن پاک کے آیا اس نے جوزف کی جانب بڑھایا۔ جوزف نے احتیاط سے تھام لیا اس نے اب کی بار پھر کھول کر دیکھا اس میں عربی کا اردو میں ترجمہ تھا لیکن جوزف ابھی مطمئن نہیں ہوا۔ کیا ہوا بھائی آپ نے لینا ہے کیا؟ تب شاپ کیپر نے جوزف کو ساکت کھڑا دیکھ پوچھا۔ وہ بولی میں کہانی ہو وہ چاہے مجھے ؟جوزف نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی کیا آپ تفسیر القرآن لینا چاہ رہے ہیں؟؟ شاپ کیپر کو سمجھنے میں وقت نہیں لگا تھا۔ جی جی وہی جوزف نے اب کی بار پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ شاپ کیپر سے جوزف کو تفسیر القرآن کا کر دیا جوزف نے پھر سے کھول کر دیکھا۔ بھائی یہ ایک آیت ہے نیچے ساری تفصیل لکھی ہوئی ہے کیوں کب نازل ہوئی سارا واقعہ ہے جوزف کو الجھا الجھا دیکھ شاپ کیپر نے جوزف کو گائیڈ کیا۔ جی شکریہ مجھے یہی چاہیے تھا جوزف کو کچھ کچھ بات سمجھ آئی۔ پیک کر دوں آپ کو؟ شاپ کیپر نے پوچھا۔ جی شاپ کیپر نے ایک خوبصورت ڈبے میں قرآن پاک کو پیک کر کے دیا جوزف دیکھ کر ایک پل کے لیے حیران ہوا آج تک اس نے کتنی ہی کتابیں خریدی تھیں لیکن ایسی پیکنگ میں پہلی مرتبہ کوئی کتاب ملی تھی۔

جوزف نے پیسے دیے وہ قرآن پاک لے کر گھر کی جانب چل دیا گھر آ کر اس نے شوز اتارے پھر فریش ہوا اس نے قرآن پاک ڈبے سے نکالا اسے کھولا اس نے پہلا صفحہ دیکھا اردو میں سورتوں کے نام درج تھے سورت ال عمران! اس کے ذہن میں نورین کی آواز گونجی تیسرے ہی نمبر پر اسے آل عمران لکھا نظر آیا اس نے پیج نمبر نکال کر پڑھنا شروع کیا اس نے جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا اس پہ کرب سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

کچھ ہی آیات پڑھنے کے بعد اس نے قرآن پاک بند کر کے بیڈ کی سائیڈ پہ رکھ دیا اس کے ذہن میں شاپ کیپر کا مکالمہ گونجنے لگا جب اس نے اونچی جگہ سے قرآن پاک اتار کر دیا تھا

جوزف نے قرآن پاک اٹھا کر الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں رکھ دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اب تک جس مذہب کی پیروی کرتا آ رہا تھا وہ درست ہے یا پھر وہ جو آج اس نے قرآن پاک میں پڑھا تھا اس کے لیے فیصلہ کرنا دشوار ہوتا جا رہا تھا لیکن اب اسے فیصلہ کرنا تھا کسی ایک مذہب کو چننا تھا!

✦✦✦

جوزف کا دل جیسے بند سی ہو گیا تھا اور دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا تھا اس کا کہیں بھی جانے کا دل نہیں کرتا گھر میں ایک بار پھر سے وہ قید ہو چکا تھا اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا جب دل اداس ہو رات اس کے لیے تو دن رات ایک جیسے ہی تھے نہ ہی کھانے کا ہوش نہ ہی اوڑھنے کا شوق!

جوزف ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا تھا وہ فیصلہ کرنے میں ابھی بھی ناکام تھا عجیب سی بے چینی تھی اس کے پاس سب کچھ تھا پیسہ، شہرت عزت لیکن سکون نہیں تھا

ایک ہفتے بعد نجانے کس خیال نے جوزف کو گھر سے نکلنے پہ مجبور کر دیا وہ پیدل چلتے جا رہا تھا کہاں؟ اسے بھی معلوم نہیں تھا

چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا اس کے کانوں میں اذان کی آواز گونجی یہ کیسی آواز تھی جوزف

کے دل نے خیال آیا وہ باغور سننے لگا اسے لگا جیسے یہ آواز اس کے دل کو چھو رہی ہو اتنے عرصے بعد سکون سا محسوس ہوا جوزف اذان کے تعاقب میں چلتا گیا وہ ایک مسجد کے سامنے جا رکا یہ آواز یہاں سے ہی آ رہی ہے جوزف نے اندازہ لگایا۔

اتنے میں اذان ختم ہو گئی۔

بیٹا آپ ادھر کیوں کھڑے میں اندر چلیں نماز کا وقت ہوا جاتا ہے ایک بزرگ نے جوزف کو مسجد کے دروازے کے سامنے کھڑے دیکھ کر اس سے کہا جوزف بزرگ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا

نماز! ہاں یہاں سے ہی یہ آواز تھی جوزف نے ہم کلامی کی

جوزف ایک کونے میں بیٹھا تمام نمازیوں کو بغور دیکھنے لگا اسے نماز تو آتی نہیں تھی لیکن اسے یہاں بیٹھ کر سکون ملنے لگا تمام نمازی جا چکے تھے لیکن جوزف وہاں ہی بیٹھے رہا عشاء کا وقت ہو گیا ایک بار پھر سے جوزف کے کانوں میں اذان کی آواز گونجی اس بار بھی وہ ایسے ہی نمازیوں کو تکتا رہا مسجد خالی ہو چکی تھی بیٹا آپ کو گھر نہیں جانا؟ امام صاحب نے جوزف کو ایک کونے میں بیٹھا دیکھ پوچھا

گھر؟ جوزف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا

جی بیٹا آپ کو گھر نہیں جانا کیا؟ امام صاحب نے پھر سے سوال دہرایا۔

جوزف بنا کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا وہ مسجد سے نکلا

لگتا ہے کوئی دیوانہ ہے امام صاحب نے جوزف کو ایسے جاتے دیکھ کہا

ہزاروں سوچیں گھیرے وہ روڈ پہ چلتا جا رہا تھا اب شاید اس کے لیے فیصلہ کرنا اتنا دشوار نہیں تھا جتنا کہ پہلے!

✦✦✦

آج اس نے پھر سے قرآن پاک کھولا اس نے وہاں سے ہی پڑھنا شروع کیا جہاں اس نے چھوڑا تھا اس پہ حقیقت آشنا ہونے لگی اب کسی کی گنجائش باقی نہیں تھی

زندگی کے اتنے سال اس نے خدا کو نہ تسلیم کرنے میں گزار دیے تھے اس پہ کرب کی کیفیت طاری ہو گئی نورین کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے وہ تو خود سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی بلکہ جو اس نے قرآن پاک میں پڑھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل پڑھیں وہ ہی سب بیان کر رہی تھی اس کی دلیل کا مرکز فقط قرآن تھا اس نے قرآن پاک کو چوم کر الماری میں رکھ دیا

بہت سوچنے کے بعد آخر جوزف فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا

کئی دن وہ اسی کیفیت میں رہا خود کو کمرے میں قید کیا موبائل آف کر دیا سوشل میڈیا سے دور ہو گیا ایک ہفتے بعد وہ کھلی ہوا میں نکلا منزل سے بے خبر وہ چلتا چلتے چلتے وہ پھر سے اسی مسجد کے سامنے آ رکا اذان کی آواز کانوں میں گونجی یہ تو وہی آواز ہے جوزف نے خود سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اس کے قدم جیسے کسی نے جکڑ لیے ہوں وہ آگے بڑھ ہی نہ سکا اس کے قدم خود بہ خود مسجد کی جانب بڑھنے لگے یہ اللہ کا ہی تو کرم تھا اس پر!

اس کی آنکھیں نم تھیں بال بکھرے ہوئے تھے وہ آج پھر اسی کونے میں بیٹھ نمازیوں کو بغور دیکھنے لگا مجھے امام صاحب سے ملنا ہے نمازیوں کو جاتا دیکھ اس نے ایک بزرگ سے کہا

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جی بیٹا کہیں میں ہی امام ہوں امام صاحب نے رسانیت سے کہا

امام صاحب میں ـــــ جوزف کہتے کہتے رک گیا جیسے الفاظ ساتھ نہ دے رہے ہوں وہ زور و قطار رونے لگا اس کے ہونٹوں پہ جیسے قفل لگ گیا ہو وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا

آپ ایسے کیوں رو رہے ہیں؟؟ امام صاحب نے جوزف سے رسانیت سے پوچھا۔

آپ امام ہیں؟ جوزف نے ایک بار پھر سے پوچھا جیسے وہ کنفرم کرنا چاہ رہا ہو

جی جی میں ہی امام ہوں کیا بات ہے بیٹا؟ کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟ جوزف نے شرمسار ہوتے ہوئے پوچھا

اللہ تو بہت رحمن ہے وہ اپنے بندوں کو ضرور معاف کرتا ہے لیکن اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے تو۔ جوزف کے سوال پہ امام صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں جواب دیا۔

امام صاحب میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں جوزف نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔

ماشاءاللہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہیں۔ اب جیسے میں پڑھوں گا آپ بھی ویسے ہی پڑھیں۔ جوزف نے اثبات میں سر ہلایا۔

لا الٰہ ـــــ لا الٰہ

الا اللہ ـــــ الا اللہ

محمد رسول اللہ ـــــ محمد رسول اللہ

جوزف امام صاحب کے ساتھ ساتھ کلمہ دہراتا گیا۔

آج سے آپ مسلمان ہیں۔ آج سے آپ کا نام ابوالحسن ہے۔

امام صاحب نے اس کا نام رکھا۔

بیٹا اسلام قبول کرنے کا مطلب اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ آپ مسلمان ہیں بلکہ اسلام کے تمام کو ماننا بھی فرض ہے امام صاحب نے نرم لہجے میں جوزف کو سمجھایا۔

جوزف نے اثبات میں سر ہلایا

کیا آپ مجھے قرآن پاک پڑھنا اور نماز پڑھنا سکھائیں گے؟ ابوالحسن نے امام صاحب سے پوچھا۔ جی جی کیوں نہیں آپ روز فجر کے وقت آجایا کریں۔ امام صاحب نے ابوالحسن سے کہا۔

فجر؟؟ ابوالحسن نے ناسمجھی سے پوچھا صبح چار بجے کے دس منٹ پہ فجر کی اذان ہوتی ہے آپ چار بجے آجایا کریں امام صاحب نے سمجھایا۔

جی ٹھیک ہے۔ ابوالحسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

✦✦✦

ابوالحسن نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا تھا نماز پڑھنا سیکھ لی تھی اب وہ پانچ وقت باقاعدگی سے نماز ادا کرتا آہستہ آہستہ دین اسلام کی سمجھ آنے لگی لیکن جیسے جیسے وہ دین اسلام سے واقف ہونے لگا اس پہ گناہوں کے بوجھ، پچھتاوا بھی بڑھتا گیا اس نے تہجد پڑھنا شروع کر دے اس کا زیادہ وقت مسجد میں ہی گزرتا اسے گھر بے چینی ہونے لگتی

بیٹا میں دیکھ رہا ہوں آپ زیادہ تر مسجد میں ہی ہوتے ہیں امام صاحب نے ابوالحسن سے کہا سکون ملتا ہے مجھے! ابوالحسن نے کھوئے سے انداز میں جواب دیا امام صاحب مسکرائے

بے شک سکون صرف اللہ کے ذکر میں ہے!

✦✦✦

امام صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ابوالحسن امام

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشا
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
دنیا گول ہے
آوارہ گرد کی ڈائری
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چین کو چلیے
گھری گھری پھر اسفار
خط انشائی کے
یورپ کے اک کوچے میں
چاند نگر
دل وحشی
آپ سے کیا پردہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو
انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ
لطیف نثر
لطیف غزل
لطیف اقبال

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار لاہور
فون نمبرز: 7321690-7310797

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

ابوالحسن! امام صاحب نے ابوالحسن کا تعارف کروایا
اسلام وعلیکم آنٹی ابوالحسن نے نظریں جھکائے سلام کیا
وعلیکم السلام خالدہ نے جواب دیا مطلب جوزف مسلمان ہو چکا تھا
نورین بچپن میں امام صاحب کے پاس قرآن پاک پڑھا کرتی تھی نورین کے بابا امام صاحب کے بہت اچھے دوست تھے ان کی وفات کے بعد امام صاحب وقتاً فوقتاً ان کا حال احوال پوچھنے چلے جاتے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے خالدہ بھی امام صاحب کے گھر چلی آتیں ان کی امام صاحب کی اہلیہ سے اچھے تعلقات تھے
رسمی گفتگو کے بعد امام صاحب اور ابوالحسن چلے گئے جبکہ خالدہ کو سوچوں نے گھیر لیا تھا

✦✦✦

دروازے پہ دستک ہوئی خالدہ نے دروازہ کھولا امام صاحب آپ آیئے نہ ساتھ امام صاحب کی اہلیہ بھی تھیں رخسانہ (امام صاحب کی اہلیہ) کیسی ہیں آپ؟ خالدہ نے دروازہ کھولا کہتے امام صاحب اور ان کی اہلیہ کو دیکھ خوشی سے ان سے حال احوال پوچھا پھر اندر آنے کے لیے کہا
نورین نے چائے بنائی ساتھ بسکٹ اور دوسرے لوازمات پیش کیے امام صاحب نورین کو اپنی بیٹی ہی مانتے تھے
بہن آج آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آئے ہیں امید ہے آپ ہمارا مان رکھیں گی امام صاحب نے بات کا آغاز کیا۔
جی جی امام صاحب آپ کہیں؟ خالدہ نے کہا
نورین اب بڑی ہو چکی بچیوں کو جتنی جلدی اپنے گھر کا کر دیا جائے اچھا ہے زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں والد کا سایہ پہلے ہی سر سے اٹھ چکا ہے میں ابوالحسن کے لیے نورین کا رشتہ لے کر آیا ہوں دیکھا بھالا لڑکا ہے نورین کی عمر کا ہے ماشاء اللہ عبادت گزار ہے خوبصورت ہے آپ کو اگر مناسب لگے تو میں ابوالحسن سے بات کروں؟ امام صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا
خالدہ سوچ میں پڑ گئیں۔ بہن آپ کی بات نورین کی مرضی پہلے آپ پر کوئی بھی فیصلہ مسلط نہیں کیا جائے گا خالدہ کو خاموش پا کر امام صاحب نے کہا۔
امام صاحب آپ ہمارے لیے برا سوچ ہی نہیں سکتے نورین کو اپنی بیٹی مانتے ہیں آپ کو کچھ بہتر لگا ہوگا تبھی آپ نے کہا ہے آپ کو جو مناسب لگے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے خالدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ جزاک اللہ ہمیں آپ سے اسی راضامندی کی امید تھی۔ آپ نورین سے بھی راضامندی معلوم کر لیں امام صاحب نے خالدہ سے کہا۔ اسے بچوں کے فیصلے پہ کیا اعتراض ہو سکتا ہے خالدہ نے کہا
پھر نیک کام میں دیری کیسی بس ابوالحسن سے بھی اس کی راضامندی معلوم کر لیں اور آگے ہی جمعے کو نکاح رکھ لیتے ہیں۔ امام صاحب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

✦✦✦

بیٹا اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے نماز ادا کرنے کے بعد ابوالحسن سے امام صاحب نے کہا ابوالحسن نے حیرت سے امام صاحب کی جانب دیکھا ماموں؟؟؟ اس کا خیال تو اس کے دل و دماغ سے جیسے کھو ہی گیا تھا
بیٹا ہمارا کچھ حقوق ہوتے ہیں اور میں

ہمارے [illegible] امام صاحب نے ابوالحسن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ لیکن امام صاحب؟؟؟ ابوالحسن کہتے کہتے رک گیا ابوالحسن کی بات کو بھانپتے ہوئے امام صاحب مسکرائے
بیٹا وہ اس جو بہن ہمیں ملی تھیں ان کی بیٹی ہے میری بیٹیوں کی طرح ہے اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو آگے ہی جمعے نکاح رکھ لیں امام صاحب نے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی بات کی ابوالحسن کو یاد آیا کہ اس دن وہ خالدہ سے ملنے گیا تھا تو وہ نورین کی بات کر رہے ہیں ابوالحسن ایک پل کے لیے ساکت ہو گیا آج اللہ نے اسے وہ عطا کر دیا تھا جس کی اس نے کبھی خواہش کی تھی امام صاحب آپ کو جو بہتر لگے ابوالحسن نے امام صاحب سے کہا۔ جیتے رہو بچے! امام صاحب نے دعا دی۔

✦✦✦

جمعے کو نکاح مقرر کیا گیا وقت اتنی تیزی سے گزرا کہ پتا ہی نہیں چلا سادگی سے نکاح ہوا امام صاحب نے ہی نکاح پڑھایا سب نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی نورین کو پھر ابوالحسن کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ میں نے سوچا نہیں تھا کہ میرا رب میری وہ خواہش پوری کر دے گا جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا ابوالحسن نے اپنے سامنے سرخ جوڑے میں بیٹھی نورین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا جواب اس کی شریک حیات بن چکی تھی۔
اللہ تو ان کی بھی سنتا ہے جو اس کی ذات کے منکر ہے پھر اپنے ماننے والوں کی بات کو کیسے ٹال سکتا ہے۔ نورین نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائے کہا نورین سرخ جوڑے میں ملبوس زیور سے مزین تھی آج وہ اپنے محرم کے لیے سجی انوری تھی
آپ میری سوچ سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں جتنی آپ کی آنکھوں میں چمک ہے اس سے کئی زیادہ پرکشش آپ کا چہرہ ہے۔ ابوالحسن نے نورین کی تعریف کی وہ فقط مسکرا دی۔
دونوں نے ساتھ مل کر شکرانے کے نوافل ادا کیے اگر جذبہ سچا اور پاکیزہ ہو تو رب بھی کن کہہ دیتا ہے
نم آنکھیں، بکھرے بال چہرے پہ ندامت ہی ندامت وہ مسجد میں داخل ہوا تو امام صاحب ہیں؟؟ جی جی میں ہی ہوں۔
میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے نم آنکھوں سے کہا ابوالحسن کے سامنے جوزف کا عکس لہرایا۔
آج اللہ نے اسے اتنی بڑی سعادت سے نوازا تھا جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اس کے پاس الفاظ نہ تھے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے!
ابوالحسن گھر پہنچا بیٹا مبارک ہو اللہ نے رحمت سے نوازا ہے گھر میں داخل ہوتے ہی خالدہ نے ابوالحسن کو ایک اور خوش خبری سنائی ابوالحسن کی خوشی کی انتہا ہی نہیں تھا وہ سجدے میں گر گیا پہلے اس نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اپنے رب سے گڑگڑا کر معافی مانگی اسے رب نے اتنا نوازا تھا کہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا ہے نوافل ادا کرنے کے بعد اس نے ننھی سے گڑیا کو اٹھا کر سینے سے لگایا نورین دیکھ کر مسکرائی آج ان کی زندگی مکمل ہو چکی تھی!

✦✦✦

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

✧✧✧

فٹ پاتھ پر چلتے اُسے صبح اناں کے کہے الفاظ یاد آئی تھے۔

"کب تک ایسے بیٹھی رہو گی؟ تم کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتی۔ مان لیا ہماری ہی غلطی تھی اب تو زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔"

وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئی تھی۔ پیچھے اناں دیر تک بولتی رہیں جب تک وہ دہلیز پار نہ

کر گئی۔ وہ اناں سے جان تو چھڑا آئی تھی مگر اُن کے الفاظ اُس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

"ارے! ہم نے ایسا بھی کیا گناہ کر دیا؟ ماں باپ سے ہو ہی جاتا ہے غلط فیصلہ۔ مگر ایسا تو کوئی نہیں کرتا۔ تم نے تو جوگ ہی لے لیا ہے۔ کب تک کرو گی اُس کا انتظار؟ تم عمن بھی رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

اُس کی خاموشی سے اناں جھنجھلا گئیں مگر یہ بھی پرانی بات ہو گئی ہے تو۔ اُس کی خاموشی پہ اناں اکثر ہی جھنجھلا جاتی تھیں۔

وہ اُس کی خاموشی ہی تو تھی جو انھیں احساسِ جرم میں مبتلا کیے رکھتی تھی۔ سالوں پہلے کی اُس کمزوری پہ انھیں آج بھی غصہ آتا تھا۔

اکلوتے بھائی کی مہندی والی رات سونے لے لدی اُن کی بہن نے منجھلے گالوں والی اُن کی ماہ پارہ کو اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیا تھا۔ زیورات کی چکا چوند میں بس وہ قیاس سنہری عورت کو ہی دیکھ پائیں، نہ زمانے کا چلن دیکھا، نہ ہی وقت کا فاصلہ۔

یہاں تک بات پھر بھی ٹھیک تھی مسئلہ بڑھتا گیا جُوں جُوں ماہ پارہ کی عمر بڑھتی گئی۔

خالہ زرتاج اور اُن کا نورِ چشم زائم آفریدی اُس کی زندگی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر بیٹھ گئے۔ اُسے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا اور وہ پڑھائی میں بھی بہت اچھی تھی، مگر خالہ نے کہا۔

"نہیں بھئی! اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر عینک لگ جائے گی اور اندھی بہو نہیں چاہیے۔"

"پھر اناں کے آگے اُس کی ایک نہ چلی اور اسے مجبوراً آرٹس پڑھنا پڑی۔ خالہ کہتیں

"تمو کی مہندی پر ماہ پارہ کا کیا کام؟ ایسی جگہ طرح طرح کی عورتیں آتی ہیں کوئی میری بہو کو نظر ہی نہ لگا دے۔" وہ لاکھ روتی پیٹتی مگر وہ کبھی کسی ایسی شادی، مہندی میں نہیں جا سکی۔

خالہ ناک چڑھاتیں

"زائم کو کالا رنگ ذرا نہیں پسند۔" وہ رنگ اُس کے لیے ممنوع ہو جاتا۔ خالہ اعتراض اٹھاتیں

"زائم کو کھلکھلاتی لڑکیاں بُری لگتی ہیں۔" اُس کی مسکراہٹ سمٹ جاتی

"میری بہو کے بال لمبے نہ ہوں۔ آج کل کون رکھتا ہے اتنے لمبے بال، آؤٹ آف فیشن ہو گئے اب تو۔" اناں نے اُس کے بال کٹوا دیے

"اتنا بولنے والی لڑکیاں شوخی لگتی ہیں۔ خاموش انسان ڈیسنٹ ہی اچھا لگتا ہے۔"

اُس کے بولنے پر بھی پابندی لگ گئی۔ یہ ساری پابندیاں بس اُس شام تک ہی رہیں جس شام خالہ کی مٹھائی کے ٹوکروں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں۔ اناں سمجھیں کہ وہ باقاعدہ رشتہ ڈالنے آئی ہیں۔ آئی تو وہ رشتے کے لیے ہی تھیں مگر کسی اور کے لیے۔

"مائرہ کا باپ بہت بڑا آفیسر ہے۔ زائم کہہ رہا تھا کہ آج کل کلاس اور اسٹیٹس بہت ضروری ہے ہر کوئی اپنا اسٹیٹس بڑھانا چاہتا ہے۔ ماہ پارہ بھی تو مجھ سے شادی میرا اسٹیٹس دیکھ کر ہی کر رہی ہے ناں۔ اور ویسے بھی ہم دونوں کا کیا مقابلہ۔"

خالہ نے من و عن زائم کے الفاظ دہرا دیے۔ خالہ کے آخری الفاظ کے ساتھ ہی ماہ پارہ پاتال کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی جہاں سے شاید اب وہ کبھی نکل نہ پاتی۔

"کیسی بچی! رباب! برا مت ماننا مگر ماہ پارہ اس پانچ مرلے کے مکان میں رہ رہی ہے، کہاں رہ پائے گی اُس چار کنال کی کوٹھی میں۔"

وہ اپنے الفاظ سے اُس کی اوقات واضح کر گئیں اور اناں نے اُسے پاتالوں کی تمام

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

زندگی زندگی مے خواب ہو یہیں

فرزانہ صفیر

زندگی خواب دکھاتی ہے اور خواب بھی وہ کہ جن کی تعبیر دنیا میں ممکن نہیں۔

ہم روز خواب دیکھتے ہیں، اپنی مرضی کے کردار، اپنی مرضی کے منظر، دلپسند جملے اور دلپسند لمحے۔ مگر ہوتے تو خواب ہی ہیں اور ہر خواب کا نصیب ہنسنے سے بیدار ہی ہے۔

شہزادی نے بھی ایک خواب دیکھا کسی کا ہو جانے کا خواب، کسی چاند کو چھو لینے کا خواب۔

مگر گھڑی کی سوئیاں بارہ کا ہندسہ چھو کر گئیں اور جادو نگری کے تمام مناظر تحلیل ہو گئے۔ اب بس وہاں ایک عام لڑکی کھڑی تھی۔ نہ چاندی سے چمکتے جوتے تھے، نہ پھولوں کا لباس، وہ تو آوازوں کا جنگل تھا اور قدم قدم پہ کانٹے تھے۔ اُس دہشتوں کے جنگل میں برہنہ پیر لیے وہ کہاں تک چلتی۔

شہزادی کا شہزادہ بھی کبھی اُس کی تلاش میں نہ نکلا۔

ویسے بھی اب شہزادیاں شہزادوں کا انتظار نہیں کرتیں کہ شہزادے سماج کی بیڑیوں میں قید ہیں اور شہزادیوں کی زبان پر تالے۔

ایسے موسموں میں کہاں ہوتی ہے محبت۔ محبت کے آنے کا موسم تو موسم بہاراں ہے کیا کبھی خزاں میں محبت کے پھول کھلے ہیں؟ نہیں ناں۔

+++

عشق پیچاں کی بیل دیوار پھلانگ آئی تھی اور اب کھڑکی سے لپٹنا شروع ہو گئی تھی۔ پہلے ہی اُس کی زندگی میں کیا تھا جو یہ بیل اس کے حصے کی ہوا اور روشنی بھی نگلنے کے درپے تھی۔ اس نے بے دردی سے بیل کو نوچا اور کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

پھر پلٹ کر پرس اور موبائل اٹھایا، جھٹک کر گویا کچھ ذہن سے بھی جھٹکا اور کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ پیچھے کمرہ ویران ہو گیا، کھڑکی سے اب تازہ ہوا کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ میز پر رکھے کاغذ بھی پھڑ پھڑا رہے تھے۔

+++

محبت کے اُس حسین جنگل میں شہزادی ایک سنہری پنکھ لیا کرتے پہنچی تھی۔ وہ سنہری پنکھ۔ آنکھوں کو خیرہ کیے دیتا تھا جیسے سورج چمکتا ہو۔ شہزادے کی آنکھوں میں دیکھتے شہزادی نے سنہری پنکھ تھام لیا تھا اور محبت کا اظہار اپنے آنچل سے باندھ لیا تھا۔ وہ اُس باغ سے واپس آ گئی تھی مگر ہر رات اپنے تکیے کے نیچے پنکھ کی موجودگی کا یقین کرنا نہ بھولتی تھی۔

پھر میل ملاقات شروع ہوئیں اور وہ سرسبز باغ میں دونوں عہد و پیمان کرنے لگے، شہزادہ شاید عادت سے مجبور تھا مگر شہزادی تو محبت کر رہی تھی، صرف محبت۔

پھر ایک دن شہزادے کا لہجہ بیزار ہوا، آنکھوں کا رنگ بدلا اور اُس کو یاد آ گیا کہ وہ تو شہزادہ تھا، ولایت اور تخت کے ہزاروں آئینوں سے نکل کر اُس باغ تک آنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ شہزادہ اسے چھوڑ گیا اور سارا باغ ویران ہو گیا۔

زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ صیاد دوبارہ بیڑیاں پہنانے لے، اڑان بھرنے کی کوشش کرے یا کوئی تیسرا حل نکالے۔

سوچوں سے آزادی پانا ممکن نہیں۔ وہ بھی روز فٹ پاتھ پر چلتے اُن الفاظ کو یاد کرتے ہوئے جیتی تھی، روز مرتی تھی۔

وہ متفق تھی سنہری عورت سے، واقعی ایسے لوگوں کی کوئی اوقات نہیں ہوتی جو دوسروں کی خوشی اور انا کے لیے اپنی ذات قربان کر دیں۔

سوچوں کے جنگل میں الجھتے کب سکول کا احاطہ آ گیا اُسے پتا بھی نہ چلا۔ وہ سوچوں سے دامن چھڑاتی گیٹ پار کر گئی۔

+++

دھوپ ڈھل رہی تھی، پیڑ کا سایہ آنگن میں پھیل رہا تھا۔ شام کی چائے لیے وہ کچن سے نکلی اور برآمدے میں اتاں کے پاس آ بیٹھی۔ ٹرے سامنے موجود تپائی پر رکھی اور دونوں چارپائیوں کے اوپر کراس کر کے بیٹھ گئی۔ اتاں کا تسبیح پھیرتا ہاتھ تھم گیا۔ انھوں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ خاموشی سے بیٹھی تھی پچھلے کچھ عرصے سے اُن کو وہ پرسکون لگنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی بے چینی کی بجائے سکون چھلکتا تھا۔ اتاں کی وہ اولاد تو تھی مگر کبھی دھیان نہیں دیا تھا اُس کے احساسات اور جذبات پر، شاید اسی لیے وہ اپنی اولاد میں ماہ پارہ کو کبھی جان نہ پائیں۔

خود پر ٹکی اتاں کی نظریں وہ کافی دیر سے محسوس کر رہی تھی۔ آگے ہو کر چائے کا کپ اٹھایا اور انھیں مسکرا کر دیکھا

"کیا بات ہے اتاں؟"

"پرسوں صاحبہ آئی تھی۔" انھوں نے بات کا آغاز کیا

"جی یاد ہے مجھے، شام میں آئی تھیں تو ملاقات ہی ہوتی ورنہ آپی سے کہاں ملاقات ہوتی ہے میری۔" چائے کا گھونٹ بھرتے وہ بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔وہ!" وہ جھجک کر ایک بار پھر رکی تھیں۔

"کیا؟" ابرو اٹھاتے اس نے سوال کیا تھا۔

"وہ تمھارے لیے رشتہ لائی تھی۔" کہہ کر اس کا چہرہ دیکھا مگر وہ اب بھی پرسکون تھی۔ لمحے بھر کو رکیں مگر ایک بار پھر ہمت باندھ کر بولیں

"لڑکے کی کریانے کی دکان ہے، ان پڑھ ہے ہوا ہے۔ پہلی بیوی مر گئی ہے، ایک بیٹی بھی ہے سال بھر کی ہو گی۔ اُس گھر کو عورت کی ضرورت ہے اور تمھیں سہارے کی۔" بات کے آخر تک اُن کی آواز پست ہو گئی تھی۔ نظر اٹھا کر ایک بار پھر اُس دیکھا وہ اب بھی خاموش تھی۔

"میرے مرنے کے بعد کیا کرو گی؟ کہاں رہو گی؟ شاید تمھارے نصیب میں یہی ہو۔" اتاں کے پاس دلیل اور الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ خاموشی سے چائے کا آخری گھونٹ بھرتے خالی کپ اس نے میز پر رکھا۔ تخت سے پیر اتارے اور جھک کر چپل ڈھونڈنے لگی۔

"پھر کیا جواب دوں اُس کو؟" اس کے اطمینان نے اتاں کو بے چین کیا تھا۔ ماہ پارہ کو چپل مل گئی تھی۔ وہ چپل پہن کر کھڑی ہوئی اور لباس کی نادیدہ شکنیں درست کرنے لگی۔ اتاں کو دیکھا، مسکرائی اور بولی

"مجھے وہاں شادی نہیں کرنی آپ آپی کو جواب دے دیں۔" وہ ٹرے اٹھائی کچن کے دروازے میں گم ہو گئی اور اتاں گرفتہ دل کے ساتھ وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

+++

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اگلے دن وہ سکول جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ آتش فشاں بنی صاحبہ آپی اس کے سر پر آ پہنچیں

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ تم نے اس رشتے کو بھی انکار کر دیا۔"

"جی! مجھے مناسب نہیں لگا۔" بالوں میں برش پھیرتے وہ بولی تھی۔

"تم کب تک اُس زائم کا سوگ مناتی رہو گی۔" ماضی کا طعنہ ایک بار پھر مارا گیا تھا، صاحبہ آپی کا یہ پسندیدہ ٹاپک تھا، نظام کے نام سے طعنے دینا ماہ پارہ کو تو اب برا لگنا بھی بند ہو گیا تھا وہ بے چاری بھی عادت سے مجبور تھیں۔

"میں کسی کا سوگ نہیں منا رہی۔" وہ اب چٹیا کے بل ڈال رہی تھی۔

"پھر انکار کیوں کیا؟" وہ مطمئن نہیں تھیں تبھی نظروں سے تولتے بولیں

"میں نے کہا نا مجھے مناسب نہیں لگا۔" وہ اب آخری بل ڈال رہی تھی۔

"کیا مناسب نہیں ہے؟ تم کون سا حور پری ہو؟ ایک دو سال اور رُک گئے تو ایسا رشتہ بھی نہیں آئے گا۔" وہ اُسی لیول پہ آ کے بول رہی تھیں جو ان کا خاصہ تھا۔

"دیکھا! زائم کیسے تمہیں دھکے کا کر گیا۔ خود کو شہزادی سمجھنا چھوڑ دو اب۔ کل کو ایسے ہی رشتے کے لیے گڑگڑاؤ گی میرے آگے۔ پھر دیکھوں گی ایسا رشتہ بھی کون دیتا ہے تمہیں۔" پراندہ پر دوپٹہ لٹکاتے، کندھے پر پرس ڈالتے ماہ پارہ نے نظر اٹھا کر انھیں دیکھا۔ لوگ کیسے فرعون صفت ہوتے ہیں؟ لفظوں سے ہی کلیجہ چیر دیتے ہیں۔ مگر عرصہ ہوا اُن کی ایسی باتیں اب اُس پر اثر کرنا چھوڑ چکی تھیں۔ وہ آرام سے پلٹ گئی کی۔ اب انکار کے بعد وضاحت کی گنجائش کیسی؟

ویسے بھی وضاحت وہاں ہوتی ہے جہاں محبت ہو، یقین اور تکبر میں مبتلا لوگوں کے لیے اپنا آپ ہی ہوتا ہے۔

✦✦✦

شہزادی کا شہزادہ کیا نام ہوا؟ ہر چور، لٹیرا، راہزن شہزادی کا دعویدار بن بیٹھا۔ شہزادی کی قیمت لکڑہارے کی بیٹی سے کتنی گنا بڑھ گئی کہ لکڑہارے کی بیٹی محبت کی تصوردار نہ تھی، اس کی آنکھوں نے کسی کے خواب نہ دیکھے تھے، وہ محبت میں ان چھوئی تھی اور شہزادی محبت کے بازار میں رُسوا ہو چکی تھی۔ اب داستانِ شہر نے شہزادی کا نصیبا ایک کوڑھی سے جوڑنے کا فیصلہ کیا مگر شہزادی انکاری تھی۔ شہزادی کیوں انکاری تھی؟ یہ جاننا اور سمجھنا شہرِ یاراں کی ذمہ داری نہیں تھی۔

✦✦✦

شام کی دہلیز پر اداسی پھر پچھی نے ڈیرہ ڈال ہی لیا تھا۔ گھر میں جا بجا بکھرے ٹوکرے اُن مہمانوں کی نشاندہی کر رہے تھے جو کل شام ماہ پارہ کا رشتہ لائے تھے۔

خالہ کو زمانے کا ہیر پھیر پھر اُسی در پر لے آیا تھا جہاں سے وہ ایکا بار جا چکی تھیں۔ مگر وقت ہر کسی کے کس بل نکال دیتا ہے، اب وہ بھی ٹھٹھوں پر تھیں۔

"رُباب مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی، ہیرا چھوڑ کر کوئلہ لے بیٹھی۔ وہ تو سال بھر بھی نہ رہ کی، بچہ بھی چھوڑ گئی۔ زائم کہتا ہے مجھے ماہ پارہ کی بددعا لے بیٹھی۔ اب دوبارہ وہ غلطی نہیں کروں گا۔ اب اگر گھر اور میری زندگی میں کوئی آئے گی تو بس ماہ پارہ۔" ہمیشہ سے اڑے خالہ کی باتیں سنتی رہیں وہ دوبارہ جواب لینے آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

ہفتے بعد وہ دوبارہ جواب کے واسطے آئیں تو اماں نے انھیں جواب دے دیا مگر انکار میں۔ جس نے سنا حیران تھا خاص کر کے آپی۔ اور زائم تو برداشت ہی نہ کر سکا، وہ سیدھا ماہ پارہ کے پاس پہنچا تھا۔

"تم نے انکار کر دیا؟" لہجے میں تحیر تھا۔

"ہاں کیوں کہ یہ میرا حق تھا۔" وہ پرسکون تھی۔

"مگر کیوں؟"

"کیوں کہ میں پانچ مرلے کے مکان میں رہنے والی کنال کی کوٹھی میں نہیں رہ پاؤں گی۔" زائم کی نظر جھک گئی۔

"تم بھول نہیں سکتی؟"

"میں تو کب کا بھول گئی مگر تمہیں تو یاد رکھنا چاہیے تھا۔" وہ ہنسی تھی۔

"طعنہ نہیں دے رہی، حقیقت بیان کر رہی ہوں۔"

"یا یوں کہوں کہ تمہاری آنکھوں پر اُس ثقیل کی محبت پٹی بندھی ہے۔ ہے کیا اُس کے پاس؟ میرے جتنی دولت ہے اُس کے پاس، کیا دے گا وہ تمہیں؟" زائم ایک بار پھر عود آیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے صاحبہ آپی نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ ثقیل ہی کیوں؟ اُن کو تو نہیں مگر میں تمہیں اس کی وجہ ضرور بتاؤں گی۔" وہ سانس لینے کو رکی

"تم نے جب مجھے چھوڑا تو صرف رشتہ نہیں توڑا تھا، محبت سے اعتبار بھی چھین لیا تھا۔ تمہیں اور صاحبہ آپی کو میں بہت غلط لگی ہوں ناں۔ مگر تمہیں سچ بتاؤں؟ وہ پوچھ رہی تھی اور وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا

"تم دونوں کو لگتا ہے کہ میں ایک عام لڑکی ہوں کوئی شہزادی نہیں، تو ضرورت اور مجبوری کا ساتھ مانگ لوں گی۔ میرا دل بھی ہے امیر لڑکے؟"

اور اب وہ کھل کر مسکرائی تھی

"اور دل تو بس محبت میں ہی دیے جاتے ہیں۔ لوگوں کو کیوں لگتا ہے جو محبت کھو دیتے ہیں انھیں ضرورت اور مجبوری کے ہاتھوں بک جانا چاہیے۔

جو محبت کرتے ہیں وہ محبت سے کم پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔"

لمحے بھر کو وہ پھر رکی تھی

"مگر ثقیل ------ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس کی محبت پر اعتبار کرنا میں نے بھی شروع کر دیا ہے کہ عزت کرنا تو مجھے بھی آتا ہے۔" وہ بات ختم کر چکی تھی۔ سنہری بت گویائی کھو چکا تھا وہ سنہری بت کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

✦✦✦

شہزادی دن رات اس مشکل سے نکلنے کا حل سوچتی مگر کچھ نہ سوجھتا۔ پھر ایک دن وہاں ایک جنگجو آ نکلا، شہزادی کو دیکھتے ہی اسے شہزادی سے محبت ہو گئی۔ شہسوار شہزادی کو اپنے گھوڑے پر بٹھا کر جنگلوں کے دیس لے گیا کہ شہزادی کی قسمت میں محبت کا ضرور لکھا تھا۔

کچھ وقت تو لگا شہزادی کو اپنا شہزادہ ماننے میں مگر کچھ وقت تو لگتا ہے ناں۔

کیوں کہ زندگی زندگی ہے، خواب نہیں

✦✦✦

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"سن لیا تم نے ابھی ببلو نے کیا کہا ہے۔ ٹماٹر کا بھاؤ بہت بڑھ گیا ہے۔" مہرالنساء نے ذرا بلند آواز میں شہرینہ کو مخاطب کیا تھا جو سر جھکائے رحیم کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی۔ ببلو اس کا نو سالہ بیٹا تھا جو ابھی محلے کے سبزی والے سے ٹماٹر خرید کر لایا تھا۔

"لو اب تو گرمیاں بھی گئی ہیں یہ پھر بھی بجلی کے بل کم ہوئے۔" مہرالنساء کے شہرینہ کو استری کرتے دیکھتا تو بجلی کے بل کا رونا رونے لگی۔

مہرالنساء وہ بری طرح چپ ہی گئی۔

اماں جان! یہ میرے نہیں آپ کے صاحبزادے کے کپڑے ہیں۔"

"ارے لو۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ اب کپڑے کسی کے بھی ہوں میں ایک بات کہہ رہی ہوں۔"

مہرالنساء کی یہ عادت تھی کہ وہ بات بہ بات اپنی اکلوتی بہو شہرینہ کو ٹوکتی رہتی تھیں۔ ان کی اپنی صاحبزادی رخسار بھی اپنی ماں کی اس بری عادت سے بے زار تھی لیکن شہرینہ کے سامنے وہ اظہار نہ کرتی تھی۔

رخسار کی اپنی ساس بے چاری تو جیسے اللہ میاں کی گائے تھیں جو کھلا دیا کھا لیا جو پہنے کو دیا پہن لیا۔ بس ہاتھ میں تسبیح پکڑے چہرے پر مسکراہٹ سجائے ایک کونے میں پڑی رہتی تھیں۔ حالانکہ اچھی بھلی تندرست تھیں۔ رخسار جو کام انہیں کرنے کو دیتی فوراً کرنے میں جت جاتیں اور ان کا ایک ہی راگ ہوتا "اگر تو میری بہو رخسار سنبھالتی ہے۔"

گھر کے کھانے کی تیاری میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ کھانا پکاتی تو رخسار بھی لیکن ساری سبزیاں بناتی اور دھوتی اس کی ساس تھیں۔

سالن کیسا پکا یہ بھی رخسار کا کمال تھا لیکن سارے مسالے تیار کرتیں اس کی ساس۔

گوشت دھونا بھی ان ہی کی ذمہ داری تھی، کمال پھر بھی رخسار بہو کا ہی تھا۔

☆☆☆

"بھابھی! آج کیا پکایا ہے؟"

رخسار نے باورچی خانے میں جھانکتے ہوئے شہرینہ سے پوچھا تھا۔

"کریلے قیمہ۔ تمہیں پسند ہے نا۔"

شہرینہ نے مسکرائے ہوئے سر سے ڈھکن ہٹاتے ہوئے اسے دکھایا تھا۔

"ہاں بھابھی! مجھے بہت پسند ہے۔ میں نے بھی پکایا تھا پر آپ والا مزا نہیں آیا تھا۔ دراصل امی اس وقت نہانے چلی گئی تھیں تو مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا نمک مرچ کا۔"

"بھئی رخسار! تمہاری ساس بہت اچھی ہیں۔"

"سچ ہے شہرینہ بھابھی! اگر دیکھا جائے تو بھائی نے مجھے اپنا سارا گھر سونپ دیا ہے لیکن پھر بھی بڑی ذمہ داری کے ساتھ میرا ہاتھ بٹاتی ہیں۔"

شہرینہ کا دل مسوس کر رہ گیا۔ مہرالنساء کا شکار رویہ شادی کے بعد سے آج دس برس بعد بھی جوں کا توں تھا۔

"خوش نصیب ہو تم رخسار، بڑی اچھی ساس ہیں تمہاری۔"

"اے۔ تو کیا میں بہت بری ہوں؟"

مہرالنساء نجانے کب پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی تھیں اور ان کے کان میں شہرینہ کا یہ جملہ پڑا تھا۔

"ارے نہیں امی جان! میں تو بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" شہرینہ چوری بن گئی اور رخسار ہنس دی۔

"امی جان! دراصل میں اور شہرینہ بھابھی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ بات تو میری ساس کی ہو رہی تھی یا آپ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں

تھا۔" رخسار نے بات بنانے کی کوشش کی تھی مگر مہرالنساء اپنی عادت سے مجبور تھیں۔

"جانے بھی دو رخسار! تم اپنی بھابھی کو ابھی ٹھیک نہیں پہچانی۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرتی ہے۔" رخسار سے برداشت نہ ہوا اور وہ بول پڑی۔

"یہ آپ کی غلط سوچ ہے امی! پہلے میں بھی ایسا ہی سمجھتی تھی لیکن اب بہو کی ذمہ داری نبھا رہی ہوں تو پتا چل رہا ہے کہ میں کدھر صحیح اور کدھر غلط ہوں۔" مہرالنساء کو اپنی بیٹی کی یہ باتیں ایک آنکھ نہ بھائیں۔

"لو جی سن لو! جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہوں گے ان کی شادی کو اور ماں کو سمجھانے چلی ہیں صاحبزادی۔" مہرالنساء بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ رخسار اپنی ماں کے رویے پر شرمسار تھی۔

"مہنگائی بہت ہو گئی ہے ناں بھابھی۔ اس لیے امی زیادہ غصہ کرنے لگی ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو رخسار! میرا بھی یہ ہی حال ہے۔ گھر کے خرچے، کام کاج، بچوں کی ذمہ داریاں۔ باورچی خانے کے کام۔ کوئی ایک ذمہ داری بھی چھوڑ نہیں سکتے۔ پھر امی تو گھر کی سربراہ ہیں۔ ظاہر ہے ان کے کندھوں پر بھی بوجھ تو ہے ناں۔"

شہرینہ نے حسب عادت بات سنبھالی اور رخسار کے چہرے پر شرمندگی سے سرخی چھا گئی۔

"بس بھی بھی میں بھی چڑچڑا جاتی ہوں۔ حالانکہ مجھے سوچنا چاہیے کہ ہر انسان زندگی کی تیز رفتار روڈ میں تھک جاتا ہے پھر ایسا تو ہوتا ہی ہے۔"

"شہرینہ بھابھی! آپ بہت اچھی ہیں۔ امی کی عادت ہی ایسی ہے لیکن جتنے اچھے طریقے سے آپ ان کی باتوں کو نظر انداز کرتی ہیں یہ آپ کا ہی حوصلہ ہے۔"

رخسار کی شادی کو ابھی دو سال ہی ہوئے تھے لیکن اسے مہرالنساء کے مقابلے میں بہت سی باتوں کی سمجھ جلد آ گئی تھی۔ شہرینہ کو بھی یقین تھا کہ مہرالنساء دل کی بری نہیں ہیں اور بس یہی ہی بات تھی کہ جس سے ان کی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔

"یہ ہی تو زندگی ہے رخسار۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ کبھی بھاگ دوڑ تو کبھی انسان سستانے کے لیے رک جاتا ہے۔ بس طبیعت کبھی بوجھل سی ہو جاتی ہے تھکن سی سوار ہو جاتی ہے اور یہ مجھے بہت ستاتا ہے۔ ٹینشن سی سوار ہو جاتی ہے۔ عجیب سا موڈ ہو جاتا ہے۔"

شہرینہ اب کرسی پر دھپ سے گر گئی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے اثرات صاف ظاہر تھے۔ رخسار یہ دیکھ کر کچھ اداس سے ہو گئی اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا اور جلدی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی کچھ دیر بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔

"ارے رخسار! یہ کیا ہے؟" شہرینہ نے رخسار سے پوچھا۔

"بھابھی! یہ ہے آپ کے اچھے موڈ کا علاج "ڈابر آملہ ہیئر آئل"۔ مجھے یہ میری ساس نے دیا تھا اب تب سے ہی میں اس کا استعمال کرتی ہوں۔"

"ڈابر آملہ ہیئر آئل۔ یہ تیل میرا موڈ اچھا کر سکتا ہے!" شہرینہ کو اچنبھا سا ہوا تھا۔

"شہرینہ بھابھی! "ڈابر آملہ ہیئر آئل" کی چمپی آپ کا برا موڈ اچھا کر دے گی آپ ایک دم فریش محسوس کریں گی۔ میں ابھی آپ کے سر پر اس تیل سے مالش کرتی ہوں۔"

رخسار نے شہرینہ کے سر پر چمپی شروع کر دی اور شہرینہ کی تھکی زدہ چہرے پر مسکراہٹ در آئی اور وہ بھی بے اختیار کہہ اٹھی۔

"چمپی کی تو موڈ اچھا ہوا کمال کا تیل ہے ڈابر آملہ۔"

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میرا دوسرا جانی کوئی

ام ہانیہ

"اماں! مان جانا دیکھ میں نے کون سی بڑی فرمائش کردی ہے جو تیرے بس میں نہیں۔ مین نے ایک چھوٹی سی ہی تو خواہش کی ہے پلیز مان جا۔" طاہرہ بیگم تسبیح کیے ہوئے بستر اٹھا کے صحن کے آخری کنارے میں بنے اسٹور کی طرف لے آئیں۔ عطیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

"عطو! میں کہہ رہی ہوں نہیں لینا سرخ رنگ تو نہیں لینا۔ تم یوں میرے پیچھے پڑنے سے میرا فیصلہ بدل نہیں سکتی۔" سارے بستروں کو نفاست سے سیٹ کر کے رکھتی اماں کے دوٹوک لہجے پہ اس کی بڑی بڑی کٹورا سی آنکھیں گدلے پانی سے بھرنے لگیں۔

"آخر آپ کو پورے خاندان کو اس سرخ رنگ سے کیا بیر ہے۔ کالج کے فنکشن میں اگر میں اپنی سہیلیوں کی طرح سرخ رنگ پہن لیں گی تو کیا قیامت آجائے گی بتائیں مجھے۔" آنسوؤں کے گولے کو اندر دھکیلتے ہوئے اس نے اماں کے سامنے تن کر نروٹھے انداز میں پوچھا۔ طاہرہ جو بستر رکھ کے فارغ ہو چکی تھیں اسے سامنے تنے دیکھ کے جھلا گئیں۔

"بٹورا ستے سے میں نے ناشتہ بنانا ہے اور وجہ تمہیں کتنی بار سمجھاؤں کہ ہمارے خاندان میں اچھا نہیں سمجھا جاتا غیر شادی شادی لڑکیوں کا سرخ رنگ پہننا۔ یہ بس سہاگنیں پہنتی ہیں۔ تم ابھی یہ رنگ پہن کے میری تربیت پہ ہنسنے کا موقع دینا چاہتی ہو لوگوں کو۔ برادری والے کیا کہیں گے کہ طاہرہ نے شہر آتے ہی بیٹیاں آزاد کر ڈالیں۔" طاہرہ اسے سمجھاتی ہوئی کچن میں آ گئیں۔ ساتھ ساتھ اسے ہزاروں بار سمجھایا گیا قاعدہ بھی ازبر کروانے لگیں۔

"اماں! آپ کے برادری والے تب کہاں تھے جب ابا ہمیں چھوڑ کے اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اور سرور بھائی اپنا بیاہ رچا کے ہم کو چھوڑ گئے تھے۔ تب تو کسی کو خیال نہیں آیا کہ چار بچوں کو آپ اکیلے کیسے سنبھال رہی ہیں کبھی پوچھا نہیں کہ ہم زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔ اور آپ ان کی باتوں میں دبلی ہوئی جا رہی ہیں۔" اس نے شیلف پہ چڑھ کے ٹانگیں جھلاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا تو فریج سے آٹا نکالتی طاہرہ کے ہاتھ میں کپکپاہٹ اتر آئی۔ انہوں نے خود پہ قابو پاتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا۔

"عطیہ! اگر بھر لبی تیری زبان سے نکلا کی نکلا ہو گئی ہے یہ نہیں سمجھتی کہ دنیا کی مثال اس مکھی جیسی ہے جو زخم دیکھتی ہے بس غلاظت تلاش کرتی ہے۔ وہ دلوں کی پاکیزگی اور اخلاق کی عمدگی نہیں بس انسان کا عیب دیکھتی ہے۔ میں بس اتنا ہی تو چاہتی ہوں کہ تم سنبھل کے قدم رکھو تاکہ کسی کو کچھ کہنے کا موقع نا ملے۔" پراٹھے بناتے ہوئے وہ افسردہ لہجے میں بولیں تو عطیہ سر جھکا گئی۔

"ویسے عطو! تمہیں تو اماں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ یہ ان ہی کی کوششوں کا ثمر کہ تمہاری سہیلیاں تمہارا خون آشام کپڑوں والا روپ

کام رکھو سمجھے تم۔ اگی آگ نا یہ ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔" اچھل کے شیلف سے اترتی عطیہ اسے شکوہ کناں نظروں سے تکتی اماں کی مدد کروانے لگی۔ طاہرہ بس مسکراتی رہیں۔

"سرمد! مت تنگ کرو بہن کو چلو باہر جا کے دیکھ۔ ہارٹ فیل نہیں کروا بیٹھیں ورنہ تو۔۔۔" کچن کے دروازے پر کھڑا کب سے ان کی باتیں سنتا سرمد اندر آتے ہوئے اس کے سانولے رنگ پہ چوٹ کرنے لگا۔

"تم بکواس بند کروا اپنی اور اپنے کام سے

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بیٹھو میں ناشتہ لاتی ہوں۔" پراٹھے بن چکے تھے وہ دو پراٹھے اور انڈے الگ الگ ٹرے باکس میں پیک کرتی سرمد کو گھر کہنے لگیں۔

"توبہ توبہ۔ آج کل تو بھلائی کا زمانہ ہی نہیں۔ اگر مجھ پہ یقین نہیں تو کسی دن سرخ لپ اسٹک لگا کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو جانا۔ یوں لگے گا جیسے خون لگا ہو۔ اس۔ اگر سوٹ بھی سرخ کلر کا پہن لو تو دل لوگوں کو ہارٹ اٹیک کا خطرہ تو ہو گا ہی نا۔" وہ ٹرے سے سیب نکال کے دانتوں سے کترتے ہوئے ہدایات دہرا کر ایک ہی جست میں کچن سے نکلتا چلا گیا۔ عطیہ نے پاس پڑا اخبار اسی کی طرف اچھالا تھا جو فضا میں تیرتا ہوا سیدھا کچن سے نکلتے سرمد کے کاندھے پہ لگ کر زمین بوس ہو گیا۔ جہاں سرمد ہائی وائی کرتا کچن سے نکلا وہیں آگ بگولہ ہوتی طاہرہ نے اسے خوب لتاڑ دیا۔

"بے حیا لڑکی پاگل ہو گئی ہو کیا۔ ایک تو پہلے ہی ہمیں چھوڑ کے چلا گیا۔ اب سرمد کا ہی آسرا ہے اسی کی آس پہ میں تم تینوں کے فرائض نبھا رہی ہوں۔ اور تم ہو کہ تمہیں ماں کی مجبوریوں کا بالکل احساس نہیں۔ ذرا سی ضد پہ تم بھائی کی جان کی دشمن ہو گئی ہو۔ کوئی حیا ہے تم میں کہ نہیں۔" زوردار آواز میں ڈانٹ کر بس بند کرتی طاہرہ نے اسے کھری کھری سنا ڈالی تھیں۔

"اماں! اگر ذرا سی ضد تو آپ مان کیوں نہیں لیتیں۔ آپا کی یونیورسٹی میں فنکشن ہے اور سب سہیلیوں نے ایک رنگ پہننے کا ارادہ کیا ہے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ پہننے دیں نا ایک رنگ ہی تو ہے۔" کچن میں ٹرے باکس لینے آئی حبیبہ نے زمین بوس ہوئے چمچے کو اٹھا کر عطیہ کے حوالے کیا اور مدبرانہ انداز میں طاہرہ بیگم سے کہنے لگی۔ جہاں طاہرہ میٹرک کی طالبہ اپنی کھلی ڈھلی باتیں سن کے ششدر رہ گئی وہیں عطیہ نے چھوٹی بہن کی بلائیں لیں تھیں۔

"تم چپ رہو۔ میں دیکھ رہی ہوں چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں۔ چلو یہ پکڑو اپنا اور ماریہ کا لنچ اور جاؤ اسکول۔ دو پھونکا۔ اسکول بس بس دودھ پی کر جاتی تھیں اس لیے حبیبہ لنچ پکڑتی باہر چلی گئی۔ حبیبہ اور ماریہ کے جاتے ہی ان تینوں نے ناشتہ کیا اور وہ سرمد کے لیے یونیورسٹی آ گئی۔ وہ اسے کالج چھوڑتا ہوا اپنی جاب پہ چلا گیا۔

+++

وہ لوگ گاؤں سے شہر کیا شفٹ ہوئے ان کے پیچھے رفتہ رفتہ سب رشتے دار شہر شفٹ ہو گئے۔ فیاض صاحب کو ایک کمپنی میں کلرک کی جاب مل گئی زندگی اچھی نہیں تو بس سادہ سی گزرنے ہی لگی تھی۔ ان کی پانچ اولادیں تھیں۔ سب سے بڑے سرور تھے جنہیں اعلیٰ تعلیم دلوانے کے چکر میں وہ دو دو نوکریاں کرتے تھے کہ اس کی پڑھائی کا خرچ اٹھا سکیں۔ خیال یہ ہی تھا کہ بیٹا سیٹ ہو جائے گا تو ان کا بازو بنے گا۔ مگر قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے بعض دفعہ وہ ان کے گمان سے بالکل باہر ہوتا ہے۔ سرور فیاض کو جیسے ہی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ملی سب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی ان کا ہونہار قابل بیٹا جلد سیٹھ حشمت کو اپنی اکلوتی بیٹی فارینہ کے لیے بھا گیا۔ اور فارینہ جیسی طرح دار لڑکی کے لیے سرور انہیں چھوڑ کے اپنے سسر کا کئی ملکوں میں پھیلا بزنس سنبھالنے لگے۔ اسی دن بھی وہ ان لوگوں کو اپنی زندگی سے خارج کر بیٹھے تھے۔ فارینہ بس ایک ہی لگن تھی حشمت صاحب کے کاروبار کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دینی ہے۔ ان کا طیبہ کیا بدلا تھا

ان کے دل و دماغ بدل گئے۔ اب انہیں ایک کلرک کو اپنے باپ کی حیثیت سے متعارف کروانا قابل ندامت لگتا تھا۔ اس لیے حشمت صاحب کے سرکل میں یہ ہی مشہور تھا کہ سرور کے ماں باپ لندن میں سیٹلڈ ہیں۔

یہ صدمہ فیاض صاحب سہہ ہی نہیں پا رہے تھے۔ جس ننھے پودے کو انہوں نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔ جس کی مہنگی پڑھائیوں کی نظر ان کی سب بڑی کمیٹیاں ہوئی تھیں۔ جس بیٹے کو وہ اپنی بچوں کے حصے کے نوالے بھی کھلاتے رہے وہ انہیں تنہا کر دے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

سرور سے چھوٹا سرمد ابھی میٹرک میں اور اس سے ایک سال چھوٹی عطیہ نویں کلاس میں تھی۔ جبکہ ماریہ اور حبیبہ بالترتیب آٹھویں اور دوسری کلاس کی طالبہ تھیں۔ جب روڈ ایکسیڈنٹ میں فیاض صاحب چل بسے۔ پھر طاہرہ خاتون نے کیسے ان سب بہن بھائیوں کو کپڑے سی سی کر پڑھایا۔ کیسے یہ لوگ کم پیسے پہ بھی ٹیوشن پکڑتے رہے یہ الگ موضوع تھا۔ بہرحال دکھ کے دن کٹ گئے تھے۔ اب سرمد کمانے لگا تھا۔ اس نے بصد اسرار ان سے سلائی کا کام چھوڑنے کو کہا تھا طاہرہ جیسے خود اس مشقت سے تھک سی گئیں تھیں اسی دنوں عطیہ نے ایم اے انگلش میں ایڈمیشن لیا۔ طاہرہ جوش و خروش سے اس کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن لوگ اس کی دبتی ہوئی رنگت کی وجہ سے اسے مسترد کر جاتے۔ اس دن بھی وہ صحن میں چارپائی پہ بیٹھی اس کے جہیز میں رکھنے کے لیے لائے گئے خوبصورت سے ستارے لگا رہی تھیں۔ کچن میں برتن دھوتی وہ کئی بار اس سرخ دوپٹے کو دیکھ چکی تھی۔ تصور ہی تصور میں اوڑھ کر سارے صحن میں گھوم بھی چکی

ی۔ یہ اور رنگ تھا جو اس کی دسترس میں ہوتے ہوئے بھی اس کے دل کی حسرت سا بن گیا تھا۔ طاہرہ کام میں مگن تھیں۔ عطیہ برتن دھو کے اندر جا چکی تھی جب طاہرہ کے پاس بیٹھتے سرمد نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنی کلاس فیلو کا بتایا۔

"تو تم بھی اپنے بھائی کے نقش قدم پہ چلنا چاہتے ہو؟ تمہارا رشتہ لے جاؤں۔ تمہیں شادی کے لائق ہوتی بہن نظر نہیں آتی؟۔ اس کے لیے کوشش کرنے کی بجائے تمہیں اپنی پڑی ہے۔" طاہرہ کے لہجے میں بلا کا اشتعال تھا جو سرمد کے اندر تک اکتاہٹ بھر گیا۔

"اب عطو کی شادی نہیں ہوتی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ کہیں لکھ کے رکھ لیں عطیہ کی شادی کبھی نہیں ہو گی۔ لوگ اس کی سیاہ رنگت دیکھتے ہی بھاگ جاتے ہیں کون کرے گا اس سے شادی۔" سرمد کا لہجہ یکلخت سفاکیت کی ساری حدود پار کر گیا۔ ان کے ہاتھ میں تھاما سرخ رنگ کا مہین دوپٹہ چھوٹ کر ان کے بری طرح لرزتے ہاتھوں سے پھسلا تھا۔

"تیرے منہ میں خاک سرمد! کیوں بری بھلی بولتا ہے بہن کے بارے میں۔ اک رنگت ہی کم ہے نا اس کی تو کوئی عیب نہیں۔ بس یہ طے ہے کوشش کر اس کی کہیں بات طے ہو تو میں طوبیٰ کے گھر تمہارا رشتہ لے جاؤں گی۔" طاہرہ نے درشتی سے کہا تو سرمد کو تشویش نے گھیر لیا۔

"اماں! تو کیا چاہتی ہے میں اس کلوٹی کے لیے کوشش کرتا رہوں اور طوبیٰ کے ماں باپ اسکی شادی کہیں اور کر دیں۔ اتنا پاگل سمجھا ہے مجھے اس سے اچھا نہیں کہ میں اس عطو کا گلا ہی دبا دوں۔" سرمد نے تلملا کر کہا تو طاہرہ کی سانس سینے میں اٹکنے لگیں۔ سرمد کا رویہ شروع سے بہنوں کے لیے ہتک آمیز تھا مگر اس کے اندر اتنا

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

زہر بھرا تھا وہ سن کے دم بخود رہ گئیں۔ سرمد کو ایک لمحے میں شرمساری کے گہرے احساس نے گھیرا تھا۔ وہ بھاگ کے اندر سے انہیلر لے آیا جسے لیتے ہی طاہرہ بیگم کی سانس کچھ بحال ہوئی تھی۔

"اماں! تو کیوں فکر کرتی ہے میں ہوں نا۔ میں اپنی بہن کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ بلکہ میں ہی کیوں میں اور طوبیٰ مل کے علیزہ کے لیے اچھا سا رشتہ ڈھونڈیں گے۔ ابھی تو طوبیٰ کے گھر والوں سے بات کرو وہ تو تلے بیٹھے ہیں اس کا۔ کہیں اور رشتہ کرنے کا۔" سرمد نے سرخ دوپٹہ گول کر کے چارپائی کی پائنتی کی طرف پھینکتے ہوئے بہن کے لیے مصنوعی التفات ظاہر کیا تو طاہرہ کے اندر خاموشی ہرائیت کرنے لگی۔

پھر وہ جا کے سرمد کا رشتہ بھی ڈال آئیں ایک ماہ کے مختصر عرصے میں سرمد کی شادی بھی ہو گئی۔ طوبیٰ ویسی ہی تھی جیسی یونیورسٹی کی آزاد خیال لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اسے بس اپنی خوشی سے مطلب تھا۔ بوڑھی ساس تین نندیں اس کی نظر میں کچھ نہیں تھیں۔ وہ فارینہ کی طرح ان کے بیٹے کو ان سے چھین کے نہیں لے کر گئی تھی اور اس احسان کو بار بار ان پہ جتا چکی تھی۔ وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ سب کاموں کی ذمہ داری ان ماں بیٹیوں پہ تھی۔ اس پہ بھی وہ ہر کام میں ہزار نقص نکالتی باتوں باتوں میں ان تینوں بہنوں کو ذلیل کرتی سرمد خاموش تماشائی بن جاتا طوبیٰ حق سمجھ کے ان ماں بیٹیوں سے خدمت کرواتی۔ شاید وہ انہیں اس صورت احسان چکانے کا موقع دیتی تھی۔ سال بھر میں ہی طوبیٰ کی گود میں سارہ آ گئی۔ سرمد نے گھر خرچہ دینے بالکل بند کر دیا تھا۔ یہ صورتحال طاہرہ خاتون کے لیے بالکل ناقابل برداشت تھی اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر سرمد کو الگ کر دیا۔

اب طاہرہ خاتون کے پاس چپ چاپ دوبارہ سلائی سنبھالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور اس سے پہلے وہ پھر سے مشین کے ساتھ مشین بنتیں ان کی سانسیں الجھیں کہ تھم کر رہ گئیں۔ وہ تینوں آئی سی یو کے ٹھنڈے فرش پہ ہلکی رہ گئیں۔ وقت نے اتنی بے رحمی سے انہیں یتیمی کے گڑھے میں گرایا تھا کہ وہ تینوں اپنے کے اس وار پہ انگشت بدنداں رہ گئی تھیں۔

+++

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ مجھ سے پوچھے بنا کھانا چوری کر رہی تھیں۔ تمہاری ماں نے یہ تمیز نہیں سکھائی کہ کسی کی چیزیں چھیڑنے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے۔ تین کمروں اور ایک دیے جیسے اسٹور پہ مبنی یہ چھوٹا سا گھر جب الگ ہوا تو طے یہ ہوا تھا کہ اسٹور کو صاف کر کے وہاں طاہرہ بیگم اپنا کچن بنائیں گی۔ یہ طاہرہ کے قتل کے دوسرے دن کی بات ہے جب ماریہ کے بھوک بھوک چلانے پہ وہ اٹھ کے کچن میں آئی تھی۔ شام ڈھلنے والی تھی وہ دن بھر سے بھوکی تھیں۔ انہیں کھانے کا ہوش ہی کب تھا بھوک اچھے اچھوں کو ہوش کی دنیا میں لا کھڑا کرتی ہے ماریہ تو پھر تیرہ سال کی بچی تھی۔ وہ کچن میں آ کر جیسے ہی کھانا نکالنے لگی ذرا سی کھٹ پٹ پہ بھاگتی ہوئی طوبیٰ کچن میں آ گئی۔ علیزہ کے ہاتھ میں تھما ہنڈیا کا ڈھکن اس کے کپکپاتے ہاتھوں سے پھسلتے پھسلتے بچا تھا۔

"مجھے بھوک لگی تھی میں کھانا نکالنے آئی تھی۔ تم فوراً جاؤ ہم جلد اپنا کچن سیٹ کر لیں گے۔ اماں تا جائیں گی تو ہمیں آئی ہی نا۔" وضاحت دیتے ہوئے اس کا لہجہ ملتجی ہوا تھا۔

"ہاں تو میں نے تمہاری بھوک کا ٹھیکا اٹھا

رکھا ہے۔ اپنا کچن سیٹ کرو اور خود بنا کے کھاؤ۔" دونوں ہاتھ کمر پہ جمائے کہتی طوبیٰ کے لہجے میں انسانیت مفقود تھی۔

"سرمد کی کمائی پہ ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ہے۔ تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ وہ ہمارا بھائی ہے۔" اس نے سب ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے مدلل انداز میں کہا تو طوبیٰ کے چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ سمٹ آئی۔

"اور تم یہ کیوں بھول گئی ہو کہ تم لوگ ہمیں بے دخل کر چکی ہو۔ تب تو بڑا طنطنہ دکھا رہی تھیں تم لوگ نے اگر اپنا خرچ خود ہی اٹھانا ہے تو ہم الگ ہی بھلے اب کس حق سے میرے کچن میں گھسی ہو چلو نکلو یہاں سے۔" طوبیٰ نے اس کا بازو پکڑ کے اسے باہر نکالنا چاہا تو وہ جو کب سے ضبط سے کام لینے کی کوشش کر رہی تھی یکلخت جھلا کر بولی تھی۔

"تم مجھے کس حق سے اس کچن سے نکال رہی ہو۔ یہ گھر تم جہیز میں نہیں لے کر آئی تھی۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے اور میں اپنے بھائی کی کمائی کا رزق لے جانا چاہتی ہوں تم کون ہوتی ہو روکنے والی۔ سرمد آئے گا تو میں اسے سب بتاؤں گی۔" اس نے تنک کر کہتے ہوئے ماریہ کو تھام کر دھونکنی کی مانند چلتی سانس کو بحال کرنا چاہا تھا۔ غصے سے کانپتا وجود اس کے اندرونی خلفشار کا گواہ تھا۔

"مر گیا ہے باپ جس کا یہ گھر تھا اب یہ گھر میرا ہے۔ اور اگر تمہیں کسی کی تم مجھے روکنے دے رہی ہو وہ میری ہر بات نہیں تم بات کر کے دیکھنا چاہو تو کوشش کر دیکھنا اب نکلو یہاں سے۔" طوبیٰ جو اس کی جرات پہ دنگ تھی تمسخرانہ انداز میں بہتی اسے کچن سے باہر دھکیل کر بنائے گئے کچن پلاؤ اور کڑاہی کو فریج میں رکھ کر لاک لگانے لگی۔ ایسا ہی ایک لاک اس نے کچن کے اس کیبنٹ کو بھی لگایا تھا جس میں گھر کا سودا تھا۔ وہ اب گھر کے اندر بھی کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا ہوا آپا! یوں منہ لٹکا کے کیوں آ گئی ہو۔" وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی۔ بستر پہ لیٹی ماریہ نے نحیف و نزار لہجے میں پوچھا تو وہ من و عن ساری کتھا ان کے گوش گزار کر گئی۔

"ہم نے آپ کو وہاں کھانا لانے کے لیے بھیجا تھا لڑنے نہیں بھیجا تھا۔ وہ ہم سے بڑی ہیں بھی ہیں ہماری اگر کچھ کہہ دیں تو ہمیں دو بدو ہونے کی بجائے مصلحت سے کام لینا چاہیے۔ لیکن آپ کو اپنے غصے سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہم بھی نہیں۔" حبیبہ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کے ماری کو گلے لگایا تھا۔ اپنے بستر پہ سن سی بیٹھی علیزہ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔

"حبیبہ آپی! بہت بھوک لگی ہے اب کیا کریں گے ہم۔ میں تو مرنے والی ہو گئی ہوں۔" ماریہ اشکبار نظروں سے حبیبہ کو دیکھتی بولنے لگی۔

"میں ہوں نا تمہارے ساتھ فکر کیوں کرتی ہو۔ بھائی بھی آ گئے ہوں گے ابھی چل کے بات کرتے ہیں۔ معافی بھی مانگ لیں گے اور کھانا بھی لے آئیں گے۔" حبیبہ اسے پچکارتی ہوئے ساتھ لگائے کمرے سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں بریانی کی پلیٹ تھی۔ جس سے اٹھتی اشتہا انگیز خوشبو اس کی بل کھاتی آنتوں کی آزمائش بن گئی تھی۔ اسے کسی نے جھوٹے منہ بھی نا پوچھا۔ وہ ساری رات اپنے نصیب پہ سسکتی رہی۔

+++

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

دوسرے دن اس نے امی کا پرس دیکھا تو اس میں دو ہزار روپے تھے۔ شاید کسی مشکل وقت کے لیے سنبھال رکھے تھے۔ کچھ مطمئن ہوئی وہ چادر اوڑھ کر حسبِ بازار آ گئی۔ ڈبل روٹی جام اور دودھ کا پیکٹ خرید کے گھر آتے ہی بہنوں کو جگایا اور ان کے تیار ہونے تک جام سلائسز پہ لگا کے دو پلیٹوں میں دودھ انڈیلا اور ان کے سامنے رکھ دیا جس پہ جیبہ نے رات والے رویے پہ ندامت کا اظہار کرتے کہا۔

"کوئی بات نہیں حبیبہ! زندگی جب آزمائش لینے پہ اتر آئی ہے نا تو اپنا سایہ بھی اپنا نہیں رہتا تم تو پھر تم ہو چھوٹی نا سمجھ سی بچی۔" اس کے لہجے میں اتری یاسیت حبیبہ کو اپنے دل میں محسوس ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ دونوں اسے خدا حافظ کہتی اسکول چل دیں۔

وہ بھی دل صاف کرتی اٹھ کے اسٹور میں آ گئی۔ دروازہ کھولتے ہی زمانے بھر کی دھول نے استقبال کیا۔ اسٹور میں ایک جانب پیٹیاں پڑی تھیں جبکہ فرش پہ بے ترتیبی سے رکھے صندوق اور فالتو کپڑوں کی گٹھڑیاں اس طرح دھری تھیں کہ اسٹور آدھے سے زیادہ اسی سامان سے گھرا ہوا تھا۔ کچھ کباڑ بھی تھا جو باقی آدھے اسٹور کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس نے سب سے پہلے گلی سے گزرتے محلے کے بچے کو بلا کر اس کی مدد سے کاٹھ کباڑ محلے میں ہی موجود کباڑیے کی دکان تک پہنچایا۔ مہینوں سے پڑا کاٹھ کباڑ کے ہی اسے پانچ سو روپے مل گئے۔ اس نے راستے میں گوشت اور چاول اور پیاز وغیرہ معمولی مقدار میں لیے اور گھر آ گئی۔ پھر اسٹور میں آ گئی۔ بھاری صندوق پیٹیوں کے اوپر چڑھاتے اور اس پہ گٹھڑیاں جماتے اسے دو گھنٹے لگے۔ پھر اس نے کمر پہ دوپٹہ باندھا اور صفائی میں جت گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ چھوٹا سا اسٹور چمکا لیا۔

وہاں گیس کا کام کرتے اسے دوپہر ہو گئی تھی۔ پھر اس نے جلدی سے ہاتھ چلاتے ہوئے تھوڑی سی بریانی بنالی۔ ماریہ اور حبیبہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئیں اس کے ہاتھ میں پلیٹ دیکھ کے ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"ارے آپی! اتنے مزے کی بریانی کہاں سے آئی۔" حبیبہ نے جیسے ہی چمچ بھر کر منہ میں ڈالنا چاہا اس نے راستے سے ہی جھپٹ لیا۔ حبیبہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔

"میں تو اپنے غصے سے زیادہ کسی کو عزیز سمجھتی نہیں نا پھر میری پلیٹ سے کھانا کیوں کھا رہی ہو۔ جاؤ نا اپنی پیاری بھابھی کے پاؤں پکڑ کے کھانا مانگ لو۔" عطیہ نے نروٹھے انداز میں کہتے ہوئے امڈتے آنسوؤں کو روکا تھا۔ بلاشبہ حبیبہ کے یہ الفاظ اس کے دل کو داغ چکے تھے۔ حبیبہ نے بے بسی کے گہرے احساس سے مغلوب ہو کر ماریہ کو دیکھا۔

"ہاتھ پھیلانا بہت آسان نہیں ہوتا آپی اور میں اسی دن یہ بات جان گئی تھی میں نے تو یہ بھی کر لی تھی۔ اب تو معاف کر دو بلکہ مت کرو معاف میں خود جا کے ہنڈیا سے اپنے حصے کی پلیٹ نکال لیتی ہوں۔" اس کے گلے میں بازو ڈال کے منائی حبیبہ نے یکلخت شرارت سے کہا تو جہاں ماریہ مسکرا دی وہیں عطیہ جلدی سے بولی۔

"میں نے تو بس اپنے لیے بنائے ہیں۔ اب تمہیں کہاں سے دوں؟" زیر لب دبی شریر مسکراہٹ اس کے جھوٹ کی چغلی کھا رہی تھی۔

"ہماری آپی! ہمارے بنا کھا ہی نہیں سکتی یہ تو بات پکی ہے۔ اور حبیبہ آپی کو معاف کر دیں

شگفتہ شگفتہ رواں دواں
اردو کی آخری کتاب
طنز و مزاح

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی
محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ
اردو بازار لاہور

پلیز" ماریہ نے اس کے گلے میں بازو ڈال کے کہا تو وہ دونوں اپنیوں کو گلے لگاتی لاڈ سے کھلکھلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

کھانا کھاتی ہنستی مسکراتی تینوں بہنوں کو دیکھ کے طوبیٰ کے دل پہ جیسے سانپ لوٹے تھے۔

ہاشتہ کرتے ہی اس نے سلائی مشین سنبھال لی۔ سرمد اور طوبیٰ جو سمجھ رہے تھے کہ اب وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں پہ ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی۔ عطیہ کو حیرت سے بہنوں کا کھیل بنتے دیکھتے رہ گئے۔ اس نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا۔ حبیبہ نے کالج میں داخلہ لیتے ہی کچھ ٹیوشنز پکڑ لیں۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ مگر طوبیٰ اپنی عادت سے مجبور تھی۔ چھوٹی بڑی بات کو جواز بنا کر ان سے لڑنا اور سرمد سے الگ گھر کا مطالبہ کرنا اس کا معمول تھا۔ عطیہ غلطی نا ہونے پہ بھی معافی مانگ لیتی تھی۔ کہ بہر حال سرمد کا اس گھر میں رہنا ان کے تحفظ کی ضمانت تھی۔ وہ چاہے ان پہ ایک پائی نا خرچ کرتا طوبیٰ چاہے ان سے بنا کسی قصور کے معافی منگواتی مگر وہ ان کا بھائی تھا اس کے ہونے سے ان کی حفاظت تھی۔

[illegible] گویا پر لگا کے اڑا تھا۔ حبیبہ گریجویشن کر چکی تھی جب اس کا ایک بہت اچھی جگہ رشتہ طے ہو گیا۔ سرمد کو اللہ نے سارہ کے بعد اسرا اور حیات کی صورت رحمت اور نعمت دونوں سے نوازا۔ سارا تو اب پندرہ سال کی ہو رہی تھی۔ حبیبہ کی منگنی میں ہی راحس کے گھر والوں نے ماریہ کا ہاتھ مانگا تو ہاں کروا کے ہی ٹلے۔ اس نے دونوں بہنوں کا اکٹھے فرض نبھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے پیٹی میں جمع اپنا سارا جہیز دونوں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

بہنوں میں برابر بانٹ کر انہیں رخصت کر دیا۔ وہ سارے جگمگاتے جوڑے جنہیں پہننے کی کبھی اس نے خواہش کی تھی۔ جگر جگر کرتے سرخ کاسنی اور سبز جوڑے جیسے اس کے لیے کبھی بنے ہی نہیں تھے۔

اس دن الماری کی صفائی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ وہ سرخ دوپٹہ لگا جس پہ مرنے سے کچھ دن پہلے طاہرہ ستارے ٹانک رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں یکایک گہرے پانیوں سے بھری تھیں۔ اس نے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس کے ساتھ کا کرتہ شلوار بھی ڈھونڈ لیا۔ بڑے دل سے اسے پریس کر کے اپنی الماری میں ٹانگ لیا۔ دوسرا اہم کام اس نے یہ کیا کہ خالہ سلمیٰ کو بلوا بھیجا۔ جنہوں نے اس کی بات سن کے اسے خوب تسلی دی تھی۔ وہ آس کے دیپ جلائے دن گننے لگی۔ ”جو سہاگنیں ہوتی ہیں وہ تو سرخ رنگ پہن سکتی ہیں نا اماں!۔۔۔“ سرگوشی کے انداز میں وہ اپنی ماں کے تصور سے مخاطب تھی۔

✦✦✦

”تمہیں پتا ہے آج گھر میں کون آیا تھا۔ سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔“ سرمد آفس سے تھکا ہارا آیا تھا جوتے اتارے بنا بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔ پاس ہی دھلے ہوئے کپڑے طے کرتی طوبیٰ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے ہوئے بولی تو سرمد جو ریموٹ ہاتھ میں لیے ٹی وی آن کرنے لگا تھا ریموٹ رکھتے ہوئے چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ باہر سے گزرتی عطیہ کے قدم بھی ناچاہتے ہوئے تھمے تھے۔

”تمہیں پتا ہے میں تھکا ہوا ہوں۔ کیوں تجسس پھیلا رہی ہو وہ بات بتاؤ جو تمہارے پیٹ میں مڑوڑ بن کے اٹھ رہی ہے۔“ طوبیٰ کی عادت سے بخوبی واقف سرمد جھلا کر بولا

”رشتے کروانے والی خالہ آئی تھی آج۔ عطیہ نے بلایا تھا انہیں۔“ وہ لہجے میں پراسراریت سموئے یوں بول رہی تھی جیسے بہت بڑا دھماکہ کرنے والی ہو۔

”کیوں انہیں کیوں بلایا ابھی تو ہماری سارہ صرف پندرہ برس کی ہے اور پڑھ رہی ہے ابھی۔ ابھی تو میں ہرگز اس کی شادی نہیں کروں گا۔“ دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے سرمد نے اپنے تئیں سمجھتے ہوئے برملا انکار کیا تھا۔

”ارے بھولے بادشاہ! تمہیں کس نے کہہ دیا کہ تمہاری بہن کو تمہاری بیٹی کی فکر پڑی ہوئی ہے؟۔ سارا کے لیے نہیں اس نے اپنے لیے بلوایا رشتے والی کو۔“ طنزیہ لہجے میں کہتی طوبیٰ کے انداز میں عطیہ کے لیے اتنی تضحیک تھی کہ باہر کھڑی عطیہ سن رہ گئی۔

”کیا کہہ رہے ہے؟۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئیں۔ عطیہ اب اس عمر میں شادی کر کے کیا کرے گی۔ اور سب سے بڑی بات اس کالی بھجنگ کو پسند کرے گا بھی تو کون وہ بھی اس عمر میں۔ اسے تو لوگ تب پسند نہیں کرتے تھے جب اس کی شادی کی عمر تھی۔ ایک دفعہ پتا کیا ہوا۔“ بے ہنگم قہقہے لگاتے ہوئے سرمد اب طوبیٰ کو یہ بتا رہا تھا کہ کیسے لوگ اس کی سیاہ رنگت کی وجہ سے انکار کر جاتے تھے۔

باہر کھڑی عطیہ کے سیاہ پاؤں بری طرح لرزے تھے اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہو جاتی خود کو سنبھال کر کمرے میں آ گئی۔ اس نے اللہ جانے کیسی قسمت پائی تھی۔ ساری عمر جن بہنوں کے لیے دل دکھی۔ جس بھائی کے سایہ شفقت میں رہنے کے لیے وہ اپنی انا تک کو ختم کر گئی۔ وہ ہی لوگ آج تک اس کی خامی کو کسی جوتے کی طرح اچھال اچھال کے اس کے سر پہ

مارتے رہے۔ وہ جو ان کی زیادتیاں یہ سوچ کے بھول جاتی تھی کہ اپنے تو پھر اپنے ہوتے ہیں۔ وہ اس کی ایک شامی بھلانے کا ظرف نہیں رکھتے تھے۔

اس کا دل یکا یک مایوسی کے گرداب میں دھنسا تھا۔ سرمد ٹھیک کہتا تھا بھلا اس سیاہ رو کے نصیب میں کبھی خوشیاں آ بھی کیسے سکتی ہیں کافی دیر رونے کے بعد وہ میکانکی انداز میں اٹھی اور سامنے رکھی واڈروب کی طرف بڑھی جس کے ہینگر پہ ٹنگا ہوا سرخ سوٹ نہا کے زیب تن کیا اور شیشے کے آگے بیٹھ گئی۔ لیکن یہ کیا جو لمحہ اس کے دل میں کیک بن کے ٹھہر گیا تھا وہ اس کے وجود سے لپٹا اس کا فیورٹ سرخ رنگ جانے کیوں اس کی حسرت کو سکون نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے دل میں کسی خوشی کے احساس کو محسوس کرنا چاہا مگر وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اس نے جنون کے عالم میں سوٹ سے میچنگ ہیل والا جوتا نکال کے پہنا۔ پھر بھی تشفی نا ہوئی تو میچنگ جیولری بھی چڑھا لی۔ لیکن خوشی تھی کہ اس کے دل کا راستہ ہی بھول گئی تھی۔ تب ہی باہر سے گزرتی طوبیٰ بڑبڑائی تھی۔ ”اونہوں بڈھی گھوڑی لال لگام۔“

اس نے شیشے میں دیکھا سانولی رنگت مگر کشش نقوش کی مالک عورت سر میں اکا دکا سفید بالوں کے باوجود قابل توجہ نہیں لگ رہی تھی۔ تب اس پہ یہ راز کھلا تھا کہ بھید بھرے میں سامنے والے کے عیب نظر نہیں آتے ایسے نظر بھی مقابل کی بس خامیاں نظر آتی ہیں وہاں نہیں۔ اور وہ تو اتنی حرماں نصیب تھی کہ دنیا کی نفرت کا ہی نہیں اسے اپنوں کی نفرت کا بھی سامنا تھا۔

اس کے ذہن کے پردے پہ اس آیت کا ترجمہ چلنے لگے جس میں اللہ بزرگ و برتر نے بارہا قسم اٹھا کر یہ بتایا تھا کہ اس نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ کوئی خامی دی بھی تو اس کے بدلے میں کئی صلاحیتوں سے نوازا۔ آج اڑتیس سال کی عمر میں وہ اسی مقام پر کھڑی تھی کہ اس کا دل ریزہ ریزہ تھا۔ سیدھا دریا تھا جہاں اگر وہ ہمت ہار کے اپنی نبض کاٹ لیتی خود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام طعنوں طنزوں سے بچا جاتی۔ یا ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے بقا کی جنگ لڑتی اور یہ دیکھتی کہ اللہ نے تاحیات مصائب میں گزری قید بامشقت کا کیا اجر رکھا ہے۔ تب اس کے رب نے بہت پیار سے صبر کا امرت اس کے دل میں انڈیلا تھا۔ سیاہ پڑتی رات میں سب سے زیادہ روشن ستارہ امید کا ہی تو تھا جو مایوس دلوں کو زندگی کی طرف راغب کرتا تھا۔ رات کی اوک میں سجے چاند نے سرخ ستارے جڑے دوپٹے کے ہالے میں سمٹے اس کے چہرے کو مسکراتے دیکھا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب مایوسی کے دن ختم ہونے کے قریب ہیں اور روشن راستے منتظر۔

✦✦✦

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تبصرے

2: اس سال میری سالگرہ پہ ملنے والا خوبصورت سا میسج میرے شوہر کی طرف سے تھا کیونکہ وہ جاب پر تھے تو انہوں نے میسج کے ذریعے ہی مجھے وش کیا اور ان کے خوبصورت پیغام اور یاد رہ جانے والی وش کو میں حرف بہ حرف یہاں تحریر کر رہی ہوں:۔

Happy Birthday to my lovely wife and the mother of Muhammad Zadfaar, You make me happy and proud of the things we built together!..

InnShaAllah Every year, you become wiser and more sweet and beautiful!

As you turn another page in the chapter of your life, never forget I feel so blessed to have you my Sweetie Cutie Pie.

An amazing wife, mom, and homemaker deserves a beautiful wonderful gifts, When IA will be homie and a lot more.

You are my wife, a great mom, and the owner of my heart. I have loved you from the very start.

Happy birthday to the one year more to my beautiful Wife.

3: میرے دل کے بے حد قریب اک چھوٹی سی خواہش

دل چاہتا ہے کہ آوارہ دن گزارو
پیروں پر رکھو میں لحاظ
ایک دھمک سے اڑا دوں
ہاتھ اٹھاؤں فضا میں
انگلیاں اٹھانے والوں کی
اصلیت دکھا دوں
نہ کوئی منصب ہو
نہ کوئی یاری ہو
نہ کوئی مروت ہو
نہ بردباری ہو
میں بچپن کی طرح
چوبیس گھنٹے میں چوبیس سال بتاؤں
وہاں بیٹھ کے تو پیر تھرکیں
میں اپنی زلفوں کے جھٹکنے سے
مشقتوں کا صدقہ اتاروں
روٹھی ہوئی بے فکری کے گھنگھرو
گلے میں باندھوں
اسی سے اپنا آپ سجاؤں
مٹکتی گلیوں میں بے باک گھوموں
کبھی کسی کھڑکی میں چھپوں
کبھی کسی دروازے پر دستک دوں
جو گاڑی دیر سے کھڑی ہو
اس کے پیچھے چھپ جاؤں
کسی سکول سے نکلو تیز تیز
آئسکریم کو چاٹتی ہوئی جاؤں
جھولوں دوپٹے میں بیس چکر دے
ایسے بھولے کہ منجھ جاؤں
عمر میں چھوٹی ہوں
تو میری نا سمجھی آڑے نہ
یہ جو کاندھے پر بوجھ ہیں

ان سے کہا طے ہے جان چھڑواؤں
گول گول دائرے میں رنگ اڑاؤں
میں پھر سے مست ہوا ہو جاؤں
پیدل چلوں، بے سہارا گزاروں
اک دن آوارہ گزاروں
اک دن آوارہ گزاروں۔

4- میرے خیال کی پرواز میں حرف و معنی سے کچھ ایسے لفظ چنتی ہے جو یہیں کہیں آس پاس ہمارے حقیقی حالات سے منسوب ہوتے ہیں۔ محمد ضدفار کی آمد کے بعد سے میرے شب و روز، میرے حالات، میری سوچ، میرے خیالات بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میری پوری کی پوری دنیا ہی بدل گئی۔۔ میرے شب و روز محمد ضدفار کی ذات کے اردگرد بندھے محور میں ہی محو سفر ہے شاید اس لیے کہ میرے آس پاس کے لوگوں نے مجھے نصیحتیں و ہدایتیں ہی اس قدر دی کہ چھوٹا بچہ ہے اسے یوں اٹھاؤ، ایسے نہلاؤ اس طرح سلاؤ وغیرہ وغیرہ مجھے لگتا کہ مجھ سے کہیں کوئی بھول چوک نہ ہو جائے کہیں انجانے میں کوئی غلطی پشیمانی نہ بن جائے اس لیے میں مما کے extra ordinary level پہ جا پہنچی۔۔ اپنے بچے کے معاملات میں کہیں کوئی کمی پیشی نہ رہ جائے کوئی یہ نہ کہے کہ بچے کی نانی یا دادی نہیں کوئی بڑا آس پاس نہیں کسی کا ساتھ نہیں۔۔ خیر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ زندگی جینا سیکھ آنے لگا تب مجھے سمجھ آیا لوگوں کا تو ازل سے کام ہی یہی ہے۔ پورا ایک سال لگا مگر پھر بہت کچھ سمجھ آ گیا۔

5- حنا کی کوئی بھی کہانی ہو یا پھر ہماری بہن دونوں ہی ماشاءاللہ اتنی پرفیکٹ اور مکمل ہیں کہ شکوہ شکایت کی گنجائش ہی نہیں۔۔ حنا کی لکھاری بہنیں اپنے قلم کا بھرپور حق ادا کرتی ہیں اس لیے کسی بھی ایک تحریر کے بارے میں کہنا ذرا مشکل سا ہے البتہ دعا دونوں کہ لکھاری بہنوں کے قلم اور پیارے حنا کو مزید ترقیوں سے ہمکنار کرے آمین۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ یہ نیا آنے والا سال محبت میری فیملی اور آپ سب کے لیے بھی خوشیاں لے کر آئے۔ کورونا ختم ہو اور سب کی مشکلات آسان ہوں آمین

سنو دوستو!

تمہیں نئے سال کی نوید ہو
اس کی گھڑیال سے
تم وہ جوہر حیات کشید کرو،
جو سامان زندگی کا ضامن تھے،
جو تیرگی میں روشنی کا دامن تھے،
جو کھلے پھولوں کو شبانی رنگ عطا کرے
جو تھکے ہارے راہی کو منزل کا پتہ دے
جو کھو گئے ہیں
ان کو ڈھونڈ کر
ان کے
ان کے
خوابوں کو پھر
تم
جاتے ہو
تو دست پر
باہم ایسی قندیل جلائیں
روشنی جس کی فلک کو چھوئے
اور ہم
آسمان کے پار اداس لوگوں کو مسکرا
دیں گے
کچھ یوں نئے سال کی آمد
سب جانتے ہیں سورج تمام
ہیں
اور حرارت کا منبع ہے لیکن یہ وہ کام نہیں کر سکتا جو
شب تیرگی میں اک چھوٹا سا چراغ انجام دیتا
ہے، اس لیے کسی کے لیے امید کا چراغ بنیں،
کسی کی اندھیری راہ کا جگنو بنیے۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نصیبہ مرتضیٰ
راولپنڈی

1- یادیں بہت سی ایسی ہیں جو آنکھوں کو نم کر دیتی ہیں۔ ان کا کیا تذکرہ کروں بیان بقول میاں محمد بخش

ساری عمر کہنیں لکھتے ورق رہ گیا تھوڑا
مگر جس بات پہ ہنسی آتی ہے وہ یہ کہ میں سال اس پری کا انتظار کرتی رہی جس کے بارے میں بچپن میں کہانیوں میں سنتے تھے کہ وہ آئے گی ہماری تین خواہشوں کو پورا کرتی ہے میں انتظار میں رہی کہ وہ آئے اور میں اسے کہوں اچھی پری اللہ کے لیے اس مہنگائی کے جن کو اپنے ساتھ کوہ قاف واپس لے جاؤ۔ مگر نہ جی کوئی پری نہ آئی اور یہ جن اور طاقتور ہو گیا ہے

2- سالگرہ پر تو نہیں مگر میں اپنے میکے لاہور پورے ایک سال بعد جاتی ہوں۔ لاہور والے بھی میرے انتظار میں ہوتے ہیں اور میں بھی اس انتظار میں۔ سب جاؤں گی تو جب میں نے بتایا کہ میں آ رہی ہوں تو میری بہن کا یہ جملہ کہ مجھے ساری رات اس خوشی میں نیند نہیں آئی کہ میں آ رہی ہوں اس جملے نے میری روح کو تازہ کر دیا کہ میرے بہن بھائی مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں

3- نوٹ: یہ نظمیں تو بہت سے شاعروں کی ہیں جیسے غالب فیض فراز ناصر کاظمی اور بھی بہت سے رہے ہیں جن کو میں آج بھی شوق سے پڑھتی ہوں مگر ایک شعر جسکو میں اکثر گنگناتی ہوں پتہ نہیں کس کا ہے بس ایسے ہی دماغ میں چپکا ہوا ہے

مجھ سے ترک تعلق نہ ملنے کے بہانے کتنے
اب تو آ جا کہ میرے ساتھ زمانے کتنے
میں تنہا تھا بہت لوگ رکے تھے لیکن
سو پہنچ ہوں۔ آئے تھے اٹھانے کتنے

4- ریما نور رضوان مری بہت اچھی دوست ہے اس کا ایک افسانہ مشرقی لڑکی پڑھا تھا جو حنا میں چھپا تھا بہت عمدہ لکھتا ماشاء اللہ ریما بہت اچھا لکھتی ہے میری دعا ہے اللہ پاک اسے مزید کامیابیاں عطا کرے

میری یہ دعا ہے اللہ پاک آنے والے نئے سال میں ہمارے ملک کو اتنی ترقی دے کہ یہ خوشیوں کا گہوارہ بن جائے ہر طرف امن اور سکون ہو جائے

بہت شکریہ حنا والوں کا خاص طور سے فوزیہ آپی کا جو ہر موقع پر یاد رکھتی ہیں اللہ پاک ان کو صحت عطا کرے۔ ان کو اور حنا کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین

غزالہ جلیل راؤ
اوکاڑہ

1- آنکھیں نم ہی نہیں زار و قطار رلاتی ہیں اس وقت دل چاہتا ہے وقت کا پہیہ الٹا چلے اور اپنے پیاروں کو لے آئیں مگر۔۔۔

امی بہن بھائی اور ابو کی جدائی کا نہ ختم ہونے والا دکھ ہے جس کا زخم بھرنے کے بعد بھی ہرا رہے گا

اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین

جب بچے بہت لاڈ سے کہتے ہیں
منی باجی کب آؤ گی آپ؟
جلدی سے آ جاؤ۔۔۔"

اور جب واپسی کا سامان باندھا بچے اداس ہو جاتے ہیں۔ مرجھائے لہجے میں کہتے ہیں
منی باجی آج نہ جاؤ کل چلی جانا چلو واپس چلو۔۔۔۔

بچوں کا معصومانہ پیارا لہجہ بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے۔۔۔۔ اور میں بے اختیار ان کا منہ چوم لیتی ہوں۔

2- دوستوں کی طرف سے پر خلوص دعائیں اور تحائف باعث مسرت ہوتی ہیں

3- یہ نظم مجھے بہت پسند ہے اس میں پیار محبت کے جذبات کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔۔۔۔ ایک یکتا واحد رب کریم کی وحدانیت کو جس انداز سے سامنے رکھا ہے کیا کہنے۔۔۔ کہ سب اسی مالک کے ہاتھ میں ہے دونوں جہانوں کا مالک ہے جس کے رضا کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔۔۔۔ ہم اسی مالک کے بندے ہیں۔ جو ہمارا خالق و مالک ہے۔

کوئی ایسا جادو ٹونہ کر۔
میرے عشق میں وہ دیوانہ ہو۔
بول اس کے لیے کر گروش کی۔
میں مانگ وہ پرواز
ذرا کھیچ کے چال ستاروں کی
کوئی ڈالچہ کھینچ قلندر سا
کوئی ایسا جنتر منتر پڑھ۔
تو کر دے بخت سکندر سا
کوئی چلہ ایسا کاٹ کہ پھر۔
کوئی الٹی کاٹ نہ کر پائے۔
کوئی ایسا دے تعویز مجھے۔
وہ مجھ پر عاشق ہو جائے۔۔
کوئی فال نکال کر شہ گر۔
میری راہ میں پھول گلاب آ گریں۔
کوئی پانی پھونک کے دے ایسا۔
وہ بچے تیرے خواب آ گریں۔
کوئی ایسا کالا جادو
جو جگمگ کر دے میرے دن۔
وہ کہے مبارک جلدی آ۔
اب بیاہ نہ جائے تیرے بن۔
کوئی ایسی راہ پہ ڈال مجھے۔
جس رہ سے وہ دلدار ملے۔
کوئی تسبیح دم درود بتا۔
جسے پڑھوں تو میرا یار ملے
کوئی قابو کر لے قابو جن۔
کوئی سانپ نکال پٹاری سے
کوئی دھاگہ کھینچ پراندے کا
کوئی منکا کشا دھاری سے۔
کوئی ایسا کچھ کھا دے نا۔
وہ سمجھے خوش گمانیوں میں
کوئی ایسا عمل کرا مجھ سے۔
وہ جانے جان نثار ہوں میں۔
کوئی ڈھونڈھ کے وہ کستوری لا۔
اسے لگے میں چاند کے جیسا ہوں۔
جو مرضی میرے یار کی ہے۔
اسے لگے میں بادل دیسا ہوں۔
کوئی ایسا اسم اعظم پڑھ۔
جو اشک بہا دے سجدوں میں۔
اور جیسے تیرا ہو ہی ہے
محبوب ہو میرے قدموں میں۔
یہ عامل رک، اک بات کہوں۔
یہ قدموں والی بات ہے کیا؟
محبوب تو ہے سر آنکھوں پر۔
مجھ پتھر کی اوقات ہے کیا
اور عامل سن یہ کام بدل۔
یہ کام بہت نقصان کا ہے۔
سب دھاگے اس کے ہاتھ میں ہیں۔
جو مالک کل جہان کا ہے

4- اس سال گھریلو مصروفیات کچھ اس طرح کی رہیں کہ باوجود کوشش کے کسی سوچ فکر کو کرداروں میں ڈھال نہ پائی لفظوں کے سیاہ رنگ پھن اٹھاتے ہیں مگر ان کی شوخیوں پر کان دھرنے کا وقت نہیں ملا۔۔۔۔

نہ ہی کسی تحریر کو پڑھا۔۔۔

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

جہاں تک ہے شکوہ شکایت کا تو
یہ گلے شکوے ہمت بھی بندھاتے ہیں اور
حوصلے بھی توڑتے ہیں

اُمید ہے سب نے بہت اچھا لکھا ہوگا۔
سب کے لیے نیک خواہشات

اس اُمید کے ساتھ آئندہ سال زندگی نے وفا کی تو بھرپور تبصرے کے ساتھ سروے کے جوابات دوں گی

آخر میں حنا کی کامیابی کے لیے دعا گو۔
اور خصوصاً فوزیہ شفیق کے لیے ڈھیروں دعائیں جنہوں نے ناچیز کو یاد رکھا۔ اللہ پاک آپ کا دامن خوشیوں سے بھرا رکھے آپ کے آنگن میں بہار کا مستقل ٹھکانہ ہو آمین

نورین معشوق چوہان وڈالہ سندھواں

1- یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جاتے سال کے آخری ایام کچھ کھٹی میٹھی یادوں اور کچھ آنکھوں کو نم کر جانے والے لمحات کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔

کچھ پیارے چہرے جو زندگی کے میلے میں ہم سے بچھڑ جاتے ہیں ان دنوں ان کی یاد شدت سے آتی ہے۔ اس بھیگے دسمبر میں آنکھیں خود بخود نم ہو جاتی ہیں۔

2022 میں جہاں مجھے بہت سی خوشیاں ملیں وہیں بہت سے اپنے مجھ سے بچھڑ گئے۔ اس نومبر میں نے اپنی پیاری دادی امی اور اپنے دو خوبصورت بھانجوں کو کھو دیا، ان سے بچھڑنے کا غم تا حیات میری آنکھوں کو نم رکھے گا (اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت میں جگہ دے آمین)

ویسے بھی یہ تو زندگی کا دستور ہے جو آیا ہے اس نے ایک نہ ایک دن تو اپنے اصل کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ہمارے پاس تو بس ان کی یادیں رہ جاتی ہیں جو ہمیں احساس دلاتی ہیں کہ وہ اب بھی ہماری پاس ہیں ہمارے ساتھ ہیں

اس سال جہاں اپنے کھوئے وہیں ایک بہت اپنا بہت خاص ملا جس کے ہونے کا احساس لبوں پر مسکان بن کر کھلا رہتا ہے۔

دسمبر ہمیشہ سے مجھے اداس کرتا رہا ہے اداسی کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی لیکن اس مہینے ایک اپنے کی وجہ سے دسمبر اتنا اداس نہیں لگتا کہ ہر دفعہ لگتا ہے اس سے ایک بات ثابت ہوئی کہ باہر کا موسم بھی ہمارے اندر کے موسموں پر انحصار کرتے ہیں اگر ہم خوش ہوں تو ہمیں ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے اور اگر ہم غمزدہ ہوں تو ہر طرف اداسی پھیلی نظر آتی ہے۔

یہ سال بھی کچھ کھٹی میٹھی یادوں کے ساتھ گزر گیا دعا ہے اگلا سال سب کے لیے خوشیوں ہی خوشیاں دے، اور اگر غم بھی دے انہیں بانٹنے والا کوئی ہمسفر ساتھ ہو۔

2- میں عموماً اپنی سالگرہ نہیں مناتی ہوں لیکن اس دفعہ مجھے دوستوں اور خاص طور پر اسٹوڈنٹس کی طرف سے بہت سے سرپرائز ملے، سب نے ملکر اس سال میری سالگرہ کو یادگار بنا دیا۔ میری چھوٹی سسٹر صبا نے رات کو بارہ بجے جگا کر وش کیا، طیبہ (میں بھول نہ جاؤں) اس وجہ سے مجھے ایک دن پہلے ہی وش کر دیا اس بات پر میں نے ان سے لڑائی کر لی ہر جاتے کے طور پر وہ اگلے دن مختلف اوقات میں مجھے وش کرتے رہے۔ میری ایک سٹوڈنٹ نے مجھے کہا کہ ہمیں بچھڑ تو بہت مل جائیں گی لیکن آپ جیسی کہیں نہ ملے گی یہ جملہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

3- یوں تو مجھے بہت سے انگلش فیملیں پسند

لیکن علامہ اقبال کی یہ غزل میرے اندر
آگے بڑھنے کی جستجو جگائے رکھتی ہے

آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
جائے تو ہو جاتا ہے پتھر کی چوٹ سے
ہی نوٹ جائے وہ شیشہ تلاش کر
سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر
سال میری سب سے بڑی مصروفیت تو
کمل کرنا ہی تھا الحمدللہ جو ہو چکا
بہت سے تھے بہت کچھ سیکھا اور
یہ سال میں اس دور میں
لیے بہت خاص اور
سے میرے دل کی
راہوں میں
کے قدم پڑے، ماتھے پر ہر طرف
ہی نچ انچیں ہوں۔ بہت انوکھا اور
احساس ہوتا ہے آپ میں سے ہم اور کسی کے
بہت اہم ہو جاتے ہیں۔

سال پتہ چلا کہ میرے ابو میرے لیے
اہم اور خاص ہیں جوں جوں ان سے ملنے
قریب آ رہا ہے دل میں ایک میٹھی کسک
ہے

کے لئے اس کی تحریریں اس کے
ہوتی ہیں جن کو وہ بہت احتیاط سے
کوئی تنقید یا شکوہ کرنا تو میں
ہوں نے بہت اچھا اور بہتر
تھوڑی سی اور
کریں تو بہتر
ہے ہاں جب ان سے
مجھے بہت خوشی ہوگی شکوہ شکایت تو
تعریف تو ضرور کروں گی۔ جاتے
طرف سے سب کو نئے سال کی
خدا کرے یہ سال سب کے

لیے ڈھیر ساری خوشیاں لائے۔ آمین ثم آمین

ایمان نور رضوان، کراچی

1- شکر الحمدللہ رب العالمین اللہ پاک کے خاص فضل و کرم سے دو ہزار بائیس ماشاءاللہ ادبی حوالے سے بہترین رہا ماشاءاللہ میری تین کتابیں منظر عام پر آئی۔ ہر لمحہ ہر ساعت ہر دم رب العالمین کا شکر ادا کرتی ہوں لبوں پر مسکراہٹ کے ساتھ یاد میں بہت زیادہ ہیں جو آنکھوں کو نم کر دیتیں ہیں لیکن اس کی رحمان یا رات میں ایک ساعت ایک پہر ایسا ضرور ہوتا ہے جو شدت سے رولا دیتا ہے اکثر نماز میں دعائے مغفرت کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہوں اللہ پاک میری امی کی اور تمام ہی مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے آمین۔

2- الحمدللہ اللہ پاک نے بہت اچھی دوستیں دی ہیں سرفہرست طیبہ آپی، سیدہ عروج فاطمہ، زارا خان، قرۃ العین فرخ، انعم جمیل، شبانہ اسلم، صائمہ سید، طیبہ چوہدری، اور بھی کافی ساری فرینڈز ہیں جو بہت محبت و خلوص چاہت کے ساتھ یقیناً ہیں۔ رب تعالیٰ محبتوں چاہتوں بھرے یہ رشتے سلامت رکھے آمین ثم آمین۔

3- یہ نظم بہت پسند ہے وجہ اس میں ردھم ہے طیبہ آپی لکھیں اور خاص نہ ہو ایسا ہو ہی نہیں سکتا اب قارئین بھی پڑھیے بتائیے گا ضرور کہ میری پسند کیسی ہے۔

میرے سوہنے دلبر یار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
میری جیون کا سنگھار تو ہی
اب جیت میری اور ہار تو ہی
دوں تن من تجھ پر وار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میری راحت کا سامان بھی تو
میری چاہت کا ارمان بھی تو
میں باندی تو سرکار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
میں تجھ پر پریت لٹا بیٹھی
اک پل میں ہوش گنوا بیٹھی
میری ذات کے پہریدار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
تیرے نام کا دیپ جلا ڈالا
تجھے من کا میت بنا ڈالا
تو محرم تو سردار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
تو چشمہ نخلستان سائیں
تو بدلی میں ہے چاند سائیں
میرا بخت میرا دربار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
تجھے جیون اپنا دان کیا
ہر سانس تجھے مہمان کیا
میرا چین پیا تو قرار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
تو مہندی کجرا ، گجرا سا
تو پائل کنگن غازہ سا
میری زینت اور سنگار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن
تیرا نام میری پہچان سجن
میری جان میرا تو مان سجن
میرے سوہنے دلبر یار سجن
میری چاہت کے حقدار سجن

4- اس سال مصروفیات وہی رہی بس امی کے جانے کے بعد سے زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا ہے اور دین کی طرف رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا ہے قلب اب آخرت کی فکر ستاتی ہے نماز وقت پر ادا کرنے کی جلدی ہوتی ہے عزاداری میں بہت زیادہ تسکین آتی ہے زندگی کو بہت قریب سے دیکھ لیا کہ پیارے جدا ہو جاتے ہیں ان کے بنا جینا سوہان روح ہے اور جینا پڑتا ہے یہی قانون قدرت ہے۔ ہر جانے والا شخص یہ پیغام دیتا ہے کہ میں تو ابدی سفر پر آج یا کل آنا ہے سو تم نے بھی اسی سفر پر آج یا کل آنا ہے سو بے شک ایصال ثواب کرنے والے بہت پیچھے ہوتے ہیں لیکن اصل پکڑ تو اپنے اعمال کی ہی ہوگی۔ اللہ پاک ہم سب سے راضی ہو آمین۔

5- حنا کے گزشتہ سال کے سارے شمارے ہی فوزیہ آپی نے دلکش انداز میں خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیئے تھے مصنفین نے بھی بہت بہترین لکھا ناولٹ مکمل ناولز سب بہت ہر ماہ نئے نئے موضوعات پڑھنے کو ملے بہت ناول اور مستقل سلسلے خوبصورتی سے اپنا رنگ لے کر آ رہے ہیں یہی دعا ہے کہ حنا دن دگنی رات چوگنی ترقی و کامیابی حاصل کرے آمین ثم آمین

الحم ناز

سب سے پہلے میں فوزیہ آپی کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور اپنے خیالات بیان کرنے کا موقع دیا میں رائٹر نہیں ہوں۔ ہاں رائٹر فلک ہم ضرور ہوں۔ حنا کی میں اسلامک کا میری فوزیہ آپی سے جب پہلی بار بات مجھے وہ بہت اچھی لگیں اس کے بعد احساس کہہ سکتے ہیں کہ شناسائی ہے اللہ پاک آپی آپ کو ہمیشہ خوش کو بہت ترقی دے ہم سب کے ساتھ ہے حنا کی سب رائٹرز

لیکن مجھے حیرانگی سے حد پسند ہیں۔۔

1- جاتے سال کے دو دن دسمبر کی وہ شامیں وہ گہری دھند بھری راتیں وہ اداسی وہ کمی اور اپنے تنہا ہونے کا احساس مجھے بے حد پسند ہے میرے خیال میں ان دنوں میں ہمیں اپنی ذات کے ساتھ وقت گزارنے کو ملتا ہے جو ہم بھول جاتے ہیں دنیاوی کاموں میں ہم اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ ہمیں اپنی ذات تک یاد نہیں رہتی ہمیں یاد ہی نہیں رہتا کہ ہم کون ہیں۔ ہمیں کیا چاہیے ہمیں کیا چاہیے کچھ بھی تو نہیں بس زندگی کی بھاگ دوڑ میں لگے رہتے ہیں اور پھر آتا ہے دسمبر اور ہمیں اپنی ذات کے ساتھ ٹائم گزارنے کا موقع ملتا ہے، بہت سے خواب جو ادھورے رہ جاتے ہیں بہت سی خواہشات جو پوری نہیں ہو پاتی یا ہو ہی نہیں سکتی کچھ لوگ جو زندگی میں بہت خاص ہوتے ہیں کسی وجہ سے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں بچھڑ جانے کے بعد بھی ان کی یاد [illegible] ہمیں بے ساختہ ان کی آنکھوں کے [illegible] فلم کی طرح پردہ سکرین دکھائی دیتی ہیں وہ وقت وہ ہنسی وہ مسکراہٹ کہیں گم کر کے چار سو اداسی بکھیر دیتا ہے اس وقت جو کیفیت ہم محسوس کرتے ہیں ہم چند الفاظ میں بیاں نہیں کر سکتے کیوں کے خوشی اور غمی کے وہ لمحات اس کا ایک ایک پل ہم جی کر یہاں تک پہنچتے ہیں ہماری زندگی کا کل اثاثہ کچھ ایسے دل کے بہت قریب ہوتا ہے لوگ وہ احساس سمجھ نہیں سکتے ان کے لئے تو یہ محض چند حروف ہوتے ہیں لیکن ان خاص لوگوں سے جڑی یادیں وہ باتیں دل کو [illegible] جاتی ہیں پھر یہ سوچ کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی ہر کام میں اللہ کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے ہمارے لبوں پہ مسکراہٹ تو لے آتا ہے لیکن ہماری آنکھیں نم ہی رہتی ہیں بہت خوب صورت احساس ہوتا ہے یہ بھی جب ہم ان کو یاد کرتے ہوئے تنہا اداسی میں مسکراتے ہیں اور پھر کچھ ہی لمحے ہماری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں ایسے دسمبر کی وہ اداسی وہ دھند وہ تنہائی مجھے بے حد پسند ہیں۔

2- [illegible] کے موقع ہے وہ [illegible] بات موصول ہوئے [illegible] بہت میری بہت خاص دوست جواب میرے [illegible] کی طرف سے جو گفٹ لاسٹ [illegible] وہ بہت خاص ہے اور ایک پیغام جس کی [illegible] ہر لڑکی کو ضرورت ہوتی ہے مجھے نصیب کی دعا اللہ پاک سب بہنوں کے نصیب اچھے کرے میرے لیے بھی خاص دعا کیجیے گا۔

3- مجھے [illegible] خان کی دو [illegible] تو [illegible] جاتا [illegible] ہے وجیہ [illegible] میں [illegible] بہت [illegible] بہت خوب صورت [illegible]

[illegible] کی طرف سے [illegible] سے بڑھ کر [illegible] کوئی اس کو سمجھ نہیں سکا اور کچھ بہت وہ جو آپ کو نہیں سمجھتی سے ملوا دے۔۔۔

نہیں کوئی انسان محبت سے خالی
ہر اک روح پیاسی ہر اک دل سوالی۔۔۔
اسی شوق کا امتحاں زندگی ہے۔۔۔۔

4- اس سال بہت مصروفیات تھیں گھر ہو کام لکھنے تک کا ٹائم نہیں مل سکا [illegible] اور سوچ لی ہے اور آنے والے [illegible] عزم بھی کرتا ہے جو غلطی [illegible] کا دل دکھا ہماری وجہ سے تو [illegible] لوگوں کو معاف کر کے اور [illegible] ایک نئی زندگی کی شروعات کریں [illegible]

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اپنے تعلق کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں یہ زندگی تو عارضی ہے اللہ ہمیں توفیق دے اور خاتمہ بالایمان نصیب فرمائے۔

حنا کی رائیٹرز بہت اچھی ٹیم ان سے یہی کہنا چاہوں گی کہ آپ سب بہت محنت کر رہی ہیں اللہ نے آپ کو یہ صلاحیت دی ہے بہت اچھا لکھ رہی ہیں اسے ہی محنت کرتی رہیں اللہ پاک آپ سب کو کامیاب کرے اور فرمائش ضرور ہے میری وہ یہ کہ کوشش کریں ہدایت پہ بھی کوئی ناول لکھ کے آئیں جیسے "پیر کامل" تھا جس میں انسان اور اللہ کے تعلق کو بیان کیا جائے۔۔

مبشرہ انصاری - لاہور

سب سے پہلے تمام قارئین اور حنا ٹیم کو میرا پیار بھرا اسلام۔ امید کرتی ہوں کہ سب بخیریت، خوش باش ہوں گے انشاء اللہ

1- دسمبر کی دھندلی اور خنک خاموش شامیں مجھے بہت پسند ہیں! ہوائیں، خنک ہوا کا لمس، خنک ہوا کے سرسراتے پتوں کی آواز، چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے سموسے کھانے کا مزہ، بیری خوشبو اور میں مجھے سردی بہت پسند ہے کیونکہ میں اپنی فیورٹ ہوں! دیکھیں ماضی کا بوجھ کندھوں کو شل کرنے، روحوں کو کھوکھلا کرنے اور دل کو بے چین کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ میرا سب کو یہی مشورہ ہے کہ جیسے جینے ممکن ہو اس بوجھ کو ہلکا کرتے جائیں، اس سے پہلے کہ یہ آپ کے جسم کو اپاہج کر دے اور جہاں تک تنہائی کی بات ہے تو یقین جانیے مجھے تنہائی کا کبھی افسوس نہیں ہوتا کیونکہ مجھے اکیلے رہنا اور تنہائی سب سے پسند ہے۔ میں اپنی ذات کو کسی سے متاثر بھی ہونے ہی نہیں دیتی کیونکہ ہم جیسے کسی کے عادی ہوتے ہیں، زندگی اتنی مشکل ہو جاتی ہے۔ میرا یہ ماننا ہے کہ آپ جتنی انرجی دوسروں کو اہمیت بتانے یا ان کی نظروں میں اہمیت پانے کیلئے کرتے ہیں۔۔۔ اگر اس کی ایک پرسنٹ بھی آپ اللہ پاک کی نظر میں اہمیت پانے کیلئے کریں تو یقین مانیں آپ کی دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ میں بڑے سکون میں ہوں کیونکہ میری دوستی میرے اللہ پاک سے ہے۔ پھر لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے یا بولتے ہیں، مجھے زیرو پرسینٹ بھی اس بات کی پرواہ نہیں۔

2- میں سالگرہ نہیں مناتی۔ بس ماں باپ اور فیملی کی دعائیں اور پیار ہی میرا انمول خزانہ ہیں! باقی لوگوں کی بے معنی اور کھوکھلی باتیں اب مجھے متاثر نہیں کرتیں کیونکہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو بہت اچھے سے پہچان لیا ہے۔ لوگ بڑے ظالم ہیں، محبت اس سے کرتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے، اور بس اتنی دیر کرتے ہیں جتنی دیر وہ ضرورتی ہوتا ہے۔

3- ماں کے ہم نہیں ملے ہے کے پیار نہیں۔ کبھی بھی نظریں نہ ملانا دل کا اعتبار نہیں ماننا کے ہم یار نہیں۔

راستے میں جو ملو تو ہاتھ ملانے رک جانا
ساتھ میں کوئی ہو تو تمہارے دور سے ہی تم مسکانا
لیکن مسکان ہو ایسی کے جس میں اقرار نہیں
نخروں سے نہ کرنا تم بیان وہ جس سے انکار نہیں
ماننا ہم یار نہیں
پھول جو بند ہتھیلیوں میں
تم اس کو پھول بتا دینا لیکن جو میری کہیں
تم اس کو پھول بتا دینا لیکن وہ پھول بھی ہو
ایسی کہ جس سے بیزار نہیں تو جو ہوئے تو میری
طرح اک پل کو بھی قرار نہیں ماننا ہم یار نہیں!

یہ غزل میں نے پہلی بار اسلام آباد میں سنی تھی۔ روڈ پر گاڑی چل رہی تھی دونوں سائیڈز پر قد آور درخت اور پہاڑ تھے۔ میں ونڈو سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ یہ نظارہ اور غزل دل کو چھو رہے تھے۔ دراصل مجھے اسلام آباد بہت پسند ہے۔ وہاں کے درخت اور پہاڑ جتنے خاموش دیکھائی دیتے ہیں میرے خیال سے ان میں اتنا ہی شور بپا ہے۔ میں انہیں محسوس کرتی ہوں ان سے باتیں کرتی ہوں۔ یہ میری وہ فیلنگز ہیں جو شاید کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

3- اس سال بہت سی مصروفیات میں گھری رہی۔ بہت سے پروجیکٹس کیے۔ اور ابھی بھی بہت سے پروجیکٹس نے کو باقی ہیں جو زندگی بھر ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے انشاء اللہ۔ زندگی کی اتار چڑھاؤ کا بھی زندہ دلی اور بہادری سے سامنا کیا۔ لوگ تکلیف دیں، بات بات پر طعنے دیں، کہتیں لگائیں تو آپ ایک بات کو یاد رکھیں کہ وہ آپ کچھ نہیں بھولتا۔ وہ واقف ہے ہر زخم سے اس لیے لوگوں کے رویوں کو اس کے پردے میں رکھیں، آپ کا اجر بہت قریب ہے بس اس رب پر یقین رکھیں۔ میں بس یہی کہتی ہوں کہ وقت کو چلنے دیا کریں مشکل ہے تو مشکل سے گزر جائے گا، تکلیف ہے تو تکلیف سے گزر جائیں، آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے بعد کیا کیا راحتیں آپ کی منتظر ہوتی ہیں۔ اگر اندھیری رات آئے تو گھبرائیں نہیں کیونکہ دنیا میں کوئی رات ایسی نہیں جس کی روشن صبح نہ ہو اور زندگی بھی شیشے کی طرح ہوتی ہے، وہ بھی مسکراتا ہے جب ہم مسکراتے ہیں۔ باقی منافق لوگوں سے یہ کہوں گی کہ بلندی کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پھولوں کے بیج پھینکتے جاؤ تاکہ زوال کا سفر پرسکون رہے، اگر کانٹے پھینک کر جاؤ گے تو واپسی پر خاردار جھاڑیاں ملیں گی اور واپسی کا سفر تو ہر صورت میں آپ کو طے کرنا ہوتا ہے، یہی زندگی کی حقیقت ہے۔ میری دعا ہے کہ آنے والے سال کے ساتھ ساتھ ہم سب کی زندگی کے سارے غم بھی چلے جائیں آمین ثم آمین! آخر میں آپ لوگوں سے ایک چھوٹی سی گزارش ہے۔ میرا (THE ARTIST MANA) کے نام سے یوٹیوب چینل ہے۔ اسکو سبسکرائب ضرور کیجیے گا۔ وہاں آپکو میرے ولوگز ملیں گے۔ میں کیا کرتی ہوں، کیا کھاتی ہوں۔ میری ویٹیشنگ، میرا کام اور میری تمام مصروفیات، آپ با آسانی میرے چینل پر دیکھ سکتے ہیں۔ چلتی ہوں دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ!

سیدہ حاصل فاطمہ - شیخوپورہ

امید باری تعالیٰ ہے حنا فیملی کی تمام معصفات اور قابل احترام انتظامیہ خیریت سے ہوں گے۔۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ راستوں اور منزلوں کو ہمارا مقدر بنا دے ہماری خواہشوں اور چاہتوں کو ہمارے لیے آسان فرما دے۔۔ اور میرا پیار بھرا سلام ہم پر اپنی عنایات کو بے شمار کر دے۔۔ (امی آمین)

سب سے پہلے حنا فیملی کو پیارے حنا کی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔۔

خدا کرے حنا ڈائجسٹ ہمیشہ یونہی کامیابی اور ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔

سال کے اختتام پر دیے گئے سروے کے مطابق اب ہم آتے ہیں فوزیہ آپا کے سوالات کے جوابات کی طرف۔۔

1- جاتے سال کے لمحات یقیناً بوجھل ہوتے ہیں، جیسے ہی دسمبر شروع ہوتا ہے تو گزرے سال کا ایک ایک لمحہ تصور کے پردے پر دستک دیتا اور اپنی کمی کا احساس دلاتا ہے۔ کہیں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

خوبصورت دلچسپ یادیں ہوتی ہیں تو کہیں غم سے پر لمحے ہوتے ہیں، ایسے وقت میں، میں غم و خوشی دونوں پر مسکرا دیتی ہوں سوچتی ہوں شاید اس کا نام ہی زندگی ہے۔

دوسری طرف کہیں کامیابیاں تو کہیں ناکامیاں یادوں کی صورت سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ میں اپنی کامیابیوں پر وقتی طور پر خوش ہوتی ہوں مگر ناکامیوں پر دیر تک سوچتی ہوں اور ان کے ہر ہر پہلو کو سوچتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ناکامیاں انسان کے لیے بہتر ثابت ہو سکتی ہیں اور یقین یا نہیں کامیابیوں سے کہیں خوبصورت ناکامیاں لگتی ہیں کہ وہ مزید بہتری کی دعوت دیتی ہیں۔ وہ مزید جدوجہد کی وجہ بنتی ہیں وہ گرتے ہوؤں کو سنبھالا دیتی ہیں وہ سونے نہیں دیتیں جگائے رکھتی ہیں وہ رکنے نہیں دیتیں بھگائے یا پیچھے لگائے رکھتی۔۔

سال 2023 پچھلے سال سے بہت مختلف تھا وجہ اس سال نئے احساسات سے آشنائی ہوئی۔ جہاں نئے رشتہ ملنے پر دل میں خوبصورت جذبات پیدا ہوئے وہیں بابا کا آنگن چھوڑ جانے کا دل میں گہرا ملال ہے۔ 30 دسمبر میری شادی کی تاریخ طے پائی۔ گھر میں چلتے پھرتے دل بوجھل رہتا یقیناً یہ وقت ساری بہنوں بیٹیوں کے لیے مشکل ہوتا ہوگا۔ کئی مالوں کی یادیں آج کل ہر پل میرے سامنے سانس لے رہی ہیں، جب جب بابا اور امی کی طرف دیکھتی ہوں ہے نام ہی ادای میرے اندر تک پھیل جاتی، میرے اطراف میں مسکراہٹیں ہیں مگر بابا کی اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپا جدائی کا کرب مجھے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ماضی کی بکھری یادیں بہت سارے خواب جو آنگن میں دیکھے کیے اور بہت سے ابھی ادھورے ہیں مگر بابا کا آنگن چھوڑنے کا وقت ہوا چاہتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ لبوں پہ مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں۔

اللہ کریم ساری بہنوں کے نصیب نیک کرے، بہت مشکل ہوتا اپنوں کو چھوڑ کر ایک انجان شخص کے ساتھ جانا۔۔

آپ ساری بہنوں سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کیجئے گا آنے والا وقت میرے لیے آسان ہو۔۔

2- عزیز از جان دوست ادبی شخصیت جو جب بھی لکھتے ہیں لاجواب لکھتے ہیں میں انہیں لفظوں کا بادشاہ کہتی ہوں، ایک اچھے افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین دوست بھی ہیں جن کے لئے جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔۔ جی میں بات کر رہی ہوں ہمارے کپور سر کی جو ادب کا ایک ابھرتا ہوا روشن ستارہ ہیں۔

3- شگفتہ کا پیغام تو کوئی نہیں البتہ انہوں نے مجھ سے کئی انگوٹھی بھجوا کر میری دعوت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔۔ میں یہاں ایک بار پھر صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔۔ کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا۔۔

نظم یا غزل بھی پسندیدہ ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ جو پسند ہے وہ بلھے شاہ کا کلام ہے پسندیدگی کی یہی وجہ ہے کہ عشق حقیقی ہو یا مجازی، رب العزت سے جوڑ دیتا ہے۔

بلھے شاہ

اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں
درد جگر تخت سرانہاں عشق دیاں
اللہ ھو، اللہ ھو
ہر ہر دل ہر تھاں وچ عشق سمایا اے
موسیٰ فرعون تے عشق نے قدم پکایا اے

ہیں باطن بین الحق صدیاں عشق دیاں
اوکھے پینڈے لمیاں راہواں عشق دیاں
اللہ ھو، اللہ ھو

"اس سال کا مشغلہ پڑھنا ہی رہنا اور مصروفیات شادی کی تیاریاں ہیں جو کے فروری میں منگنی کی رسم کے فوراً بعد سے شروع کر دی گئی تھیں۔ بہت سے نئی سوچوں کے در وا ہوئے، ان شاء اللہ جلد آپ یہ نئی سوچ کے افسانے حنا میں پڑھیں گے۔

ماشاء اللہ حنا میں لکھنے والی ساری بہنیں بہترین لکھتی ہیں ان سے ملاقات ہوئی تو میری خوش نصیبی ہو گی۔ شکوہ تو کوئی نہیں البتہ ادبی سوالات بہت سے کرنے تھے کہ تنگ میں ایسے ہی لکھتی ہوں۔۔

فوزیہ آپا سے ملنے کی دلی خواہش ہے دیکھیے کب ان شاء اللہ ملاقات ہو پاتی ہے بشرط زندگی۔

نوازش یہ ہے کہ حنا فیملی حنا کی جانب سے کوئی ایسی تقریب رکھیں جس میں سب مصنفین و مصنفات کو شرکت کی دعوت دی جائے۔۔

آنے والے سال کے لئے میں پرامید ہوں کہ کچھ اچھا کر سکوں گی۔

ہمیشہ کی طرح حتی الامکان کوشش رہے گی کہ اس فانی دنیا کے ساتھ ساتھ ابدی زندگی کے سفر کے لیے کچھ زادِ راہ جمع کر سکوں کاش رب العالمین گنی چنی چند نیکیوں کو ہزاروں لاکھوں میں قبول فرما کر سرخروئی عطا فرمائے۔

نئے سال کے لیے کچھ دوسرے خواب دھنک کی ڈولی میں بیٹھ کر امید کے دروازے پر دستک دینے میں مصروف ہیں یہ پریاں دروا کریں گی تو خوابوں اور تعبیروں کا حسین ملن ہوگا۔۔

فضہ ہاشمی، عارف والا

اس سال کی پہلی سرمائی تو کچھ خاص نہیں تھی لیکن دوسری ہمارے لیے واقعی دھماکہ خیز ثابت ہوئی۔ ہم چکرا کر رہ گئے وہ دھماکہ تھا میرے بڑی آپی کی شادی۔

بڑی دیر سے آپی کی شادی کے لیے کوشاں تھے مگر بات نہیں بن پا رہی تھی۔ رشتے دیکھ دیکھ کے اُکتا چکے تھے۔ کئی بیورو خاک کے چھان بات رہا تھا اور اب تو ہم تقریباً مایوسی میں گھر چکے تھے۔ مگر وہ کہتے ہیں نا کہ خدا کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں تو واقعتاً آپی کے معاملے میں ایسا ہی ہوا اور جس بندے کے لیے ہم نے پورا لاہور ساہیوال چھان مارا وہ بندہ ہمارے ہمسائے یعنی پاکپتن سے دریافت ہوا۔ جی تو ہمارے بہنوئی صاحب کا Home Town پاکپتن ہے۔

بڑی مزے کی بات کہ سسرال کا گھر بابا فرید الدین گنج شکر کے مزار کے ساتھ ہے یعنی باجی کے گھر اور بابا جی کے مزار کی دیوار سانجھی ہے۔ آپی ہماری تو ویسے ہی بہت بھرے مزاج کی حامل تھی۔ اب تو بابا فرید کی ہمسائیگی میں چلی گئی ہوں۔

ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ آپی کی شادی کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔ یعنی بڑی عید کے سات دن اور اٹھارہ جولائی کو آپی کی رُخصتی تھی۔ بڑی عید کے دوسرے دن بھائی اور امی ہمارے بہنوئی کو دیکھنے گئے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ دیکھنا دکھانا پہلے منگنی اور آخر میں نکاح پڑے ہوگا۔

شادی ہے ہمارے سروں پہ گویا یورینیم بم پھوڑا گیا تھا جو بھی سنتا ایکسائٹمنٹ کے مارے سمجھ نہیں پاتا تھا کہ کس قسم کے جذبات کا اظہار کرے۔ کوئی کہتا اتنی جلدی۔ کوئی کہتا ابھی نہیں

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

پر کوئی کہتا جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔ کوئی کہتا ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ کوئی کہتا جلدی کام شیطان کا ہے اور کوئی کہتا سستی بھی کا شیطان کا ہے۔

گھر کا کام چھوٹیوں کے سپرد کیا گیا۔ Stitching کا کام رقیہ کے حصے میں آیا۔ کیونکہ نہ تو Urgently ورزن مل رہی تھی اور نہ ہی کوئی کام والی۔

شاپنگ ہمارے اور بانو کے حصے میں آئی۔ بھائی کے ذمے میں بازاروں کے چکر لگوایا تھا۔

عید کا تیسرا دن لوگ قربانی میں مصروف اور ہم شاپنگ میں مصروف تھے۔ سلیم فیبرکس والوں کا بھلا ہو جنہوں نے شاپنگ کے لیے [illegible] کے لیے [illegible] تھے [illegible] کے ہوئے سے وہ سارے جلدی جلدی نمٹ گئے۔ ایک دن دولہن یعنی آپی کی شادی کے لیے مختص تھا۔

بہرحال شادی کا دن آ پہنچا۔ جتنی جلدی آیا تھا اتنی ہی جلدی بیت گیا اور آپی پیا دیس سدھار گئیں۔ اب ایسی پیا کو پیاری ہوئی ہیں کہ بمشکل ملاقات ہو جاتی ہے۔

ذوقِ مطالعہ سے مجھے پریوں کے دیس میں پہنچا دیتی ہے۔ دسمبر کا دسمبر کے ساتھ بہت مطابقت ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ سارا سال دسمبر ہی رہے۔

کبھی کبھی کچھ یادیں میرے دل کے کونے میں پڑی پڑی تنہائی کا شکار ہو جاتی ہیں کہ وہ بھی اُداس ہوتی ہیں اور مجھے بھی اُداس کرتی رہتی ہیں۔

کچھ اپنوں کی یادیں آنکھیں نم کر دیتی ہیں۔ بالخصوص مہندی کی یاد میرے دل میں کسک بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں ہی میرے بہت پیارے بچے ہیں۔ خالہ کی جان اگر کبھی زندگی موقع دے تو اک بار ضرور ملنے آنا چاہوں گی جاں۔

ان دونوں بچوں کی یاد میری آنکھوں میں ہمیشہ نمی لاتی ہے۔ سال کا اختتام ہی نہیں بلکہ یہ بچے تو ہر سانس کے ساتھ یاد آتے ہیں۔

3- دوستو! عزیز و اقارب کی طرف سے سالگرہ کے حوالے سے کوئی پیغام نہیں۔ ویسے بھی میری فیملی سے کوئی بھی بندہ سالگرہ منانے کے حق میں نہیں ہے۔ چھوٹے بچوں کی ضرور مناتے ہیں۔

لیکن زندگی ہر سال مجھے خودی ضبطِ نفس اور احساس ذمہ داری کا پیغام دیتی ہے لیکن اس سال میری روحانیت میں ضرور اضافہ ہوا۔ میں اللہ میں خوش رہنے والی بندی ہوں بلکہ میں اپنے [illegible] کے مطابق خود خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔

رہ گئی یہ بات کہ نظم اور غزل۔ تو میں ادب کی طالبہ ہوں۔ ماشاءاللہ سے ایم فل اُردو، غالب اور محسن کو بہت زیادہ پڑھا ہے۔ محسن نقوی کی غزل کا یہ مقطع میرا پسندیدہ ہے۔

ابھی محبت کا اسم اعظم لبوں پہ رہنے دے جان محسن
ابھی ہے چاہت نئی نئی سی ابھی یہ جذبے جواں جواں سے

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوسرائے میں

4- اس سال میں نے مطالعہ یہ ہی زور دکھایا یوں کہوں کہ قدرت نے مجھے فقہ پڑھنے پر لگا دیا۔ بالخصوص بہارِ الانوار کی دو جلدیں پڑھیں۔ پونجیہ مولانا اسحاق مدنی، مفتی فضل حمدرد، انجینئر محمد علی مرزا صاحب میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔ روحانیت کا یوں میری روحانیت میں اضافہ ہوا۔

تو ایسے حق پسند بے لاگ علماء کو سنتی ہوں۔ الحمدللہ اس طرح مجھ میں Lanparative

Study کی لگن جاگ [illegible] کے صفحات پہ [illegible] رہ گئی حنا کی بات تو میں [illegible] کے مضامین کو پڑھنا [illegible] چاہتی ہوں بلکہ میں تو چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا [illegible] فارم ہو جہاں حال اور ماضی کی تمام [illegible] مضامین اور قارئین کو مل بیٹھنے کا موقع ملے۔

آخر میں صرف یہ دعا ہے کہ اللہ ملک پاکستان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اس کے حکمرانوں کو عقل سلیم عطا کرے اور اس کی عوام کو [illegible] کی دولت سے مالا مال کرے۔

مجھ سمیت عزیزی فوزیہ و دیگر اہلیان "حنا" کو اپنی نگاہ کرم میں رکھے۔ یہ ساتھ ہمیشہ بنا رہے۔

سیدہ فرزانہ حبیب
کراچی

1- دسمبر کا مہینہ اُداسی کے ساتھ ساتھ مجھے بہت ساری مسکراہٹ اور خوشیاں دے کر جاتا ہے اس ماہ میں مجھے بہت زیادہ خیال رکھنے والے مخلص [illegible] کا ساتھ ملا۔ 16 دسمبر میرے [illegible] خوبصورت ترین یادگار دن ہے میرے شوہر ہمدم سلیبریٹ کرتے ہیں۔ مگر یہ نا پسندیدہ سانحہ کی وجہ سے اُداس بھی کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ پاپا کی خوبصورت یادیں آنکھوں کو نم کر دیتی ہیں اور اس سال سیلاب زدگان کی بے بسی اور بے گھر ہونے کے دکھ کو محسوس کر کے بھی دل بوجھل رہا۔ اللہ پاک سال میں سب کو امن و امان میں رکھے۔

2- سالگرہ کے موقع پہ سب ہی دل سے دعائیں دیتے ہیں۔ ماں سمیت مخلص لوگوں کی دعائیں میری حیات کا انمول تحفہ حوصلہ افزائی اور کامیابی کی کنجی ہے۔

3- پروین شاکر کی کتاب خوشبو سے ساری نظمیں اور غزلیں میری پسندیدہ اور یہ نظم مجھے اپنے مرحوم والد کی یاد ہمیشہ دلاتی ہے۔

عزیز لوگو! کہاں گئے ہو
اُداس کر کے حیات میری
عزیز لوگو!
کہاں سے ڈھونڈوں
وہ میٹھی باتیں
وہ دھیمے لہجے
محبتوں بھرا وہ غصہ
تمام اپنوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا
ملال رکھنا
عزیز لوگو!
تمہاری یادیں دل میں تیرتی
ناتواں سے ناتواں تر کر رہی ہیں
عزیز لوگو!
کبھی تو خواب میں آؤ
حقیقتوں کا روپ لے کر
عزیز لوگو کہ آ کر [illegible]
[illegible] کر کے [illegible]

4- [illegible] خاص نہیں انہوں میں چلتے [illegible] نے دی ہوئی نشہ نہیں" تھیم پر آپ نیوز بیٹ کی طالبات نے پیش کیا جس کے لیے بطور اسکرپٹ رائٹر راو ہدایت کار مجھ کو مقرر کیا گیا۔ الحمدللہ تمام اساتذہ کرام کی میری ہیڈ مسٹریس سے کافی پذیرائی ملی۔ اس کے علاوہ تین مکمل ناول تحریر کیے ہیں جو جلد ہی "حنا" اور دوسرے میگزین میں شائع ہوں گے ان شاءاللہ!! میں اپنی رائٹر دوستیں افشاں اور ندا حسنین سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں ان سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اپنی تحاریر میں اتنی پرسوز خاموشی کیسے کر لیتی ہو، کی سحر انگیز لفظوں کی جادو گری ہو تم دونوں اللہ پاک مزید کامیابی اور شہرت عطا کرے۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

اس کے علاوہ فرحت اشتیاق، عبیرہ احمد اور اُم مریم، سدرۃ المنتہیٰ اور تمام رائٹرز سے شرف ملاقات کی اس دل ناداں کی شدید خواہش ہے خوش رہیے اور خوشیاں بانٹیں اور اپنی خوشیوں میں غریب نادار رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو بھی شامل کرنا مت بھولیں۔

طالب دعا/سدرہ فرزانہ جیب
قمر ۃ العین رائے شیخوپورہ

1- سوچوں کے اندر ہوتے ہیں اور خوشی تو باہر جھلملاتی ہے۔ سرد ہو یا ڈھنڈا اور سرد گہری ڈھلی شام آپ اُداس ہیں تو پھر اُداسی ویسے بھی میں ماضی میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ کہتے ہیں سکھ یاد کر کے بھی دکھ ملتا ہے جو سکھ ہمارے ساتھ تھے اب نہیں ہیں تو وہ سکھ بھی اُداس کر دیتا ہے۔ ان کی کمی کا احساس دلا کر۔ جو کہ ایک حساس رائٹر ہوں لہٰذا ہر چیز کو حد سے زیادہ محسوس کرنے والوں میں سے ہوں آف کورس اپنی کالج، یونیورسٹی لائف کا وقت یاد کرنے پر آج بھی لبوں پر دھیمی مسکان دے جاتا۔ میں بہت ایکٹو اور شرارتی سٹوڈنٹ تھی۔ اپنی کلاس کی سی آر (CR) بھی پر اعتماد اور شرارتی تھی۔

اس عمر میں جانا آج بھی پسند ہے اور دل کو خوشی میسر آتی ہے لبوں پر مسکراہٹ اُبھر آتی ہے۔ جب شدید سردی اور دھند میں تقریباً سبھی لوگ کلاسز میں وقت گزارتے تھے، مجھ جیسے سرپھرے کالج یا یونیورسٹی کی روڈ پر واک کرتے نظر آتے تھے۔ بے فکری، بے تکان باتیں دھند میں منت دعاؤں اُڑانے کا مزہ۔ نم ہوا میں اپنے دل ۔ ستک نہیں دینے دیتی۔ آنکھوں کو نم کر جانے والی بہت سی باتیں ہوں، تھی، کیس پر انہیں شعوری سعی کر کے دہراؤں کیوں؟ اللہ کا شکر ہے اس نے اتنی اچھی اور بھرپور زندگی عطا کی ہے نم آلودہ یادوں کو یاد کر کے ناشکرا پن کیوں کروں۔

2- بانو قدسیہ پر تو خاص طور پر کوئی جملہ نہیں یاد آ رہا جو مجھے لکھا ہو ویسے بہت سے ہیں جو مجھے اپنے رب کے آگے شکر گزار رکھتے ہیں جیسے میرے بارے میں ایک یہ جملہ تقریباً ہر جگہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے ساتھ چلنے کا کام ہی کرتی ہوں (اندازہ لگا لیں میری تعریف کن لفظوں میں کی جاتی ہے) مجھے عام لگی بدلگی کا مقصد کے زندگی گزارنا بیزار کن لگتا ہے۔ زندگی میں ہلچل ہونی چاہیے۔ ٹھہرا پانی تو لو دینے لگتا ہے بس حرکت میں برکت ہونی چاہیے۔ میری یونیورسٹی کی ایک دوست کہا کرتی تھی کہ ایک میدان میں جب سب لوگ ایک طرف جا رہے ہوں اور ایک فرد تمہیں ان کی مخالف سمت میں جاتا نظر آئے تو قریب جا کر پہچاننے کی ضرورت نہیں وہ میں ہی ہوں گی۔ ہیں جی تم فیلو بھی مجھے یہی کہتی ہیں کہ ہر وہ ایکسر سائز کرے گی جو انٹی ہو۔ مشینوں پر عام سیدھے سادھے طریقے سے ایکسر سائز اس سے ہوتی نہیں (لو کر لو بات اب اور کیا آپ اپنے توصیفی کلمات کے بارے میں بتاؤں جو اصل میں مجھے خود نہیں پتہ کہ یہ میری تعریف ہے یا برائی (ہاہاہا) اور اپنے منہ میاں مٹھو کیوں ہوتا۔

3- فیض احمد فیض کی نظم "ہم دیکھیں گے" مجھے بہت پسند ہے۔ وجہ موجودہ حالات، ہماری بے بسی کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کی مانند ہو گئے ہیں تو پھر قلم کے ذریعے جہاد کی کوشش کرتے ہوئے ہم جیسوں کو یہ نظم مجھے بہت اچھی لگی ہے آپ کی نظر:

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس دن کا وعدہ ہے

جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں
روئی کی طرح اُڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہلِ حکم کے سر اوپر جب بجلی کڑکڑ کڑکے گی
جب ارضِ خدا کے کعبے سے سب بت
اُٹھوائے جائیں گے
ہم اہلِ صفا مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
سب تاج اُچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
سب تاج اُچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
جو غائب بھی ہے حاضر بھی
جو منظر بھی ہے ناظر بھی
اُٹھے گا انا الحق کا نعرہ
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو
اور راج کرے گی خلقِ خدا
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

4- شاعل اور عصروفیات بہت سی پہلا مشغلہ تو سائیکل سے لے کر گاڑی سیکھنے کا رہا گاڑی تو آ گئی لیکن سائیکل چلانا نہیں آیا۔ اب پھر سے سائیکل اور ہیوی بائیک چلانا سیکھی ہے ان شاء اللہ کیم حجازی کا ناول "یوسف بن تاشفین" پڑھی اور اس کے علاوہ انہی کا ناول "خلیفہ اور آگ" پڑھا۔ زبردست اگر وہ مجھے ملتے تو میں پوچھتی تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے وہ خود کیسے ان تاریخی کرداروں کے ساتھ خود کو پس پشت ڈال کر ان کے بارے میں لکھتے تھے۔ آپ جس دور میں رہتے ہیں تاریخی دور بہت مختلف ہے خود کو کیسے ذہنی طور پر وہاں موجود پاتے تھے اور طلاق بن زیاد یا محمد بن قاسم کا انجام لکھتے ہوئے ان کے قلم سے سیاہی لیک رہی تھی یا خون آنسو ورق ورق آنسوؤں سے لبریز اور سیاہی پھیلی ہوئی لگی یا نہیں۔

5- حنا کی بیباک قارئین کی بھی چند تحریریں پڑھیں۔ میرے علاوہ تو سبھی نے حد خوبصورت لکھی تھیں۔ بشریٰ سیال کا "یارِ من" مجھے بہت پسند آیا ہے۔ فرمائش ہے کہ ایسے ہی لکھتی رہیے۔ حنا کامران کا "یہ چاہتوں کا موسم" بہت اچھا تھا۔ سرکشی اور کرداروں کے احساسات کی ترجمانی خوب کرتی ہیں۔ حنا کامران فرمائش تو بھی مصنفات سے یہی ہے کہ ایسے ہی لکھتی رہیں ان کا تخیل ان کا اپنا ہے یہ ان کی ہوئی چیز ہے بس قلم کے زور سے منہ زور ہواؤں اور طوفان کی زد میں آئی ہمارے ملک کی کشتی جس کے ساتھ ہماری آزاد زندگی مشروط ہے، کا رخ موڑ دے اور ترقی یافتہ کنارے پر جا لگائے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے اس سے نظریں نہیں چرا سکتے۔ لمبی کہانیوں کے ذریعے ہم اس ملک میں بستے ہر اُس فرد کی سوچ کو سوچنے پر مجبور کریں جو ہمیں پڑھتے ہیں۔ یہ قلم کی طاقت ہمیں عطا کی گئی ہے۔ اسے صحیح معنوں میں استعمال کرنا ہم پر لازم ہے۔ اس کے علاوہ فضیلہ ہاشمی کا افسانہ روگی پیڑ مجھے بہت اچھا لگا۔ عورت اور پیڑ کی مماثلت کیا ہی خوب انداز میں بیان کی پیڑ اور عورت کا بانجھ پن انہیں روگی بنا دیتا ہے۔ سیوش اسد نے توبہ کے عمل بہت اچھا افسانہ تھا بالکل ہمیں دوسروں کی خوش حالی زندگی دیکھ کر اپنی زندگی میں ناشکرا پن نہیں لانا چاہیے۔ کون جانے ایک پھیکی مسکان کے پیچھے کتنے دکھ کرلا

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

رہے ہوتے ہیں۔

اپنے آپ اور اپنے رب سے خوش رہے زندگی بہت آسان گزرے۔ ان شاء اللہ جاتے جاتے یہی میری آپ سب سے گزارش ہے۔

اپنی خوبصورت یادوں میں ہمیں ہماری کہانیوں کے ذریعے بسائے رکھیے گا اور اپنی پیاری قارئین اور فوزیہ جی کا بہت شکریہ جو مجھ جیسی عالم اور کچی رائٹر سے کچھ نہ کچھ لکھوا ہی لیتے ہیں۔ یہ آپ کی محبت ہی ہے جو مجھے لکھنے پر اُکسائے رکھتی ہے۔ اللہ آپ کی اور ہماری زندگی میں آسانی لائے۔ (آمین ثم آمین)

ثمینہ طاہر بٹ لاہور

فوزیہ جی نے نئے سال کے سروے کے لیے میسج کیا تو مجھے شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا اور اس کے تدارک کے لیے میں نے فوراً اسے پیشتر سروے میں شمولیت کا ارادہ کیا اور اب آپ کے سامنے ہوں تو آتے ہیں اب ہم فوزیہ جی کے سوالات کی طرف۔

1- جاتا ہوا سال ہو یا وقت، یہ جاتے جاتے پیچھے بہت کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ بہت سی یادیں، بہت سی باتیں، بہت سی ملاقاتیں۔ سال گزر جاتا ہے یا وقت اپنی رفتار سے چلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے مگر پیچھے اَن کہی دھول چھوڑ جاتا ہے جس میں کہیں خوشگوار یادوں کی خوشبو شامل ہوتی ہے تو کہیں اداس لمحوں کے غم اور بوجھل آنسو، لیکن وقت کا کام تو چلتے جانا ہے اس لیے یہ کسی کا انتظار کیے، بغیر کسی سے کہے اپنی رفتار سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اب تو وقت کی رفتار اتنی تیز ہو گئی ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی مڑ کے پیچھے دیکھنے کی فرصت نہیں لیکن یہ جاتے دسمبر کے کچھ آخری دن، کچھ آخری پل، دل پر بہت سی یادوں کی برسات برساتے گزر رہے ہیں۔ بہت کچھ تھا جو ان بیتے لمحوں نے میری جھولی میں ڈالا اور بہت کچھ ایسا بھی تھا جو یہ لمحے جاتے جاتے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ دسمبر کی آخری شب اور اس شب کے آخری لمحات ان ہی اداس اور کچھ خوشگوار لمحوں کو یاد کرتے گزر جائے گا اور جنوری کی نئی صبح نئے احساس اور ایک نئے ولولے کے ساتھ طلوع ہو گی ان شاء اللہ اور میں خود سے کیے جانے والے کچھ نئے عہد و پیماں اور کچھ طے کیے گئے نئے ڈیزائنز کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ہمتیں جمع کروں گی اور پھر اس کارزار میں اپنی ہمت اور طاقت کے ساتھ برسرِ پیکار ہو جاؤں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

[illegible] ساتگرہ 22 فروری کو ہوتی ہے اور [illegible] دیتے ہی میرے [illegible] انسٹاگرام پر مبارک باد کے میسج آنے لگتے ہیں۔ ابو [illegible] میں سینڈ [illegible] صدا [illegible] کی طرف سے بھی بہت سارے میسج آتے ہیں اور فیملی کی طرف سے بہت سارے تہنیتی پیغامات وصول ہوتے ہیں لیکن مجھے آج بھی امی کی طرف سے اور اپنی اکلوتی بہن کی طرف سے آنے والی کال سب سے زیادہ خوش کرتی ہے۔ پھر یار دوستوں کی میرے بچے میرے لیے سرپرائز پارٹی پلان کرتے ہیں (اور مجھے ہمیشہ سے پتا ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ پلان کر رہے ہیں لیکن میں یوں ظاہر کرتی ہوں جیسے کچھ نہیں جانتی)۔ یار دوستوں پارٹی [illegible] بچے وش کرتے ہیں اور پھر کیک کاٹنے کی [illegible] اور میں خوش ہو جاتی ہوں۔ تحائف بھی سب کی طرف سے ملتے ہیں اور سرپرائز تحائف کی تو بات ہی بہت ہوتی ہے۔

بہت سے شعراء کا کلام بہت بہت پسند ہے

مجھے۔

2- ہنستے ہوئے تصویر [illegible] کے بھیگی تھی
ماں نے کیسے جان لیا میں [illegible]

راز کے گہرے پردوں میں
ہر شخص محبت کرتا ہے
حالانکہ محبت کچھ بھی نہیں
سب جھوٹے رشتے ناتے ہیں
سب دل رکھنے کی باتیں ہیں
کب کون کسی کا ہوتا ہے
سب اصلی روپ چھپاتے ہیں
احساس سے خالی لوگ یہاں
لفظوں کے تیر چلاتے ہیں
اک بار [illegible] آ کر وہ
پھر ساری عمر [illegible]
یہ عشق محبت، مہر و وفا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
ہر شخص خودی کی مستی میں
بس اپنی خاطر جیتا ہے

پھر یوں ہوا کہ ہم نے روپے بھی لیے بعد اس کے پھر کسی سے شکایت نہیں رہی کہاں ملا میں تجھے یہ سوال بعد کا ہے تو پہلے یاد تو کر، کس جگہ گنوایا مجھے تجھ کو اے شخص کبھی زیست کی تنہائی میں [illegible] آ کریں گے ہم قلبت میں گنواتے ہوئے لوگ

کے علاوہ بھی بہت سے اشعار اور نظمیں [illegible] ایک نظر میں ہی دل میں اتر گئیں۔ یہ کلام [illegible] بھی ہے اور حسب موقع بھی اس لیے یہ میرے [illegible] کے بہت قریب ہے۔

2022 میرے لیے بہت سی کامیابیاں بھی لایا۔ الحمد للہ اور بہت سی مصروفیات بھی۔ سال کے آغاز میں ہی اللہ کے فضل سے میرا اور میرے جنت مکانی ابو جی کا ایک دیرینہ خواب پورا ہوا۔ جنوری کے اواخر میں میری پہلی کتاب "سنگِ ریزے" شائع ہوئی اور الحمدللہ بہت پسند کی گئی۔ گو کہ اس سے پہلے میرے افسانے تین [illegible] مجموعوں کا حصہ بن چکے ہیں لیکن [illegible] میری تحریروں پر مبنی پہلی کتاب ہے۔ فروری میں ایک نئے پراجیکٹ کے لیے بات چیت کا آغاز ہوا اور مارچ میں [illegible] میں "بندِ حسن" کے لیے شاہین رشید کو دیا گیا انٹرویو شائع ہوا۔ مارچ میں میری بھتیجی کی شادی تھی اور اس میں شمولیت کے لیے میری بہن اور بھانجی اپنی فیملیز کے ساتھ بیرونِ ملک آئے تھے اور یہ فیملی ری یونین ایک لمبے عرصے کے بعد تھی اس لیے ہم سب نے اسے بہت انجوائے کیا۔ مارچ میں ہی وومن ڈے کے حساب سے ایوا کی طرف سے روشن ستارے کا ایوارڈ مجھے دیا گیا اور مئی میں میرے لکھے دوسرا ڈرامہ سیریل "حور، پری، نور" ایکسپریس انٹرٹینمنٹ سے شروع ہوا جو الحمدللہ کامیابی سے ہر منگل رات آٹھ بجے دکھایا جا رہا ہے اور اللہ کے فضل سے بہت پسند بھی کیا جا رہا ہے۔ [illegible] کرن کرن روشنی کی طرف سے ادبی خدمات پر ایوارڈ اور سند سے نوازا گیا۔ اکتوبر میں ایوا کی سالانہ ورکشاپ میں ڈرامہ نگار اور ناول نگار کے طور پر ایوارڈز، میڈل اور سرٹیفکیٹس سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ سارے سال میں بہت سے اعزازات، میڈلز، سندیں اور ایوارڈز عطا کیے گئے الحمدللہ۔ اللہ کے کرم سے یہ سارا سال ہی کامیابیوں کو سمیٹتے گزرا اور ایک اور بڑی کامیابی "لکس اسٹائل ایوارڈ" میں میرے لکھے گئے پہلے ڈرامہ سیریل "نیرہا آنگن" کی نامزدگی

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تھی۔ نیز حنا آنگن کو تین کیٹگریز میں نامزد کیا گیا۔ "بیسٹ ایکٹر، بیسٹ ایکٹریس اور بیسٹ ڈرامہ" ایوارڈ ملنا یا نہ ملنا الگ بات ہے لیکن اتنے بڑے ایوارڈ شو میں نومینیٹ ہونا بھی کسی اعزاز سے کم نہیں اور الحمدللہ، اللہ پاک نے یہ کامیابی بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی الحمدللہ لیکن پھر نومبر کے آخر میں طبیعت اچانک بہت خراب ہوئی اور یہ ابھی تک (دسمبر کے اینڈ تک) خراب ہی چل رہی ہے۔ سخت پرہیز اور علاج جاری ہے۔

"حنا" کا اور میرا ساتھ بہت پرانا ہے۔ میری پہلی باضابطہ تحریر "حنا" میں ہی شائع ہوئی تھی اور اس کے لیے میں ہمیشہ فوزیہ جی کا شکرگزار رہوں گی کہ مجھے پہلا چانس "حنا" اور فوزیہ جی نے دیا۔ اس لیے "حنا" کا ساتھ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس پورے سال میں "حنا" میں میری بہت سی کمالی دوستوں کی تحاریر شائع ہوتی رہیں اور سب ہمیشہ کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ مجھے کبھی بھی اپنے دوستوں اور اپنے اس خوبصورت رشتوں سے کوئی شکوہ شکایت نہیں رہی۔ یہ وہ جہاں دوستی ہو، وہاں مان اور اپنائیت ہوتا ہے اور شکوہ شکایت کرنے سے مان اور بھروسے کی نازک دیواروں میں دراڑ آ جاتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گہری تو ہو سکتی ہے ختم نہیں۔ اس لیے نو شکوہ، نو شکایت۔ سب اچھا لکھ رہے ہیں اور اللہ رب العزت سے جس کے ذمے جو کام لگایا ہے سب اسے اچھی طرح سرانجام دے رہے ہیں الحمدللہ!!

آخر میں سب دوستوں کو نئے سال کی بہت بہت مبارک باد اور اللہ رب العزت سے دلی دعا ہے کہ مجھ سمیت سب کے لیے یہ سال خوشیوں ... سب کی جائز خواہشات پوری ہو جائیں۔ جس نے جو خواب آنکھوں میں سجا رکھے ہیں۔ اللہ پاک اپنی رحمت سے سب کے سب خواب پورے کر دے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

(باقی سر دے گلے ماو)

اظہارِ غم

آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ بشریٰ سیال کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

ادارہ "حنا" دکھ کی اس گھڑی میں بشریٰ سیال کے ساتھ ہے اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ بشریٰ سیال اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور والدہ ماجدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین

قارئین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

القرآن

○ اور ہم نے ایک آڑان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں۔ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

(سورہ یٰسین ۹،۱۰)

○ اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

(سورہ رحمٰن ۴۸،۴۹)

○ یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے۔ وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ جبار، ملتان

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے۔ گھی، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ ﷺ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لیے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لیے، دوسرا گھر والوں کے لیے، معاشرتی حقوق کے لیے جس میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لیے۔

(سید ستار، رحیم یار خان)

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا "اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟"

"میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔" یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا: "میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔"

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا: "مجھ سکندر کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔"

ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا: "تیری اس دانائی کا جواب سب سے تو لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔"

فریال امین، نور یہ نیک سنگھ

اہل سچائی

○ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو وعدوں پر راستی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

○ تواضع سربلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

○ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لیے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا عزم کرنا چاہیے۔

○ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

○ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

○ اگر آپ کو لگتا ہے خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس نے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

○ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے۔

نازیہ کمال، حیدرآباد

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجیے۔ کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں۔ اپنی عادتوں کی حفاظت کریں۔ کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں۔ اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مریم رباب، خانیوال

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

تمہارے لیے

وہی موسم ہے
بارش کی ہنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

شاہ حیدر، سرگودھا

کچھ لوگ

○ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سٹ جانے کے لیے پے چین رہتا ہے۔

○ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

○ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔

○ کچھ لوگ چھاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں پر اس طرح سایہ کرتے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دوشمن، میاں چنوں

تسنیم کاظمی

سعدیہ عمر ..... سرگودھا

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
عجب معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

.....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے عطا کی صدیوں نے سزا پائی

ام ایمن ..... گوجرانوالہ

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

.....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

.....

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے

عابدہ سعید ..... گجرات

نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈولی
نظر کے دریا میں آنے والا اُبال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اُداس موسم میں بے کسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

.....

ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

.....

دل تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

.....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کر کے امید ثواب رکھتے ہیں

آسیہ وحید ..... لاہور

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا ج

.....

ہاں مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

.....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اُجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

جویریہ ناصر ..... گلبرگ لاہور

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کسی انداز کا رشتہ

.....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر کچھ بیبیوں کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے

.....

رمشہ نظفر.....بہاول پور
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

.....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اُٹھا دی جائیں گی

.....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا

عاصمہ سرور.....دہاڑی
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم بھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

.....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اُداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

.....

رابطہ چٹ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضعفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے

رابعہ ارشد.....فیصل آباد
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اُجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

.....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں اُلجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گناہوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

.....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں

مسرت مصباح.....لاڑکانہ
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبی تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

.....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں

عدیلہ جبار.....ملتان
مکمل فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پر مہر تھی پر میرے شیشہ رونے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

✦✦✦

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار.....ملتان
س: کم خواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟
ج: جب کم خواب پھٹ جائے۔
س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟
ج: اس لیے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔
س: عمر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟
ج: جب پانچوں اُنگلیاں گھی میں ہوں۔

آنسہ ممتاز.....رحیم یار خان
س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟
ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔
س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟
ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔
س: شعر کا جواب دیں۔
کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تجھے اپنے خدا سے
ج: شعر کا جواب شعر میں حاضر ہے۔
یہ کی تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

فریال امین.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟
ج: کسی ہمراز سے۔
س: عین غین جی خوشحال لگتے ہوئے آخر کیوں؟
ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔
س: اس نے کہا "یہ دل آپ کا ہوا" کیا یہ سچ ہے؟
ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم؟
س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟
ج: ارادے! ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔
س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟
ج: جو تم پکا سکو گی۔

نازیہ کمال.....حیدرآباد
س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟
ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لیے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔
س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟
ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔
س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟
ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔
س: اگر سب انسان الگ ہوتے تو؟
ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

مریم رباب.....خانیوال
س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟
ج: خیال۔
س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟
ج: جانیاں اور چاکلیٹ اپنے پاس رکھا کرو۔
س: آپ کی زندگی کا بورلمحہ؟
ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

☆☆☆

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"تمہیں شرم نہیں آئی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟"

"سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟" کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

عابدہ سعید، گجرات

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

"اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ"

ڈرائیور کچھ پریشان سا ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساتھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

"میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔"

فرخ عامر، جہلم

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خوش خوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق نہیں تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا۔

روفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ "ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔"

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ "نمبر ایک کھلاڑی کون ہے"

وہ بولے "پتہ نہیں"

رابعہ قاسم، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور جانکاری

سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے:

"او میاں رکشے والے! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔"

"شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔" رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

نعیم اختر، کراچی

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نوآموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا:

"تم ہو کون؟"

"میں وکیل ہوں" نوآموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"تم جیسے وکیل میں جیب میں لیے پھرتا ہوں۔" بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہوگا، تبھی آپ جیب میں لیے پھرتے ہیں۔" نوآموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

ہمارائے، کراچی

گفٹ پیکیج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے "اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟"

دکان دار نے کہا "اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!"

سردار جی منہ بھول کر بولے "اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔"

نبیہ آصف، قصور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا "مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔"

وہ صاحب جھلا کر بولے "میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

نور گفتار

گل صاحب نے ایک دن دفتر میں آ کر کہا "میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ ہر بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔"

جواب میں اقبال میمن نے کہا "اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی اور اس کے لیے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔"

فرح ظفر، بہاول پور

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

میری ڈائری سے

آمنہ عبداللہ

نازیہ کمال کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

"بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے"

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ گھڑی چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو دیرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
یہ میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں
اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی رعنائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے

مریم رباب کی ڈائری سے ایک غزل:

آگے حریم غم سے کوئی راستہ کہاں
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

اُم خدیجہ کی ڈائری سے ایک نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری جمعیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم مٹھی میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں

تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

فرح عامر کی ڈائری سے ایک نظم

"اب کے برس"

اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ یتیم شبی کی خاموشی
یہ خندکی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص ملا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہر گئی ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

رابعہ قاسم کی ڈائری سے ایک غزل

اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
جانے اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خیر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے نہیں ہے، کون ہے سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری بزم میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے

نعیم امین کی ڈائری سے ایک نظم

مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی سلسلے کی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا

ہمارائے کی ڈائری سے ایک غزل

یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
یہ گھر، یہ ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ بیج بہت ابتدا کا لگتا ہے

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

گاجر کا حلوہ

اشیاء:

گاجر	ایک کلو
دودھ	دو لیٹر
کھویا	آدھا پاؤ
گھی	ایک پاؤ
چینی	ڈیڑھ پاؤ
بادام یا اپنی پسند کے مطابق کم یا زیادہ	
گری بادام	ایک چھٹانک
سبز الائچی	پانچ عدد
پستہ	آدھی چھٹانک
کیوڑا	چار بڑے چمچے
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب

گاجروں کو چھیل کر اس کا درمیانی سخت حصہ نکال دیں اور پھر گاجروں کو کدوکش کر لیں، انہیں دودھ میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں، جب دودھ گاجروں میں جذب ہو جائے تو چینی ڈال کر خشک کر لیں۔ اب گھی یا کڑاہی میں الائچی کے دانے ڈال کر انہیں گرم ہونے دیں اور پھر کھویا ڈالیں اور اچھی طرح بھون لیں، اس پر گاجریں ڈالیں اور بھونتے جائیں۔

اس وقت تک کہ گاجر گھی چھوڑ دے اور خوشبو آنے لگے، تابت بادام اور کیوڑہ ڈالیں اور نیچے اتار لیں بچے ہوئے بادام اور پستہ کاٹ کر حلوہ کے اوپر چھڑکیں اور اس پر چاندی کے ورق لگا دیں۔

بادام کا حلوہ

اشیاء:

بادام کی گری	ایک کلو
گھی	ایک پاؤ
بالائی	ایک پاؤ
چینی	ڈیڑھ کلو
کھویا	آدھا پاؤ
سبز الائچی	چند دانے
خشخاش	ایک چمچ
لونگ	دو عدد
پستہ	چند دانے
کیوڑا	ایک چمچ
زعفران	چند چٹکی
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب:

بادام کی گری کو پانی میں بھگو کر چھلکا اتار لیں اور باریک پیس لیں، بالائی پھینٹ لیں، کھویا بھی مسل کر بالائی میں ڈال کر پھینٹیں، ساتھ میں چینی بھی شامل کر لیں، خشخاش کو پھولنے تک پانی بھی بھیگا رہنے دیں، کھلے منہ کی دیگچی میں گھی کو گرم کریں اور سبز الائچیاں اور لونگ ڈال کر خوب بھونیں، تھوڑی دیر بعد پسے ہوئے بادام ڈال دیں اور انہیں بھی بھونتے جائیں، اس کے ساتھ بالائی کھوئے اور چینی کا آمیزہ ڈال دیں، خشخاش اور پستہ بھی ڈال دیں، آنچ دھیمی رکھیں، پانی خشک ہو کر جذب ہونے لگے اور حلوہ گھی چھوڑنے لگے تو کیوڑا ڈال کر اتار لیں کچھ دیر یوں ہی پڑا رہنے دیں، اب ایک ڈش

میں نکال کر اوپر چاندی کے ورق لگا دیں اور پستہ بھی چھڑک دیں۔

انڈوں کا حلوہ

اشیاء:

انڈے	چھ عدد
گھی	تین چھٹانک
کھویا	تین چھٹانک
چینی	ایک پاؤ
خشخاش	ایک چھٹانک
بادام کی گری	ایک چھٹانک
پستہ	ایک تولہ
سبز الائچی	چند دانے
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب

انڈوں کی سفیدی اور زردی الگ الگ کر کے خوب پھینٹیں خشخاش کو باریک پیس لیں بادام کو بھگو کر چھیل لیں اور پستے کے ساتھ باریک کاٹ لیں۔ کھلی پتیلی میں گھی ڈالیں جب پگھلنے لگے تو اس میں سبز الائچی کے دانے ڈال دیں، خوشبو اٹھنے پر کھویا اور خشخاش ملا کر خوب بھونیں۔

اب انڈوں کی زردی اور سفیدی بھی ملا دیں اور چمچہ چلاتے رہیں، جب آمیزہ گھی چھوڑ دے تو چینی ڈال دیں چینی حل کر خشک ہو جائے تو پتیلی اتار لیں اب کیوڑہ، پستہ اور بادام چھڑک دیں لذیذ حلوہ کھانے کے لیے تیار ہے۔

چوکور حلوہ

اشیاء:

تازہ کھجور	آدھا کلو
دودھ	دو لیٹر
بالائی	ایک پاؤ
چنے کی دال	ایک پاؤ
گھی	آدھا کلو
کیوڑہ	چند قطرے
بادام کی گری	ایک چھٹانک
پستہ	چند دانے
سبز الائچی	چند دانے
لونگ	دو عدد

ترکیب

کھجور کو دھو کر گٹھلی نکال لیں پھر چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں دودھ کو چن کر دو گھنٹے تک بھگوئے رکھیں، پھر اس کو دودھ میں جوش دے لیں، دانے گل جائیں تو اتار لیں اور دودھ میں سے نکال کر باریک پیس لیں۔ کھجوروں کو بھی اچھی طرح ہاتھوں سے مسل کر دال میں ملا لیں، پتیلے میں گھی کو گرم کریں اور اس میں الائچی اور لونگ کو بھون لیں۔ پستہ اور بادام بھی ساتھ ڈال لیں۔ اس کے بعد مل ہوئی دال اور کھجوریں ڈال کر بھونیں جس دودھ میں دال اُبالی تھی اس میں چینی اور بالائی کو پھینٹ کر ڈالیں اور چمچہ چلاتے رہیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ شیرہ گاڑھا ہو کر جذب ہونے لگے اور دودھ خشک ہو جائے، گھی اوپر حلوے کو چھوڑنے لگے تو کیوڑہ ڈالیں، چند منٹ بعد اتار لیں ٹھنڈا ہونے دیں، ڈش میں نکال لیں، چاندی کے ورق لگا دیں، بادام اور پستہ ذوق کے مطابق سجا لیں اور چاہے تو گلاب کی پتیاں اور کھوپرے کی قاشیں باریک کر کے چھڑک دیں۔

+++

PARHLO.COM.PK
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نئی دنیا سب کے لیے

فوزیہ شفیق

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

نئی اُمیدوں، نئی خواہشوں اور نئے خوابوں کے ساتھ ایک اور نیا سال دستک دے رہا ہے۔

طلوع و غروب ہوتے روز و شب میں کوئی جدت نہ سہی، سب ہی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تبدیلی کا عمل لازم اور اُمید زندگی کے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔ نئے سال کی آمد کے ساتھ ارادوں، خواہشوں اور خوابوں کا سلسلہ بھی نکلتا ہے۔ امن، انصاف اور خوش حالی کے خواب۔

ایک ایسی دنیا کے خواب جہاں طاقت کی نہیں، انصاف کی حکمرانی ہو، جہاں سب کو سر اُٹھا کر جینے کا حق حاصل ہو۔

ان خوابوں کی تعبیر کے لیے انسان صدیوں سے سرگرداں ہے۔ تمام پیغمبر، ہادی انسانیت کی فلاح کے لیے ہی دنیا میں بھیجے گئے۔ تمام فلسفی اسی کی جستجو اور کھوج میں غور و فکر کرتے رہے مگر خلاؤں کو تسخیر کرنے والا انسان دھرتی پر رہنے کا سلیقہ نہ سیکھ سکا۔ گیا سال کسی حوالے سے کوئی خوش کن پیغام نہ دے سکا۔ وطن عزیز میں سیلاب کی تباہ کاریوں نے ہر طرف اپنے نشان چھوڑے ہیں۔ جانے والے وقت کی بہتری کے لیے ہماری خوش آمدید کے ساتھ دُعا گو ہوں۔

آپ سب کو نیا سال مبارک!!

ہماری دعا ہے آنے والا سال ہم سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے۔ آمین

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں ہمیشہ کی طرح درود و سلام، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اسی میں ہماری بقا ہے۔

یہاں آپ سب قارئین کو ایک خوش خبری سناتے چلیں، آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ سیدہ نایاب جیلانی نے ماہ جنوری سے اپنا نیا سلسلے وار ناول "سکسیل" شروع کیا ہے۔ اُمید ہے کہ نایاب جیلانی کی یہ تحریر آپ سب کے ذوق پر پورا اُترے گی۔

یہ پہلا خط ہمیں ہماری دل عزیز مصنفہ قرۃ العین رائے کا ملا ہے۔ خط کا پہلا حصہ کچھ ہٹ کر ہے۔ قرۃ العین نے جس جذبے اور موج کے ساتھ لکھا اندازہ کیجیے اس کو آپ سب سمجھ پائیں۔ آیئے دیکھتے ہیں وہ کیا لکھ رہی ہیں۔

پیارو کی قرۃ العین! اسلام علیکم

اُمید ہے کہ تم خیریت سے ہوگی لیکن میں خیریت سے نہیں ہوں۔ ہر روز جب تم آئینہ دیکھتی ہو تمہارے خدوخال اور چہرے کی تازگی و پژمردگی تو مجھے نظر نہیں آتی بس نظر آتا ہے تو ان گنت سوالات سے بھرا چہرہ وہ سوالات جو تمہارے اندر چلتے ہیں زبان پر بھی در آتے ہیں۔ گفتگو بھی ہوتے ہیں۔ تبادلہ خیالات میں بھی سرگرداں رہتے ہیں مگر خواب ندارد کوئی کاسۂ نظر میں سوالات لیے گھومتا ہے لیکن جوابات کے سکے اچھالنے پر کوئی بھی قادر نہیں۔

وہی ہر کسی کے غم جاناں اور غم دوراں ہے۔ وہی درد کی راتیں ہیں یوں لگتا ہے کہ کچھ بھی بدلا نہیں اس ملک کے باسی وہی زندگی

گزار رہے ہیں جو گزارتے چلے آرہے ہیں تو پھر دل بوجھل اور قدم لرزاں کیوں ہیں۔ ہر کوئی محو زباں سے ایک ہی سوال کہ ہاں کیوں نظر آتا ہے۔ کیا اسی لیے ہمارے پرکھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کے ہمارے لیے یہ آزاد ملک حاصل کیا تھا کہ کسی بیرونی باسی کی حکمرانی گوارا نہیں کی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی روح اور جسم پر تو کیوں میرا دل انگریز بوٹ کی چاپ پر دھڑکنا بھول رہا ہے۔ کیوں میرے خیالات مجھے کسی ان دیکھے قفس میں پھڑپھڑاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ہر ذی روح کے چہرے پر یہ کیسی زردی کھنڈ گئی ہے پوری فضا جھوٹ، بہتان، الزام جیسی آلودگی سے کیونکر آلودہ ہوگئی ہے۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے ہماری قوم کو ان دیکھی زنجیر میں جکڑے کسی گہرے کھڈ کی جانب دھکیلا جا رہا ہے اور ہم بنا روکے، بنا سمجھے اور بنا جانے ہانکے میں لگے جا رہے ہیں۔ تحریک اور انقلاب کہاں سے اُبھرے گا وہ تو آچکا اسلام ایک انقلاب تھا جو پوری دنیا پر نمودار ہوا اور جو اس تحریک میں شامل ہوئے لازوال ہوگئے۔ اب تو راستہ دکھایا جا چکا۔ روشنی کا سفر آبلہ پائی کے ساتھ کرنے کا اذن دیا جا چکا ہے۔ صراط مستقیم کا انتخاب کیا جا چکا ہے پھر کسی انقلاب کے منتظر ہے یہ قوم؟

بس ایسے ہی سوالات ہیں جو ہر روز چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سرگرداں ہیں جواب شاید ہماری بے حسی میں کھو گئے ہیں۔ تمہارے انہی خیالات کو میں نے غزل کا روپ دیا ہے پڑھو اور بتاؤ کیسی ہے؟

جانتا نہیں ناداں تو، اپنا فقر اب کوئی نہیں
دیارِ طلعت میں حق کا علم بردار اب کوئی نہیں
پابند سلاسل ہیں زباں پر تالے اور ہاتھوں میں بیڑیاں
اور اس قید و بند میں ہمارا پرسانِ حال اب کوئی نہیں
چور چور زخم زخم وجود کا عیسیٰ ابن مریم اب کوئی نہیں
گھپ اندھیرا ہر سو چھایا ہے شب ظلمت دبیز ہے
ننھا جگنو کھو گیا اور سفر منزل کا رہنما اب کوئی نہیں
تو کیا کھو جائے اس دیارِ ظلمت کے بھنور میں یونہی
اور ڈوب جائے یہ پکارتے ہوئے صدا سننے والا اب کوئی نہیں
مجھے پھر بھی صدا بلند کرنی ہے حق کی اس چاہ میں
بے شک کانوں میں جوں تک رینگنے والا اب کوئی نہیں
ہم ہی بلیں گے جگنو بھائے گے دل اس شب ظلمت میں
کتنا ناداں ہے تو یہ سمجھے کہ تیرگی مٹانے والا اب کوئی نہیں

تمہاری داد و واہ اور داد کی طلب گار نہیں ہوں میں نے تو جو تم سے کہا ہے نہ کہ پڑھو اور بتاؤ کیسی لگی میرا مقصد اس سوال کا یہ ہے کہ خدارا خود کو بیدار کرو یوں بے حس، بے ضمیر نظامی بھری زندگی گوارا ناں کرو تمہارے پرکھوں نے یہ طوق نہیں پہنا تو تم بھی اُتار پھینکو جو جس زندگی کے شعبے سے منسلک ہے کہ بس صراط مستقیم کی راہ کو اپنانے کی اپنی سے سعی کرے اپنے ملک کو بچانے کی کوشش کرے تمہیں زاہد کا رتبہ دیا گیا ہے اور دورِ حاضر میں یہی تمہارا جہاد ہے صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کرنے پیارے قارئین میں نے اپنے قلم (لفظ) کے چھوٹے سے حصے کی چھوٹی سی سعی کی ہے۔ آپ بھی کریں اور اپنے ضمیر کی آواز سنیں اور شروع کریں خطوط کو جو آپ کا ضمیر ہر روز آپ کو سوال کرتا ہے انہیں بند لفافوں میں کسی دراز کا حصہ بننے نہ دے۔ ہم ایک زندہ قوم ہیں، آزاد ملک کے باسی ہیں۔ ہم ماں ہیں، بہنیں ہیں، بھائی ہیں، باپ ہیں، ہم سب پر ایک دوسرے کے فرائض و حقوق ہیں اور اس ملک کا بھی ہم پر حق ادا کریں۔ یہ جس طرح سے ماں ہونے کے ناطے اور ایک حساس مصنفہ ہونے

PAKSOCIETY.COM
Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کے ناطے میں ان بیٹوں کی چاپ کو برداشت نہیں کر پا رہی ہوں۔ جو رات کے اندھیرے میں ہمارے گھر گھس آئے ہیں اور ہم سے ہمارے حکمران کا انتخاب کا حق چھیننے کے درپے ہیں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آئینوں کا رخ اچھے دنوں کی جانب کریں۔ اپنے ملک کو اس شب خون سے نکال لے آئیں۔ ہم ایک قوم ہو جائیں، زندہ قوم ہو جائیں۔

پاکستان زندہ باد، پائندہ باد۔ اچھی قرا العین اور پیارے قارئین اب اجازت چاہوں گا۔

تمہارا خیر خواہ تمہارا ضمیر

پیارے قارئین! یہ تو تھا وہ خط جو میرے ضمیر نے رات کی خاموشی اور تنہائی میں اپنے اردگرد گرگٹ کی طرح تیزی سے بدلتے ملکی حالات کو محسوس کرتے ہوئے مجھ سے لکھوایا اور اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہوئے میں نے اسے آپ تک پہنچا دیا۔

اور یہ خط ہے میرا اپنے تمام قارئین کے لیے جنہوں نے میرا ناول ''جل تھل'' کو اتنی پذیرائی دی اور پسندیدگی کی سند بخشی۔ بہت بہت شکریہ آپ سب کا۔ میں خاص طور پر اپنی پیاری سی قارئین طاہرہ لے کر شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی رائے میرے لیے بہت اہم اور مجھے لکھنے پر متحرک رکھتی ہے۔

پہلی قسط کے بعد پہلی رائے ستمبر کے شمارے میں آصفہ رحیم نے مجھے سرگودھا سے بھیجی تھی۔ بقول ان کے پہلے حصے نے ہی انہیں بے حد متاثر کیا تھا۔ پھر بشریٰ فریاد نے فیصل آباد سے ای میل کر کے سب سے پہلے میرے ناول کے متعلق بات کی تھی۔ انہیں سٹارٹ بہت اچھا لگا تھا اور انہیں میرے لکھنے کا انداز جٹ کر لگا تھا بہت شکریہ آپ دونوں کا۔

گل آرا مجھے اکتوبر کے شمارے میں ہانیہ رباب اور سعدیہ اکرم کی موصول ہوئی تھیں۔ ہانیہ کو ناول موضوع کے لحاظ سے منفرد لگا اور سعدیہ کو میرے اس ناول کے کردار مالا میں موتی کی مانند پروئے ہوئے لگے تھے۔ بہت شکریہ جناب آپ دونوں کا۔

نومبر کے شمارے میں ہم فکر کریں گے حفصہ رحیم کا جو ملتان سے تشریف لائیں اور خوب تفصیل کے ساتھ ہر کردار کے متعلق دل کا اظہار کیا۔ ناول بلاوجہ طویل نہ کیا جائے یہ ان کی گزارش تھی جو ہم نے فوراً مان لی اور نومبر میں ناول کی آخری قسط شائع ہوئی۔ شاذیہ اطہر نے بھی اس شمارے میں میرے ناول پر اچھی رائے زنی کی۔ مشکور ہوں میں آپ کی۔

دسمبر کے شمارے میں فاطمہ عمر نے کمالیہ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ انہیں ناول کا آخری حصہ پسند آیا اور میری یہ تحریر انہیں متاثر کن لگی۔ ارم آصف بھی اختتام خوبصورت لگا آپ کا تہہ دل سے بے حد شکریہ۔

اور باقی میرے ان سبھی قارئین کا دل سے شکریہ جنہیں میرا یہ ناول پسند آیا یا آپ کی ناپسند ہمارے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے مجھے ایک نئی توانائی ملتی ہے اور مصروف زندگی میں سے کچھ پل آپ کی محبت میں آپ کے لیے نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہوں۔ بس جاتے جاتے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں اپنے پیارے وطن اس ارض پاک کے آزاد اور قائم رہنے کی دعا ضرور کیجیے گا۔ یہ ملک ہے تو ہم ہیں ہماری شناخت ہے ہماری آن بان ہے۔

خدا کرے کہ میرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
آمین ثم آمین

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.